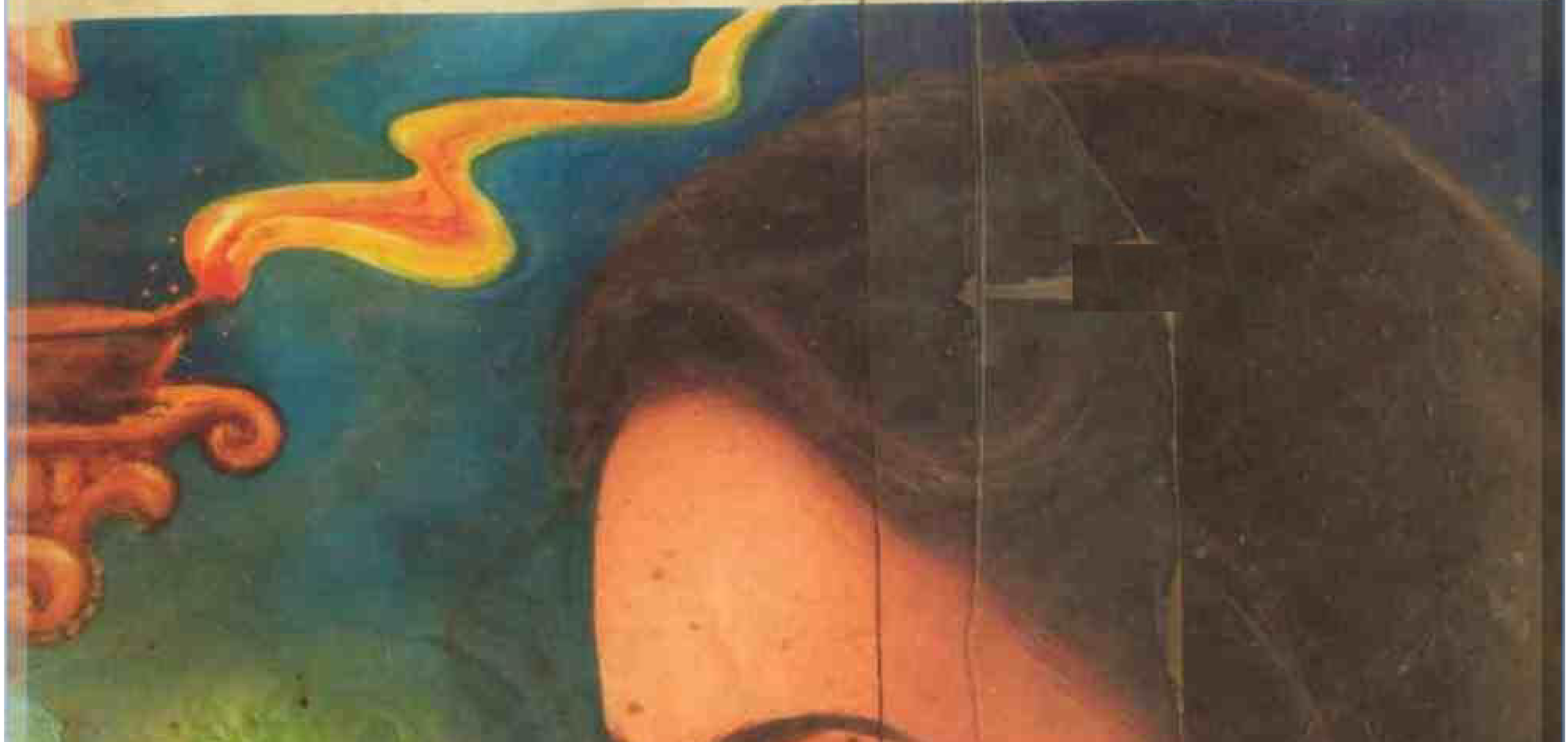
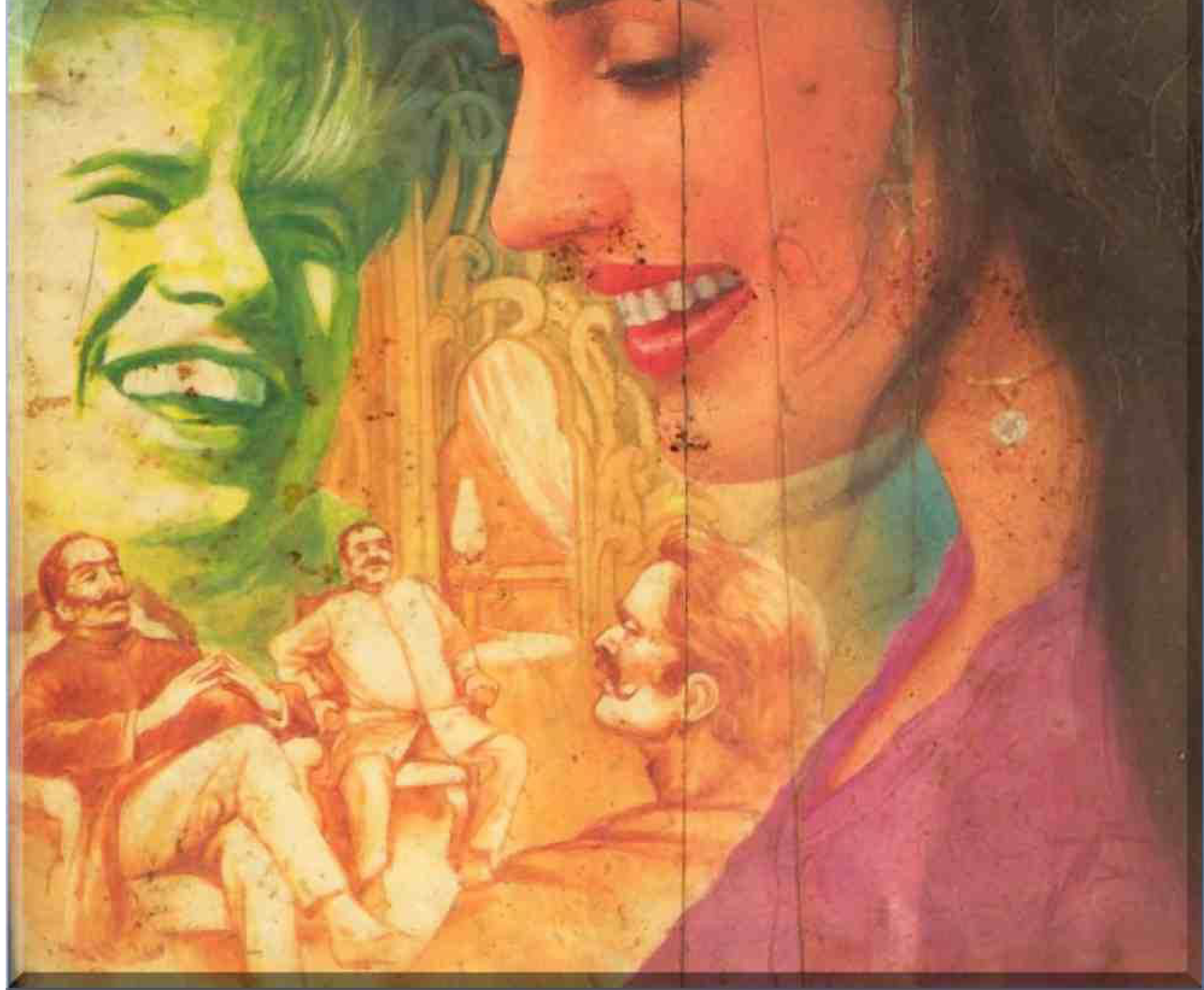
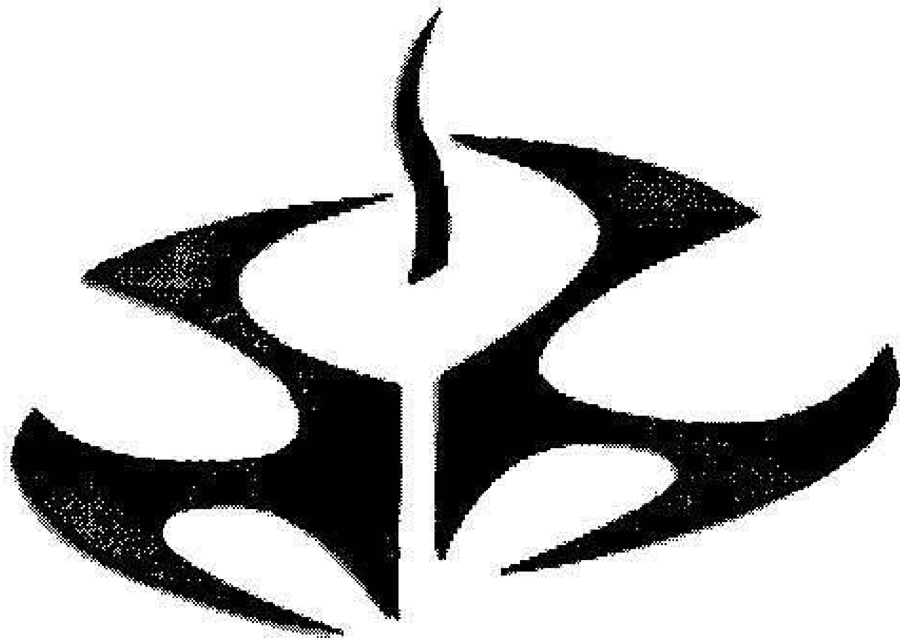
خواب زادہ

ایس ایم الیاس







Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

ہنگاموں کے بیوپاری

نعیم ملک

کی

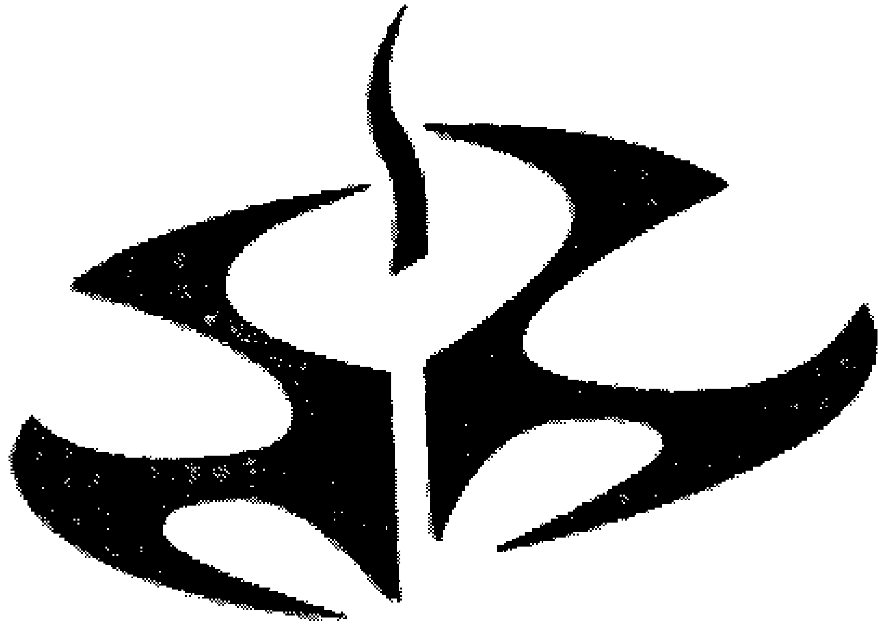
تہلکہ خیز سرگزشت

خواب زادہ

ایس ایم الیاس







ناشر : محمد علی قریشی

باہتمام : عبدالحفیظ قریشی

بار اول : ۱۹۹۸ء

مطبع : نیئر اسد پریس

قیمت : ۱۵۰/- روپے

کتاب پر مت لکھیں

کتاب پر لکھنے والے سے قیمت وصول کی جائیگی

مجھے نہیں معلوم کہ جس وقت میری یہ سرگزشت کسی کی نظر سے گزرے گی اس وقت میں زندہ بھی ہوں گا یا نہیں اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ میرے لکھے ہوئے ان حروف کو دیمک چاٹ جائے اور ان پر کبھی کسی کی نظر بھی نہ پڑے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں' میں تو اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ میں یہ باتیں کسی سے کہہ نہیں سکتا اس لئے انہیں کاغذ پر منتقل کر رہا ہوں۔

میرا تعلق پنجاب کے ایک نچلے متوسط گھرانے سے ہے۔ میرے والد انگریز کے عہد میں محکمہ آبکاری میں کلرک تھے اور چونکہ بہت ایماندار تھے اس لئے ہمارا گھر شروع سے ہی معاشی بدحالی کا شکار رہا۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور انہیں میرے مستقبل سے بہت امیدیں وابستہ تھیں۔ میری والدہ نے اپنے زیور بیچ بیچ کر میرے تعلیمی اخراجات پورے کئے تھے کیونکہ میرے والد کی استطاعت نہ تھی کہ میری بڑی بہن کے لئے اچھا جہیز فراہم کرنے کے ساتھ ہی ساتھ میرے تعلیمی اخراجات بھی پورے کر سکیں۔ آٹھویں جماعت تک میرا شمار سکول کے ذہین اور چالاک لڑکوں میں ہوتا تھا لیکن نویں جماعت میں پہنچتے ہی میری دوستی چند اوباش لڑکوں سے ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ میں انہی کے رنگ میں رنگ گیا۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ پڑھائی سے میرا دل اچاٹ ہو گیا اور میں اپنا تمام وقت لڑائی جھگڑے' کھیل اور آوارہ گردی میں گزارنے لگا۔ میں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا لیکن بچپن سے ہی میرے اندر ذہانت' عیاری اور جاہ پسندی کے جراثیم موجود تھے۔ میں ٹیڑھی راہ پر تو پہلے ہی چل نکلا تھا اس پر مستزاد یہ کہ میٹرک میں اقبال سنگھ سوڈھی میرا یار غار بن گیا۔ یہ سکھ لڑکا تین سال سے میٹرک میں فیل ہو رہا تھا اور اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اسے پڑھائی سے دور کا واسطہ نہیں ہے۔

اقبال سنگھ بھی فٹ بال کا اچھا کھلاڑی تھا اور میں بھی' ہم اپنے اسکول کی جانب سے کئی مرتبہ میچ کھیلنے کے لئے دوسرے شہر بھیجے گئے۔ اس آمد و رفت کے دوران ہی اقبال سنگھ سوڈھی نے مجھے نظربازی کے اسرار واموز سے آشنا کیا۔ میں تندرست و توانا تھا' وجیہہ تھا' شکیل و جمیل تھا۔ بیس برس کی عمر میں پچیس برس کا کھایا کھیلا ہوا مرد نظر آتا تھا۔ شاید یہی باتیں تھیں کہ مجھے لڑکیوں کا کوئی خاص تعاقب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی بلکہ وہ خود ہی میری مردانہ وجاہت پر مرتی تھیں۔ غرض ان سب باتوں نے مجھ کر لیے

کو نیم چڑھا بنا دیا اور میٹرک کے امتحان کی تیاری کے بجائے میں صنف نازک کو فتح کرنے کے نت نئے گر سیکھتا رہا۔

میں نے جیسے تیسے میٹرک کا امتحان دیا لیکن نتیجے کے خوف نے میرے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے میٹرک میں پاس ہونے کی ایک فیصد امید بھی نہ تھی اور ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا تھا کہ میرے میٹرک کے امتحان کی فیس' والدہ کا آخری زیور بیچ کر ادا کی گئی ہے۔ اس صورتحال نے مجھ پر ایک عجیب سا احساس گناہ طاری کر دیا تھا اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میٹرک کا نتیجہ معلوم ہوتے ہی میرے والدین ریت کی دیوار کے مانند ڈھے جائیں گے۔

نتیجہ آنے میں جب چند ہی دن باقی رہ گئے تو ضمیر کی ملامت مجھ سے برداشت نہ ہو سکی اور میں نے گھر سے فرار ہو کر والدین کے معاشی استحکام کے لئے کچھ کر گزرنے کا منصوبہ بنایا۔ اقبال سنگھ میرا یار تھا اسے جب میرے منصوبے کا علم ہوا تو وہ میری نادانی پر بہت ہنسا۔ یہ 1936ء کا پر آشوب دور تھا۔ معاشی بدحالی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ پنجاب کے گریجویٹ نوجوان پولیس میں بطور سپاہی بھرتی ہونے کے لئے بمبئی یا کلکتہ کا رخ کرتے تھے۔ ایسے حالات میں ایک غریب باپ کے میٹرک فیل بیٹے کو بھلا کون نوکری دیتا۔ غرض یہ کہ اقبال سنگھ نے پہلے تو مجھے اس منصوبے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن جب اس نے اندازہ لگایا کہ میں اس بارے میں کوئی بات سننے پر تیار نہیں تو اس نے مجھے بتایا کہ اسکے ایک چچا کرنل گجندر سنگھ ریاست ولاس پور میں خاصی بڑی چیز ہیں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ ایک دو دن میں مجھے اپنے چاچا کے پاس لے چلے گا اور وہ کچھ نہ کچھ ضرور کر کریں گے۔

اقبال سنگھ ادہر مجھ سے یہ وعدہ کر کے گیا اور ادہر میں چپکے چپکے گھر سے فرار ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اپنے چند جوڑے کپڑے سمیٹے' انہیں ایک ٹرنک میں رکھا اور ٹرنک رات کو ایک دوسرے دوست کے ہاں پہنچا دیا۔ چند دوستوں سے دو دو چار چار روپے قرض لئے اور اس طرح پچیس تیس روپے اکٹھے کئے اور پھر تیسرے دن اقبال سنگھ اور میں ولاس پور کے لئے روانہ ہو گئے۔

گاڑی رات کو دس بجے ولاس پور پہنچی۔ کرنل گجندر سنگھ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اقبال سنگھ کی چاچی نے ہمارا سواگت کیا اور بیٹھک میں سونے کا انتظام کر دیا۔ کھانے کا جھگڑا ہم اسٹیشن سے ہی نمٹا کر آئے تھے تاکہ چاچی کو ناوقت تکلیف نہ ہو' اس لئے ہم دونوں چاچا کا انتظار کئے بغیر لمبی تان کر سو گئے۔ دوسرے دن صبح ابھی ہم سو کر اٹھے ہی تھے کہ چاچا گجندر سنگھ بیٹھک میں وارد ہو گئے اقبال سنگھ کو گلے سے لگایا' مجھ سے بھی بہت تپاک سے ملے۔ اس اثناء میں چاچی نے گرم گرم ناشتے کی سینی ہمارے سامنے لگا دی۔

ناشتے کے دوران چاچا گجندر سنگھ نے ہماری آمد کا سبب پوچھا تو اقبال سنگھ نے میرا مسئلہ ان سے بیان کیا۔ پہلے تو ملازمت کے ذکر پر انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا' میری تعلیمی لیاقت دریافت کی' چند اور باتیں پوچھیں پھر خاموشی سے چائے پینے لگے۔ ان کے اس رویئے سے میرا دل بیٹھ سا گیا۔ چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر انہوں نے مجھے مخاطب کیا۔ "مہاراجہ کے باڈی گارڈ دستے میں ایک اسامی خالی ہے' اگر تم چاہو تو میں کوشش کروں لیکن یہ سمجھ لو کہ مہاراجہ کی نوکری ہنسی کھیل نہیں ہے۔ تمہیں ہر وقت راج محل کے احاطے میں محدود رہنا ہو گا' مہاراجہ کے اشارے پر اپنی جان دینا اور دوسرے کی جان لینا تمہارا کام ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سی کڑی شرطیں ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں مودی صاحب سے بات کروں۔ ویسے یہ بھی بتا دوں کہ تنخواہ افسروں جتنی ہے۔ یعنی سو روپیہ' ماہوار۔ کھانا پینا' وردی' سادہ لباس گھوڑا' سائیس' اردلی اور بنگلہ وغیرہ سب مفت ہے۔"

چاچا گجندر کی یہ بات سن کر میں تو جیسے خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ "چاچا جی! میں تو ہر قسم کی نوکری کو تیار ہوں اور یہ تو نوکری ہی شاہی ہے۔" میں نے چاچا گجندر سے کہا۔

"دراصل ہزہائی نس نے وائسرائے کے باڈی گارڈ دستے کی طرز پر بلکہ اس سے بھی اچھا باڈی گارڈ دستہ تیار کیا ہے۔ مہاراجہ ایک ایک وردی پر تو پانچ پانچ سو روپے خرچ کرتے ہیں اور ایسی ایسی چار وردیاں ہر سال ملتی ہیں۔ باڈی گارڈ کی اسامی پر زیادہ تر پنجاب اور سرحد کے جوان ہیں' ہاں افسر مرہٹے ہیں۔"

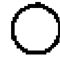
"چاچا——— آپ دیکھ نہیں رہے نعیم کی تو باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔" اقبال سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"باچھیں کھلنی بھی چاہئیں۔ قسمت والوں کو ہی ایسی جگہ ملتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ نعیم کی صحت اور اس کا قد وغیرہ بہت اچھا ہے اور یہاں یہی سب کچھ دیکھا جاتا ہے۔ ویسے یہ تو ہے کہ اس نوکری میں پابندیاں بہت سخت ہیں لیکن ان کے بدلے میں جو آسائشیں ملتی ہیں وہ مجھ جیسے افسروں کو بھی نصیب نہیں۔" چاچا نے کہا۔ میں ان کی باتیں سن کر ایک مسرت آگیں محسوس کرنے لگا تھا۔ "میں بخوشی تیار ہوں چاچا جی۔" میں نے بے اختیار ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے' تم تیار ہو جاؤ' میں دس بجے تمہیں مودی صاحب کے پاس لے جاؤں گا۔" چاچا نے کہا اور اندر چلے گئے۔

پانچویں دن' وزن میں سات پونڈ کی کمی ہونے کے باوجود کرنل گجندر سنگھ کی سفارش پر میرا تقرر ہو گیا اور میرے لئے یہ اتنی بڑی بات تھی کہ اس دن میرے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اس رات اقبال سنگھ نے اور میں نے اس خوشی میں خوب شراب لنڈھائی اور پہلو بھی گرم کیا۔ دوسرے دن صبح اقبال سنگھ واپس جا رہا تھا اور میری تربیت کا عرصہ

شروع ہونے والا تھا۔ اقبال سنگھ کو میں نے سختی سے منع کر دیا کہ وہ ابھی میرے والدین کو کچھ بھی نہ بتائے۔ پہلی تنخواہ ملنے کے بعد منی آرڈر کے ساتھ ہی انہیں اپنے بارے میں سب کچھ لکھوں گا۔



چھ ماہ کی نہایت سخت تربیت کے دوران مجھے نشانہ بازی' شمشیرزنی' جو جتسو' پیراکی' پولو' شہسواری اور دیگر فوجی کھیلوں کی تربیت دی گئی۔ چھ ماہ کے اختتام پر میں نے اپنے تمام امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔ اس مختصر سے عرصے میں میرے قد میں ڈیڑھ انچ اور وزن میں تیس پونڈ کا اضافہ ہو چکا تھا۔ پاسنگ آؤٹ پریڈ کے بعد مجھے کارپورل بنا دیا گیا' تنخواہ میں دس روپے کا اضافہ ہوا اور ساتھ ہی محل کمپاؤنڈ میں تین کمروں کا ایک کوارٹر ایک اردلی اور ایک سائیس دے دیا گیا۔

کیپٹن دلیش مکھ میرے افسر اعلیٰ تھے' اپنی ذہانت اور صلاحیت کے سبب میں جلد ہی ان کے بہت قریب ہو گیا۔ اس قربت کی ایک وجہ اسکاچ وہسکی کی وہ ایک بوتل بھی تھی جو میں ہر ہفتے انہیں نذر کر دیا کرتا تھا۔ دراصل ہمیں شراب ہفتے میں دو بوتل کے حساب سے ملتی تھی۔ میں زیادہ شراب پینے سے گریز کرتا تھا اور پھر مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ شراب کا تحفہ کیپٹن دلیش مکھ کو مجھ پر مزید مہربان کر سکتا ہے' اس لیے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ ہر ہفتے ایک بوتل انہیں پہنچا دوں۔

میں اپنے والدین کو اپنی ملازمت کی ایک عرصہ پہلے اطلاع دے چکا تھا اور اب انہیں ہر ماہ مبلغ اسی روپے ماہوار منی آرڈر کر دیتا تھا۔ اقبال سنگھ بھی میٹرک میں ایک بار پھر فیل ہونے کے بعد حکومت کے سرکاری شکاری کی حیثیت سے ملازم ہو گیا تھا اور میری بار بار کی دعوت کے باوجود وہ اب تک میرے پاس نہیں آ سکا تھا کیونکہ وہ بیچارا آئے دن انگریز افسروں کے ساتھ شیر کے شکار میں مصروف رہتا تھا۔ کرنل گجندر سنگھ سے راج محل میں کئی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی اور وہ پہلے والی شفقت کے ساتھ پیش آئے۔ کرنل گجندر سنگھ' مہاراجہ کی نگاہوں میں ریزیڈنٹ کے بعد دوسرا درجہ رکھتے تھے اور اسی لئے وہ راج محل کی ہر تقریب میں ریزیڈنٹ کے ساتھ مدعو کئے جاتے تھے اور یہاں تقریبوں اور ضیافتوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ ان تقریبوں میں کم از کم چار باڈی گارڈز اور کیپٹن دلیش مکھ ضرور شریک ہوتے تھے۔ کبھی کبھی یونیفارم میں تلوار اور پستول کے ساتھ لیکن زیادہ تر سادہ لباس میں' جو سفید پتلون' بند گلے کے ہاف کوٹ اور جودھپوری صافے پر مشتمل تھا۔

سادہ لباس میں ہمارا خصوصاً" میرا اس طرح محفلوں میں آنا راج کماروں کو پسند نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہمارے سامنے ماند پڑ کر رہ جاتے۔ ہم مرکز نگاہ ہوتے اور ان

کو کوئی لڑکی دیکھنا پسند نہ کرتی۔ آخر جل کر اپنی شان جتانے کے لئے ہم میں سے کسی کو سگریٹ کیس یا لائٹر وغیرہ اٹھا کر دینے کا اشارہ کرتے لیکن ہم سے پہلے کوئی نہ کوئی ملازم ان کے حکم کی تعمیل کر دیتا اور وہ گھٹ کر رہ جاتے۔ دوسری طرف ہز ہائی نس تھے جو اپنے باڈی گارڈز کو اولاد کی طرح چاہتے تھے اور ان کے سوائے کسی کے حکم کی تعمیل ہم پر واجب نہ تھی۔ مہاراجہ کی عمر پچپن اور ساٹھ سال کے درمیان تھی۔ وہ دوہرے جسم کے گورے چٹے اور درمیانہ قد کے وجیہہ اور خوش مزاج انسان تھے۔ رقص و سرور کے دلدادہ تھے۔ ہر ہفتے کی رات دربار ہال میں محفل موسیقی منعقد ہوتی اور ہر اتوار کو عام لوگوں کے لئے نیشنل گارڈن میں ان کے درباری مغنی اور قاصائیں ملک کے نامور فنکار موجود ہوتے تھے۔

کارپورل ہونے کے بعد ہز ہائی نس میری طرف کچھ زیادہ متوجہ ہو گئے تھے اور اب تقریبات کے علاوہ ہر دوسرے روز مجھے ایڈی کانگ کے کمرے کے قریب' جو مہاراجہ کے ڈرائنگ روم سے کچھ ہی فاصلے پر تھا مجھے ڈیوٹی دینا پڑتی تھی۔ میں جس کیبن میں بیٹھتا تھا وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر تھا جس میں ایک میز اور چند کرسیاں پڑی تھیں اور میز پر ٹیلیفون۔

ڈرائنگ روم بہت کم ہی استعال ہوتا تھا کیونکہ معدودے چند بڑے لوگوں کو ہی مہاراجہ سے ملنے کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ کسی بھی مہمان کی موجودگی میں باڈی گارڈ کا ہز ہائی نس کے پاس ہونا لازمی تھا۔ گو ایسا موقع مہینے دو مہینے میں ایک آدھ مرتبہ ہی آتا تھا۔ راج محل میں مہاراجہ کے خاندان کے سوا کسی غیر متعلق فرد کا گزر نہ تھا۔ اس لئے چوتھی منزل کی غلام گردش ایک ایسا مقام تھا جہاں ہر وقت راجکماروں راجکماریوں' ان کی سہیلیوں اور خادم خادماؤں کی آمدورفت رہتی تھی۔ شکل و صورت یا لباس سے ہمارے لئے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ ان میں کون راجکماری ہے اور کون سہیلی؟ لیکن راج کماریوں کی پہچان صرف یہ تھی کہ وہ ہمیشہ نظریں جھکائے آہستہ آہستہ چلتی تھیں اور ان کے پیچھے ایک یا دو لڑکیاں ہوتی تھیں۔

یوراج (ولی عہد) اور ان سے چھوٹے راجکمار انگلینڈ میں مقیم تھے اور کزن راج کمار جو "دربار" کہلاتے تھے' دوسرے محلوں میں رہتے تھے یہ محل ایک دوسرے سے میلوں کے فاصلے پر تھے۔ راج محل کی پہلی دوسری تیسری اور پانچویں منزلیں قریبی رشتہ دار اور راج کماریوں اور ان کے لواحقین کے لئے مخصوص تھیں' جن میں سے کسی کے تصرف میں سات آٹھ کمروں سے کم نہ تھے۔ چوتھی منزل کے تمام کمرے مہاراجہ اور مہارانی کے لئے مخصوص تھے۔ راج محل کی ہر شام رنگ و نکہت کے لحاظ سے پرستان کی شام ہوتی تھی۔

چند روز سے ایک راجکماری میرے سلام کے جواب میں (جو سر کو خم دینے تک

محدود تھا) نگاہیں اٹھا کر دیکھنے لگی تھی اور پھر ایک روز وہ مسکرا دی اور جب میں نے تمام ہمت مردانہ مجتمع کر کے اس کا جواب مسکراہٹ سے دیا تو وہ آگے نکل چکی تھی لیکن وہ جس قدر حسین تھی اس سے کہیں زیادہ حسین اس کی مسکراہٹ تھی۔ ایک دن وہ بالکل تنہا تھی۔ میں نے سلام کیا تو مسکرا دی' رکی اور پلٹ کر مسکرائی اور پھر آگے بڑھ گئی۔ میں اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ ہزہائی نس کے ڈرائنگ روم کے اس دروازے کی طرف جا رہی تھی جو صرف خاندان کے افراد کے لئے مخصوص تھا۔ اچانک میری نظر ایک ریشمین رومال پر پڑی جو مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر پڑا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا اور میرا دماغ کسی قیمتی خوشبو سے معطر ہو گیا۔ وہ دروازے پر پہنچ کر رکی اور پلٹ کر واپس آنے لگی۔ میں نے تیزی سے چند قدم آگے بڑھ کر رومال اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے مسکرا کر رومال پکڑ لیا اور مرہٹی میں پوچھا۔ "تمہارا نام؟"

میں نے انگریزی میں جواب دیا۔ "نعیم ملک! یور ایکسی لینسی۔"

"مرہٹی نہیں جانتے کیا۔۔۔؟" اس کا دوسرا سوال انگریزی میں تھا۔

"بہت کم جانتا ہوں۔ یور ایکسی لینسی۔"

"سیکھو نعیم۔۔۔۔ یہ بڑی خوبصورت زبان ہے۔" اس نے کہا اور میری دنیا زیروزبر کر کے چل دی۔

اس کے بعد ہر روز وہ نئے نئے سوالات سوچ کر آنے لگی۔ ایک ایک دو دو منٹ رکنے لگی۔ کچھ عرصے بعد رومال' فاؤنٹن پین وغیرہ کے تحفے دینے لگی۔ میں آہستہ آہستہ اس کی محبت میں گرد و پیش کے خطرات سے بے نیاز ہوتا چلا گیا۔ آخر ایک روز اس نے کہا۔ "میں یہاں تم سے کھل کر بات نہیں کر سکتی نعیم۔"

"آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی یور ایکسی لینسی۔"

"تو پھر...... ہم کہاں مل سکتے ہیں؟"

"جہاں آپ کہیں۔"

"آج آٹھ بجے نیشنل زولوجیکل گارڈن میں برج پر ..... آسکو گے؟"

"ضرور پہنچوں گا۔" وہ ہاتھ ہلا کر چل دی۔

شام کو سات بجے میں گھر سے تیار ہو کر نکلا۔ اپنے کوارٹر سے نکلتے ہی درختوں کی آڑ لیتا ہوا جنگلے کی طرف بڑھنے لگا۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ دور پرے بل کھاتی ہوئی سڑک پر کہیں کہیں روشنی تھی لیکن پورے باغ میں اندھیرا تھا اور کہیں کوئی آدمی نظر نہ آتا تھا۔ جنگلے کی طرف بھی کوئی نہ تھا میں نے ادھر ادھر دیکھا اور دوسرے لمحے اپنا جسم ہوا میں اچھال کر دوسری طرف کود گیا۔ اس طرف آرمی ہیڈ کوارٹرس سے شہر کو جانے والی سڑک تھی۔ اس راستے پر آتے ہی میں نے چسٹر کا کالر اوپر چڑھایا مفلر سر پر اور چہرے پر لپیٹا

اور سواری کا انتظار کرنے لگا۔ نصف گھنٹہ گزرنے کے بعد بمشکل ایک تانگہ جس میں تین چار سواریاں بیٹھی ہوئی تھیں اس طرف آیا۔ میں تانگے والے کے احتجاج کے باوجود زبردستی اس میں سوار ہو گیا۔ تانگہ برج کے قریب پہنچا تو میں اتر گیا۔ برج سے ذرا پہلے سڑک سے کچھ ہٹ کر درختوں کی آڑ میں بلیو پیکارڈ کھڑی ہوئی تھی۔ میں اس کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ قریب جا کر دیکھا تو گاڑی میں کوئی نہ تھا۔ آس پاس بھی کوئی نظر نہ آتا تھا۔ میں جیب سے سگریٹ کیس نکالتا ہوا سڑک پر آیا اور دوسری طرف چلنے لگا۔ نیچے صرف درمیانی حصے میں ندی بہہ رہی تھی۔ پل رسیوں پر قائم تھا اور ہر قدم کے ساتھ لچکتا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا درمیان میں پہنچ کر رکا اور سگریٹ کے کش لینے لگا۔ سردی شباب پر تھی اور دور تک کسی کا پتا نہ تھا۔ میں پھر کار کی طرف جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ مخالف سمت سے کوئی پل پر آتا ہوا دکھائی دیا۔ آنے والا بھی چسٹر پہنے---- اور کالر اوپر چڑھائے ہوئے تھا۔ قریب آنے پر چہرہ دیکھ کر میرے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ وہی تھی۔ نگاہیں ملتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے خم مچل گئے۔ "مجھے یقین تھا نعیم تم ہر قیمت پر پہنچو گے۔" اس نے رک کر انگریزی میں کہا۔

"انگریزی بولنے کا شوق اور وہ بھی ایک حسین راجکماری کے ساتھ! میں تو سر کے بل آتا۔" میں نے معنی خیز جواب دیا وہ مسکرا دی۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے نعیم۔ میں راجکماری تو نہیں ہوں۔"

"شاید ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں آپ۔ ظاہر مہاراجہ آف دلاس پور کی صاحبزادی کو راج کماری کہنا تو واقعی بالکل غلط بات ہے۔" میرا جواب سن کر وہ مسکرا دی۔ اسی وقت پل پر کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ ایک خوش وضع آدمی گنگناتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ ہم گھوم کر پل پر رسی کے بنے ہوئے جنگلے پر جھک گئے اور ندی کی طرف دیکھنے لگے۔ آنے والا آہستہ آہستہ گزر گیا۔

"میرے خیال میں نعیم ..... کہیں اور چلنا چاہیے۔ یہاں ....."

میں نے اس کی بات کی تائید کی' تو اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ "آؤ----" میں گھوم کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ گاڑی کے قریب جا کر رکی جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور مجھے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ میں نے ڈرائیو کرنے کو کہا تو اس نے ٹھوکا دیکر گاڑی میں دھکیل دیا۔ میں وہیل کے نیچے سے گزر کر دوسرے دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے اندر داخل ہو کر آہستہ سے دروازہ بند کیا اور سیلف پر پیر رکھ کر انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی سڑک پر آنے ہی گھوم کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "انگریزی اسٹائل میں لیڈیز ہی ڈرائیو کرتی ہیں۔ کیوں یہ بات تو غلط نہیں کہہ رہی۔"

"صرف اس وقت جب ڈرائیور کی مہارت مشکوک ہو۔"

"میں تمہیں ڈرائیور نہیں سمجھتی اور جہاں تک مہارت کا تعلق ہے ...... کیا کہا جا سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ میں لا جواب ہو گیا اس نے ایک موڑ کاٹا اور گارڈن کے پیچ و خم سے گزرتی ہوئی آخری حصے میں جنگل کی سمت' سڑک کے اختتام پر پہنچ کر رکی۔ گھاس کے قطعے پر گاڑی چڑھائی اور گاڑی کا رخ شہر کی سمت کر کے انجن بند کر دیا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو مسکرا دی۔ ڈیش بورڈ لیمپ کی سرخ روشنی میں وہ شعلہ نظر آ رہی تھی۔ تنہائی میں اس کے قرب کی مسرت مجھے فضا کی بلندیوں میں اڑائے لئے جا رہی تھی۔ میں تمام خطرات سے بے نیاز اس کی رعنائیوں میں گم تھا۔ آخر اس نے خود ہی مہر سکوت توڑی۔ "میں سوچ رہی ہوں نعیم۔" اس نے انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے کہنا شروع کیا اور پھر کچھ سوچ کر یہ بتائے بغیر کہ وہ کیا سوچ رہی تھی' خاموش ہو گئی۔ "راجکماری جی۔" میں نے کہا۔ "آپ کیا سوچ رہی تھیں؟"

"کیا تم مجھے ...... کیا تم مجھے تباہ ہوتے دیکھ سکتے ہو؟" اس نے غمگین لہجے میں کہا غیر اختیاری طور پر میرا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر پہنچ گیا اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

"راجکماری جی۔---- دیکھنا تو درکنار میں یہ سننے کے لئے بھی زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ اوہ خدایا ..... کیا آپ مجھے کسی اور طریقے سے قتل نہیں کر سکتیں۔"

"شاید میں اپنا مفہوم واضح نہ کر سکی۔ میں کہنا چاہتی تھی کیا میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں؟"

"میں تمہارے لئے اپنی جان تو دے سکتا ہوں لیکن تمہیں کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔"

"شکریہ نعیم ڈیر۔" اس نے مسکرا کر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ "میں صرف آپ کے لئے زندہ رہوں گا۔" وہ دیر تک میرے ہاتھ تھامے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتی رہی۔ اس کی خاموشی میرے دل و دماغ میں ہیجان برپا کر رہی تھی۔ وہ میری دلی کیفیت کو سمجھ گئی۔ اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور آگے بڑھ کر میرے چسٹر کی اندرونی جیب میں ڈال دی۔ میں اس کو نکالنے لگا تو پھر ہاتھ تھام لیا۔ "ابھی نہیں۔" اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"پھر کب؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔ اس نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیئے۔ میرے جسم میں برقی رو دوڑنے لگی۔ جذبات کا گلا گھونٹنے میں میری روح لرز اٹھی۔ وہ بھی تلملا کر رہ گئی۔ ہاتھ ہٹاتے ہوئے رک رک کر کہنے لگی۔ "سنو نعیم---- ریاست دھام نگر کے یوراج اگلے مہینے یہاں شکار کھیلنے آ رہے ہیں۔ جس میں ہز ہائی نس کے ساتھ باڈی گارڈز حسب دستور سادہ لباس میں شریک ہوں گے۔ میں کوشش کروں گی کہ کسی ریاست کے راجکمار کی حیثیت سے مہمانوں سے تمہارا تعارف کرایا جا سکے۔ اس

سے آگے تمہارا کام ہے۔ تمہیں کوشش کرنا ہوگی کہ کسی وقت تنہائی میں یہ انگوٹھی اس کو تمہاری انگلی میں نظر آ جائے ...... دراصل یہ اسی کی ہے۔" وہ مسکرائی اور پھر سلسلہ آگے بڑھایا۔ "یوں سمجھو کہ یہ منگنی کی انگوٹھی ہے اور میری رضا مندی کے خلاف قبول کی گئی ہے۔"

"اوہ! کس قدر مضحکہ خیز۔" میری زبان سے بے اختیار نکلا "میں سمجھ گیا آپ کیا چاہتی ہیں اور کیوں چاہتی ہیں یہ راجکمار کو دیکھنے کے بعد سمجھ جاؤں گا۔"

"تم سمجھ گئے ہو لیکن ابھی میری بات ختم......"

"ہو گئی---- راجکمار یہ انگوٹھی میرے پاس دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ جایگا جو آپ سمجھانا چاہتی ہیں۔"

"ہاں---- تم صاف صاف کہہ دینا کہ یہ انگوٹھی میں نے تمہیں انگلینڈ میں اپنی نشانی کے طور پر دی تھی۔ میرا نام تو جانتے ہو نا؟"

"نہیں ابھی مجھ کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ اس نے اپنا نام بتایا اور میں نے زیر لب راجکماری یشودھرا کا نام دہرایا۔

"کیا ہز ہائی نس کو معلوم نہیں کہ یہ منگنی آپ کی مرضی کے خلاف ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ جانتے ہیں لیکن انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں یا پھر یوں سمجھو کہ میری شخصیت ان کے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔"

"بہر کیف کسی کے لئے آپ زندگی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اور آپ جانتی ہیں وہ کون ہے..... اور......"

"وہ میری اپنی تلاش ہے۔" اس نے مسکرا کر میری بات کاٹی۔

"یہ اور بات ہے کہ وہ خود کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" میں نے اپنا جملہ پورا کیا۔ اس نے مسکرا کر میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آؤ واپس چلیں۔" اس نے سیلف اسٹارٹر پر پاؤں رکھ کر دبایا۔ انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ "میں تمہیں راج محل کمپاؤنڈ میں کہیں اتار دوں گی۔" گاڑی نے ہلکا سا جھٹکا لیا اور سڑک پر پھسلنے لگی "لیکن گیٹ پر محافظ ہوتے ہیں۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس گاڑی کے شیشوں سے صرف باہر دیکھا جا سکتا ہے اندر کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس نے جواب دیا۔

چند منٹ میں گاڑی راج محل کے صدر دروازے پر پہنچ گئی۔ ہارن کی آواز سنتے ہی ایک سپاہی نے دوڑ کر دروازہ کھولا اور پہریدار نے بندوق سے سلامی دی۔ گاڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی اور خاصی---- دور تک چلنے کے بعد ایک سنسان جگہ پر رک گئی۔ میں

نے خدا حافظ کہہ کر دروازہ کھولا اور نیچے اتر گیا۔ "کل پھر اسی وقت---- اسی جگہ۔" اس نے آہستہ سے کہا اور روانہ ہو گئی۔

کئی ہفتے گزر گئے اور ہم اسی طرح ملتے رہے۔ مقام اور وقت بدلتے رہے۔ میں خود کو ایک نظر نہ آنے والی آگ میں جلتا محسوس کر رہا تھا جس کی حدت مسرت اور سرخوشی کے باوجود وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ جذبہ احترام مجھے حد ادب سے آگے بڑھنے نہ دیتا تھا۔ ابھی تک میری زندگی کی قیمت ایک حسین تبسم کے سوا کچھ نہ تھی۔ مجھے ان بے پناہ خطرات کا پورا پورا احساس تھا میں جن میں گھرا ہوا تھا لیکن دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ میں اس کے کسی حکم کی تعمیل سے گریز کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی دعوت ملاقات پر میں یہی سمجھا تھا کہ وہ بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور بہت جلد تمام منزلیں طے کر جائیگی۔ ایک ادنے خادم ہونے کی حیثیت سے میں یہی سوچ سکا تھا کہ وہ مجھے ایک کھلونے کی طرح استعمال کرنا چاہتی ہے اور میں صرف اس وقت کے تصور سے خائف تھا جب وہ کھیلتے کھیلتے اکتا جائے اور افشائے راز کے خوف سے کھلونے کو توڑ پھوڑ کر پھینک دے لیکن رات کی تنہائیوں میں اس کے ضبط و تمکنت کا یہ عالم دیکھ کر کہ وہ میری ہر بے تکلفی کی کوشش کو خوبصورتی سے نظرانداز کر جاتی ہے۔ مجھے اپنے پہلے خیال پر ندامت محسوس ہونے لگی۔ وہ اب بھی میری دسترس سے باہر تھی اور دسترس سے باہر بھی نہیں تھی۔ میں اس کے دل پر حکمرانی کر رہا تھا۔ وہ میری روح پر بری طرح چھائی ہوئی تھی میں خلوت میں بہت کچھ تھا۔ جلوت میں کچھ بھی نہیں۔ ایک معمولی باڈی گارڈ' اور وہ بھی اس کا نہیں۔ مر مر کے جی رہا تھا اور جی جی کے مر رہا تھا۔

آخر ایک روز مختصر سی تمہید کے بعد اس نے خالص ذاتی سوال کیا۔ "تمہارے گھریلو حالات کیسے ہیں نعیم----؟"

"آپ کے نقطہ نظر کے مطابق تو انہیں سرے سے حالات ہی نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے جواب دیا۔ وہ مسکرا دی۔

"میرے نقطہ نظر کے مطابق؟ ..... نہیں سمجھی۔"

"آپ کے معیار کے مطابق۔" میں نے دوسرے الفاظ میں وضاحت کی۔

"پھر بھی الفاظ کی گہرائی کم نہیں ہوتی۔ بہر کیف میں تمہیں کسی قدر بہتر دیکھنا چاہتی ہوں اور ....." اس نے کوٹ کی جیب سے لائیڈس بنک کا ایک بیرر چیک جو پانچ ہندسوں پر مشتمل تھا۔ نکالا اور کھول کر میری طرف بڑھایا۔ میں شکریہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ میں اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور گاڑی کے ڈیش بورڈ کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے کندھے میں انگلی چبھو کر میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ "کیوں ڈیرسٹ ...... کیا تم اس کو توہین......"

"نہیں...... انتہائی عزت افزائی سمجھتا ہوں .... لیکن۔"

"شٹ اپ۔ یہ میری توہین کر رہے ہو تم۔"

"توہین۔۔۔۔ آپ کی؟ میں..... کر سکتا ہوں؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیکر کہا۔ چیک لے کر اسے بوسہ دیا اور جیب میں رکھ لیا۔ وہ مسکرا دی اور "شکریہ" کہہ کر موضوع گفتگو بدل دیا۔ "وسنت اوتسو آ رہا ہے نعیم۔ جانتے ہو کیا ہوتا ہے وسنت اوتسو؟"

"آپ ہولی کا تہوار کہنا چاہتی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔۔ کھیلو گے؟"

"آپ کے ساتھ؟"

"نہیں پہلے کسی اور کے ساتھ۔ بشرطیکہ راج محل میں تمہارا کوئی مخلص ترین دوست ہو۔ ایسا دوست جس پر تم مکمل اعتماد رکھتے ہو۔"

"راج محل میں میرا دوست؟" میں مسکرا دیا....... صرف ایک ہی ہے اور وہ......."
میں نے اسکی طرف اشارہ کر کے جملہ مکمل کر دیا۔ وہ مسکرا دی۔ "نہیں کوئی اور...... تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی۔۔۔۔ دلیر۔۔۔۔ طاقتور۔۔۔۔ جو تمہارے لئے آگ میں بھی کود سکے اور پانی میں بھی آگ تو محض محاورے کے طور پر کہا ہے میں نے۔"

"شاید آپ کا مقصد" تیراک" کہنا تھا۔۔۔۔ جو آپ براہ راست نہیں کہنا چاہتیں۔"
وہ مسکرا دی۔ "تمہارے جملے میں لفظ "شاید" غیر ضروری ہے نعیم۔"

"یہاں تک صاف نظر آ رہا ہے لیکن اس سے آگے تاریکی ہے۔"

"رہنے دو۔۔۔۔ پردہ اٹھنے پر صاف نظر آ جائیگا۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور پھر میں تمہارے ساتھ ہولی کھیلوں گی۔"

"پردہ۔ کب اٹھے گا؟"

وہ مسکرا دی۔ "وسنت اوتسو پر....... یہ بھی ممکن ہے کہ پردہ نہ اٹھانا پڑے۔ بشرطیکہ۔ اس انگوٹھی سے مقصد حل ہو جائے۔"

"اوہ خدایا۔" میں نے منہ پر انگلیاں رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے مسکرا کر نگاہیں دوسری طرف پھیرلیں اور کہا۔ "گھبرا گئے؟"

"جی....... اتنا طویل انتظار۔" میں نے پژمردہ ہو کر کہا۔ "آپ کیا جانیں میرے لئے زندہ رہنا کتنا دشوار ہے اور دیوانہ ہو جانا کتنا آسان۔ کاش آپ نے میرے امتحان کا کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہوتا۔" وہ جواب دینے کی بجائے میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اوہ گاڈ۔" بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔ ہونٹ کپکپائے۔ آنکھیں خمار آلود ہونے لگیں۔ دفعتاً" سیلاب کا بند ٹوٹ گیا۔ اس کی بانہیں میری گردن کی طرف بڑھیں اور دوسرے ہی لمحے وہ میری آغوش میں تھی۔ اس کے ہونٹوں کی سرخیاں میرے ہونٹوں میں جذب ہونے

لگیں۔ فرق مراتب ختم ہو گیا۔ ہم دونوں سطح زمین سے بلند ہو کر فضاؤں میں پرواز کر رہے تھے۔ دیر تک وارفتگی کا عالم طاری رہا...... اس حسین خواب کا طلسم ٹوٹا تو دس بج رہے تھے۔

پھر گاڑی سے اترتے وقت آج "خدا حافظ" کی بجائے ہونٹوں کا تصادم ہوا اور اس نے دروازہ بند کرتے کرتے ہنس کر کہا۔ "اب میں تمہارے چیک میں برابر کی حصہ دار ہوں ڈارلنگ۔"

"ڈیر! اگر یہ تمہارا عطیہ نہ ہوتا تو میں اس حقیر چیک کو تمہارے بستر کی ایک شکن پر قربان کر سکتا تھا۔" میں نے مسکرا کر اس کے رخسار پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ "کتنا حسین انداز بیان۔ ایک بار پھر کہو نعیم۔"

"یہ چیک تمہارے بستر میں آنے والی ایک شکن کے صدقے کے لئے بھی ناکافی ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جملہ دوہرایا اور اس نے میرے بالوں میں انگلیاں ڈال کر کھینچنا چاہا تو میں خود ہی کھنچتا چلا گیا۔ دروازہ ایک بار پھر بند ہوا اور اس کے بستر پر ایک طویل اور گہری شکن پڑ گئی۔

دوسرے دن شام کو چار بجے تمام یونٹوں کی پریڈ تھی۔ باڈی گارڈ کیولری یونٹ سب سے آگے تھی۔ سوا چھ چھ فٹ کے دیو قامت جوان' جگمگاتی ہوئی زرد و سفید وردیوں میں ملبوس' دھوپ میں چمکتی ہوئی رو پہلی تلواریں اٹھائے سیدھی قطاروں میں مارچ کرتے ہوئے تمام گراؤنڈ پر چھائے ہوئے تھے۔ دوسری تمام یونٹیں ان کے سامنے حقیر نظر آ رہی تھیں کچھ فاصلے پر راج محل کی پانچوں منزلوں کی تمام کھڑکیاں جلوہ گاہ حسن بنی ہوئی تھیں تمام نگاہیں پریڈ گراؤنڈ کی طرف مرکوز تھیں۔ نہ معلوم کس کس کی نگاہوں کو اوپر دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ ساڑھے چار بجے میجر جنرل ساؤنٹ نے تمام یونٹوں کا معائنہ کیا۔ کچھ دیر بعد مہاراجہ تشریف لائے اور پریڈ گراؤنڈ بینڈ کی موسیقی سے گونج اٹھا۔ سلامی دی گئی۔ ساڑھے پانچ بجے تک پریڈ ہوتی رہی اور اس کے بعد مارچ پاسٹ پر تقریب کا اختتام ہوا۔

پریڈ ختم ہوتے ہی کیپٹن دلیش مکھ گھوڑے کو ایڑ لگا کر میرے قریب آئے اور مسکرا کر آہستہ سے کہا۔ "ختم تو نہیں کر ڈالی نعیم؟"

میں نے نفی میں گردن ہلا کر کہا۔ "جام لبریز ہے سر اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

"بہت خوب! چلو پھر تکے بھنوالو۔ میں یونیفارم بدل کر آ رہا ہوں۔" انہوں نے باگ موڑی اور اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔

ٹھیک چھ بجے کیپٹن دلیش مکھ میرے کمرے میں داخل ہوئے میں نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے میز کے قریب ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے بیٹھتے ہی اردلی ایک ٹرے میں خالی گلاس سوڈے کی بوتلیں کاجو اور تکے وغیرہ کی پلیٹیں لے آیا اور میز پر

رکھ کر چلا گیا۔ میں نے الماری سے اسکاچ کی بوتل نکالی اور میز پر رکھ کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کیپٹن نے بوتل کھول کر وہسکی گلاسوں میں انڈیلی سوڈا ملایا اور میری طرف دیکھا "کیپٹن دیش مکھ کا جام صحت۔" میں نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا...... وہ شکریہ کہہ کر مسکرائے اور چسکیاں لے کر سگریٹ سلگایا اور ماضی کی طرف پلٹ پڑے۔ اپنے عہد شباب کی رنگین داستان سنانے لگے۔ کبھی چہرے پر مسرت کے آثار نظر آتے کبھی غم کے پھر...... باقاعدہ رونے لگے۔ مجھے ہنسی ضبط کرنا دشوار ہوگئی۔ رومال آنکھوں پر رکھ کر ہنسنے لگا۔ کیپٹن سمجھے کہ میں انکے افسانے سے متاثر ہو کر رونے لگا ہوں' ایک دم اٹھے اور مجھے سینے سے لگا کر رونے لگے۔ ہنسی کے مارے میرا برا حال ہونے لگا...... بمشکل ضبط کر کے کیپٹن کو کندھے سے الگ کیا اور غمگین لہجہ بنا کر کہا--- "اف...... کس قدر درد بھری کہانی ہے سر آپ کی۔"

کیپٹن نے سگریٹ کا کش لیا۔ خود کو سنبھالا اور بولے۔ "بھئی نعیم معاف کرنا---- آج میں تم سے بہت بے تکلف ہوگیا......"

"آپ کیا فرما رہے ہیں سر...... میں آپ کا بچہ ہوں۔" میں نے فدویانہ لہجے میں کہا...... "واقعی سر...... کتنی بڑی ٹریجڈی...... اف۔"

"سچ کہا تم نے...... ٹریجڈی...... اور کیسی ٹریجڈی...... رنتا گری سے ایک الو کا پٹھا۔ آیا اور میری محبوبہ---- میری زندگی' میری شانتا کو ڈنکے کی چوٹ پر لے گیا...... اور سالا دیش مکھ بیٹھا بیٹھا رائفل صاف کرتا رہا...... ہاہ......" انہوں نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا اور چھت کی طرف دھواں چھوڑنے لگے۔

"محبت صرف قربانی کا نام ہے سر---- جس طرح آپ نے دی۔"

کیپٹن نے گلاس میز پر رکھ دیا اور مسکرا کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ "کیا بات کہی ہے میری جان---- دل کا کانٹا نکال دیا۔" میں نے ہاتھ ملایا اور انہوں نے پوری طاقت سے دبایا۔ "مجھے خوشی ہوئی سر آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو آئی۔"

"مزا آگیا نعیم---- خدا کی قسم مزا آگیا---- جی چاہتا ہے تمہارا منہ چوم لوں۔"

"چوم لیجئے کیپٹن---- لیکن مسلمان کا منہ ہے---- آپکا دھرم......"

"شٹ آپ نعیم---- اب بیوقوف بھی نہ سمجھو---- کیا مجھے معلوم نہیں تمہارے منہ کو......" وہ کچھ سوچ کر رک گئے---- میں کیپٹن کو سنجیدہ ہوتے دیکھ کر خطرہ محسوس کرنے لگا۔ "میں نہیں سمجھا سر۔" میں نے اپنے چہرے پر معصومیت طاری کرتے ہوئے کہا۔

"سمجھاتا ہوں----" انہوں نے گلاس اٹھا کر حلق میں انڈیلا اور مونچھیں صاف کرتے ہوئے کہا---- "ایک مہینے سے تقریباً" روزانہ شام کو آٹھ بجے تم غائب ہو رہے

ہو۔ دس بجے سے پہلے کبھی نہیں لوٹتے...... اگر ابھی تک تمہارے ہونٹ اچھوتے ہیں--- تو یا تو تم ڈفر ہو یا پھر کوئی بت پہنچے ہوئے رشی۔ کہو میں غلطی پر ہوں...... اور میں تمہاری دوست کا نام بتاتا ہوں۔" میں لرز اٹھا--- انکی معلومات میرے وہم و گمان سے کہیں زیادہ تھیں--- مجھے اپنا سر گھومتا نظر آنے لگا---

"سر میں واقعی آپ کی اجازت کے بغیر جاتا رہا ہوں--- لیکن یہ آپ پر مکمل اعتماد ہونے کے باعث ہوا ورنہ......"

"اجازت کو چھوڑو مائی ڈیئر...... میں بھی اپنے سینے میں ایک پریمی کا دل رکھتا ہوں اور اگر تمہارا غائب ہو جانا کھل جاتا تو یہی کہتا کہ میں نے اجازت دی تھی" پھر نیچی آواز میں کہا--- "خودکشی نہ کرو نعیم میں تمہارا دشمن نہیں ہوں--- اور اگر ہوتا تو ابتک تم......" انہوں نے انگلی سے ٹریگر دبانے کا اشارہ کیا۔ میں نے گلاس میز پر رکھ دیا اور مری ہوئی آواز میں کہا--- "شاید آپ صحیح فرما رہے ہیں سر۔"

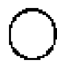
"شاید--- اڑا دو نعیم۔" انہوں نے مسکرا کر کہا...... "آٹھ بجنے میں تھوڑی دیر ہے...... یہ بتاؤ آج جا رہے ہو یا نہیں؟" اس سوال کا جواب دینا کھلے اعتراف کے مترادف تھا لیکن اب کیپٹن کو اعتماد میں لینے کے سوا چارہ نہ تھا--- اگر وہ دشمن ہوتے تو مجھے کب کا ختم کر چکے ہوتے--- ایک طرح میری کامیابی ان کی سرہونا احسان تھی۔ انہوں نے مجھے ضرورت سے زیادہ آزادی دے رکھی تھی۔ "آپ بتایئے سر مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"میں تمہیں مشورہ دیتے ہوئے ڈرتا ہوں نعیم--- سچ...... میں ڈرتا ہوں میں تمہاری زندگی کی دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتا نعیم--- تم جس بلندی پر پہنچ کر حادثات میں گھرے ہو وہاں تک میری رسائی نہیں۔"

"آج میں جاؤں یا نہ جاؤں کیپٹن؟"

"جاؤ--- نہ جانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا--- آہ نعیم...... کہیں مجھے کوئی صدمہ نہ دے جانا۔" کیپٹن کی آنکھیں بھر آئیں...... "میں تمہیں سچ مچ بیٹا سمجھنے لگا ہوں۔"

کیپٹن نے اٹھ کر مجھے پھر سینے سے چمٹا لیا۔ اور میرے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگے۔ یہاں پہنچ کر میں بھی ضبط نہ کر سکا اور رونے لگا۔



دوسرے روز میں نے کیپٹن دلیش مکھ کو لنچ پر مدعو کیا--- وہ سوا بارہ بجے آگئے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دوپہر کو دو بجے سے شام کے چھ بجے تک میری ڈیوٹی راج محل

میں تھی۔ کھانا شروع ہوا تو میں نے ایک گلاس اور کل والی بوتل جس میں تین چار پیگ کونیک تھی۔ ان کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے خود ہی انڈیلی' خود ہی ٹوسٹ کیا اور خود پینے لگے۔ "رات کو میں بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ نہیں؟" انہوں نے گلاس رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں کیا ہوا سر۔ آپ کے جانے کے بعد بستر پر گرنا یاد ہے۔ اس کے بعد صبح آٹھ بجے واسو نے چائے کے لئے جھنجھوڑا تو پتا چلا اسی دنیا میں ہوں۔"

"اس قدر غفلت کی نیند خطرناک ہے نعیم---- تمہیں ہوشیار رہنا ہے۔"

"میں ہوشیار ہوں...... اور پھر....." میں نے ہنس کر کہا۔ "ڈیڈی سازشوں سے مجھے نہیں بچا سکتے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گولیوں سے بھی نہ بچا سکیں۔" کیپٹن نے گلاس میز پر رکھ کر قہقہہ لگایا۔ "تم نے بہت دیر بعد ڈیڈی کا ریفرنس دیا نعیم---- میں سوچ رہا تھا شاید تم نے اس رشتے کو اہمیت ...... میرا مطلب ہے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔"

"آپ نے اچھا کیا' خاص اہمیت کہہ کر جملے کو سنبھال لیا۔ ڈیڈی ورنہ میں سمجھتا آپ نے مجھے بہت بڑی گالی دی ہے۔"

کیپٹن نے ایک گھونٹ لیا۔ اور پھر ڈیڑھ گھنٹے اس طرح کھاتے پیتے اور گفتگو کرتے گزر گئے۔

پونے دو بجے میں یونیفارم پہن کر راج محل کے قریب پہنچا تو پورٹکو میں کاروں کی قطار کھڑی تھی اور ڈرائیور نوکروں سے ہلکے پھلکے سوٹ کیس اور اٹیچی کیس وغیرہ کاروں میں رکھوا رہے تھے۔ مہاراجہ کی رولس رائس ابھی تک نہیں آئی تھی۔ صدر دروازے سے اندر داخل ہوا۔ متعینہ پولیس گارڈ نے بندوق پر ہاتھ مار کر سلام کیا اور لفٹ میں سوار ہو کر چوتھی منزل پر ہزہائی نس کے اقامتی کمروں کے صدر دروازے پر پہنچا اور سیکرٹری کو فون سے اپنی آمد کی اطلاع دی۔ چند منٹ بعد اس نے پھر فون کیا اور ہزہائی نس سے ملنے کا حکم دیا۔ میں ڈرائنگ روم سے اندرونی راہداری میں پہنچا اور دو تین کمروں سے گزر کر ہزہائی نس کے ڈرائنگ روم کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اندر سرخ لائٹ ہوئی اور دوسرے لمحے دروازے پر ہلکی سی رنگ ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا اور پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا۔ ہزہائی نس برجز اور بادامی فل بوٹ پہنے ہوئے آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹوں میں پیچوان حقے کی سنہری نے دبی ہوئی تھی اور ایک نوکر ان کی پنڈلیوں پر چڑھے گیٹس باندھ رہا تھا---- میں نے سلام کیا تو انہوں نے مسکرا کر آنکھوں سے جواب دیا۔ "کار پورل نعیم۔" انہوں نے منہ سے نے نکالے بغیر کہا۔ فضا میں خوشبودار دھواں پھیلنے لگا۔

"یور ہائی نیس۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"تمہیں ہمارے پروگرام کی اطلاع مل گئی؟"

"یس یور ہائی نس ...... کیپٹن دلیش مکھ نے مجھے چار پانچ دن کے لئے تیار ہو کر آنے کا۔۔۔۔"

"پورا ہفتہ۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں یہاں کارپورل۔"

"آٹھ ماہ یور ہائی نیس۔"

"آٹھ مہینے میں کیا کیا سیکھے؟" انہوں نے معنی خیز انداز میں کہا' وہ اس وقت بڑے اچھے موڈ میں تھے۔

"ہر وہ چیز یور ہائی نیس' جو آپ کو پسند ہے۔"

"میں تمہیں مرہٹی بولتے دیکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"سیکھ رہا ہوں یور ہائی نیس۔ سمجھنے لگا ہوں لیکن الفاظ کا ذخیرہ ابھی ناکافی ہے۔"

انہوں نے حقے کا ایک کش لیا اور مسکرا کر بولے۔۔۔۔ "کسی مرہٹی اسپیکنگ لڑکی سے شادی کر لو ایک مہینے میں بولنے لگو گے۔"

"آپ میری عزت افزائی کر رہے ہیں۔ یور ہائی نیس۔" میں نے پھر سر جھکا دیا۔ ایک انجانے خوف سے دل سینے کی بجائے حلق میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"او کے کارپورل کیپٹن دلیش مکھ آئیں تو فوراً" ان کو ہمارے پاس بھیجو۔"

"بہتر ہے یور ہائی نیس۔" میں نے ان کو رخصتی سلام کیا اور پلٹ کر چلنے لگا۔ اسی وقت مہارانی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ وہ اس وقت گجراتی ساڑی پہنے ہوئے تھیں اور مجسم شعلہ نظر آ رہی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہی میں نے رک کر سیلوٹ کیا۔ وہ گردن کے اشارے سے سلام کا جواب دے کر چلتے چلتے رک گئیں اور انگریزی میں سوال کیا۔ "تم سارجنٹ نعیم ہو؟" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "آپ کا ادنیٰ خادم کارپورل نعیم' یور ہائی نیس۔" مہارانی آگے بڑھیں اور مہاراجہ کے قریب صوفے پر بیٹھ گئیں۔ "تم نے ہمارے کارپورل کو پروموشن دے دیا۔ یور ہائی نیس۔" مہاراجہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اور ان کے برابر صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے چلتے چلتے مہارانی کو کہتے سنا۔ کم از کم سارجنٹ تو ضرور ہونا چاہئے اسے۔ "اس سے زیادہ میں نہ سن سکا۔ دروازہ کھولا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔" اپنے کیبن کے قریب پہنچا تو ایڈی کانگ کے کمرے کے دروازے پر کیپٹن دلیش مکھ سیکرٹری سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے۔ میں ان کے قریب پہنچا اور سلام کیا۔ "میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا نعیم۔" انہوں نے کہا۔ "ہز ہائی نس آپ کو یاد فرما رہے ہیں سر۔" میں نے ان کو مطلع کیا۔ وہ سیکرٹری سے مصافحہ کر کے ڈرائنگ روم کی طرف چل دیئے۔ سیکرٹری نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "آج کھلے جا رہے ہو کارپورل۔"

"آپ کی قیافہ شناسی کی داد دیتا ہوں مسٹر مہتا۔"

"آجکل میں تمہارے سوا کسی کا چہرہ غور سے نہیں دیکھتا کارپورل۔"

"تھینک یو مسٹر مہتا .... ممکن ہے جلد ہی آپ مجھے سارجنٹ کہہ کر مخاطب کیا کریں۔۔۔۔"

"مبارک ہو۔۔۔۔ تم بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہو۔۔۔۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اونچا اٹھا کر ہتھیلی دیکھنے لگا۔

"یہ بھی جانتے ہیں کیا آپ؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہوں! .... ٹھیک ہے نعیم صاحب۔۔۔" اس نے ہاتھ چھوڑ کر میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں مسکرا دیا۔

"کوئی خاص بات مسٹر مہتا؟" میں نے اس کی متجسس نگاہوں سے بچنے کے لئے کہا۔

وہ مسکرا دیا۔

"بہت کچھ، نعیم۔۔۔۔"

"مثلاً" جناب؟"

"سنو نعیم ...... مائی ڈیئر۔۔۔۔ آجکل اپنا ہاتھ کسی کو نہ دکھانا۔ میرا مطلب ہے جو ہاتھ دیکھنا جانتا ہو اس کو۔"

"بہتر ہے۔ لیکن کچھ بتایئے تو۔"

"کیا نہیں بتا سکتا۔۔۔۔ پوچھو۔"

"پوچھ تو رہا ہوں۔" میں نے پھر مسکرا کر کہا۔

"تمہیں خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن تمہیں ہر قدم دو مرتبہ سوچ کر اٹھانا چاہئے۔ تمہارے چاروں طرف، مہربانوں، نامہربانوں ..... محبت، نفرت، سازشوں اور خطروں کا ہجوم ہے۔ نہ معلوم کونسی طاقت غالب آتی ہے۔ بہرکیف بھولنا نہیں میں نے تمہیں دوستانہ وارننگ دی تھی۔" میں خوف زدہ ہونے کے باوجود پھر مسکرا دیا۔ "خاک نہیں سمجھا مسٹر مہتا۔ آپ کا اسٹائل تو ماہرین سے بھی زیادہ الجھا ہوا ہے۔"

"تم سمجھ گئے ہو۔۔۔۔ مجھے زیادہ نہ گھسیٹو نعیم ...... اس سے زیادہ الجھا ہوا معاملہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"شکریہ مسٹر مہتا۔ بہت بہت شکریہ۔" میں اس سے ہاتھ ملا کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ میرا دماغ خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کیپٹن دس منٹ میں واپس آ گئے۔ وہ سیدھے میری طرف چلے آ رہے تھے۔ قریب پہنچتے ہی مسکرا کر کہا۔ "مبارک ہو"۔ میں نے وجہ دریافت کئے بغیر ان کا شکریہ ادا کیا۔ کیپٹن نے میرے سینے پر آہستہ سے گھونسہ لگاتے ہوئے کہا۔ " بتاؤ کیا؟"

"مجھے معلوم ہے سر۔" میں نے جواب دیا۔ "شاید آپ مجھے ترقی دے رہے ہیں۔"

وہ ہنس دیئے۔ جیب سے ایک لفافہ نکال کر میرے ہاتھ میں دیا۔ اس پر کوئی پتا یا نام نہیں تھا۔ میں کھولنے لگا۔ کیپٹن نے تیزی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تمہارا نہیں ہے۔"

"سوری سر۔۔۔" میں نے معذرت طلب کی۔

"پانچویں منزل پر راجکماری یشودھرا دیوی کو پہنچانا ہے۔ جاؤ دے آؤ میں یہاں ہوں۔"

"کس نے دیا ہے سر۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہز ہائی نس نے ......" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ میں گھوم کر چلتے چلتے رک گیا۔

"سر مجھے خوف ہے ہز ہائی نس کچھ جانتی ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔۔۔۔ لیکن کیا ہو سکتا ہے۔۔۔۔ جاؤ۔" میں لفٹ سے آخری منزل پر پہنچا اور صدر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ ایک لڑکی نے دروازہ کھولا اور دیکھتے ہی پر نام کیا۔۔۔۔ "حکم؟"

"راج کماری یشودھرا دیوی۔۔۔۔"

"اندر آیئے۔" اس نے پلٹتے ہوئے کہا میں اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور چلنے لگی۔ ہال اور راہداریاں بالکل چوتھی منزل جیسی تھیں۔ دو تین برآمدوں۔ راہداریوں اور کمروں سے گزرنے کے بعد ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ رکی اور آپ یہاں ٹھہریئے۔ "کہہ کر اندرونی داخل ہو گئی۔ چند لمحے بعد آکر دروازہ کھولا اور کہا۔ "پدھاریئے' میں اندر داخل ہوا۔ دروازے کے پہلو میں دائیں جانب ذرا ہٹ کر ایک مسہری کے قریب صوفے پر دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھیں۔ یشودھرا مسہری پر تکیوں کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک عورت اس کے قریب کھڑی تھی۔ آہٹ ہوتے ہی اس نے میری طرف دیکھا۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔۔۔۔ "تم؟۔۔۔۔ کیسے آئے؟" قریب کھڑی ہوئی عورت اس کے لہجے سے گھبرا گئی اور مڑ کر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے سر جھکا کر راجکماری کو سلام کیا اور لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ "یورایکسی لینسی" میں نے انگریزی میں کہنا شروع کیا۔ "یہ مہارانی نے دیا ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ لے لیا اور کھول کر پڑھنے لگی۔ صوفے پر بیٹھی ہوئی دونوں لڑکیاں میری طرف دیکھنے لگیں۔ لباس اور شکل سے ان کا مہاراجہ کے خاندان سے ہونا ظاہر ہوتا تھا میں نے جھک کر دونوں کو سلام کیا اور انہوں نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"کیا لکھا ہے یشو؟" ایک نے اٹھ کر قریب آتے ہوئے مرہٹی میں پوچھا۔ اس نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کہتی ہیں اگر طبیعت اچھی ہو تو مدھو ساگر کے لئے تیار ہو کر آ جاؤ۔"

"چلو یشو ڈیئر۔ تمہاری وجہ سے ہم بھی رکے ہوئے ہیں۔" دوسری لڑکی نے اٹھ کر

قریب آتے ہوئے کہا۔

یشودھرا نے پیر سکیڑے اور مسہری سے نیچے اترنے لگی۔ "ٹھیک ہے ...... چل رہے ہیں۔ جاؤ تیار ہو جاؤ۔" دونوں لڑکیاں ہنستی ہوئی پہلو والے دروازے میں غائب ہو گئیں۔ اس نے میری طرف دیکھ کر انگریزی میں کہا۔ "تم ٹھہرو---- میں جواب لکھ دیتی ہوں۔" میں نے سر جھکا کر کہا "بہتر ہے" وہ کھڑی ہو گئی اور چلنے لگی۔ دو قدم چل کر لڑکھڑائی۔ میں نے لپک کر اس کا بازو تھام لیا۔ "آپ کمزور ہیں۔" میں نے کہا اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "نہیں میری جان ....." اور پلٹ کر عورت کی طرف دیکھا اس نے بڑھ کر دوسرا ہاتھ تھام لیا۔ "لائبریری میں لے چلو اور تم رکمنی .... ماتا جی سے کہو میں بالکل ٹھیک ہوں اور زبلا دیوی کے ساتھ مدھو ساگر جاری ہوں .... میرا اٹیچی لیتی آنا۔" لڑکی پلٹ کر تیزی سے چلدی---- ہم اس کو لئے ہوئے لائبریری میں داخل ہوئے---- صوفے کے قریب پہنچ کر میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا---- اس نے خادمہ کی طرف دیکھ کر کہا---- "اوہ جمنا لپک کر جاؤ اور رکمنی سے کہو میرا **چسٹر**' شال اور مفلر ضرور رکھ لے۔" خادمہ تیزی سے روانہ ہو گئی۔ میدان صاف ہوتے ہی وہ میری بانہوں میں تھی۔ میں نے اس کے بالوں کو بوسہ دے کر علیحدہ کر دیا۔ میں ڈر رہا تھا۔ کہیں کوئی آ نہ جائے۔ میری نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔ "کیا واقعی تمہاری طبیعت خراب ہے؟" میں نے سوال کیا۔ وہ مسکرا کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "کسی قدر .... تھی .... لیکن اب نہیں ہے---- تم نے درشن دیئے میں ٹھیک ہو گئی۔"

"اوہ میری روح---- میرے درشن ہی کیا---- میں تو خود تمہارا ادنیٰ سا پجاری ہوں۔"

"ایسا نہ کہو نعیم---- مجھے دکھ ہوتا ہے---- تم میرے دیوتا ہو۔" وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی---- میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس نے پیڈ پر لکھنا شروع کیا۔ دو تین سطریں لکھ کر کاغذ تہہ کیا۔ لفافے میں رکھا اور میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور لفافہ لے لیا۔ "میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ ڈارلنگ۔"

"ہر ہائی نس میرے متعلق---- میرا مطلب ہے ہمارے متعلق کتنا جانتی ہیں۔ یشو؟"

"کیسے معلوم ہوا وہ کچھ جانتی بھی ہیں؟"

"انہوں نے آج مجھے دیکھتے ہی ترقی دلوائی۔ اس سے مجھے----"

"اوہ---- اس کے بارے میں مت سوچو۔"

"اچھا---- اب یہ بتایئے آپ کو کیا ہو گیا تھا؟"

"شٹ اپ---- میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں۔ اب بالکل ٹھیک ہوں---- مدھو ساگر ٹال کر بتاؤں گی۔"

راجکماری سے رخصت ہو کر میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ہز ہائی نس اسلحے کی الماری کے قریب کھڑے ہوئے ایک آٹو میٹک رائفل ہاتھ میں لئے اس کے بولٹ کا فنکشن دیکھ رہے تھے۔ مہارانی اسی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر ان کو فوجی سلام کیا اور دونوں ہاتھوں پر لفافہ رکھ کر پیش کیا۔ انہوں نے لفافہ کھول کر خط نکالا اور سرسری نظر ڈال کر مہاراجہ کو مخاطب کیا۔ "یشودھرا دیوی بھی چل رہی ہیں۔ یور ہائی نیس۔" مہاراجہ نے رائفل سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا۔ "اوہ...... گڈ....."

میں نے ہز ہائی نس کو رخصتی سلام کیا۔ "کیسی طبیعت ہے ان کی نعیم؟" انہوں نے سوال کیا۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔ "ٹھیک ہیں' یور ہائی نیس۔" مہاراجہ رائفل لئے ہوئے بالکنی کے پاس چلے گئے اور کسی چیز کا نشانہ لینے لگے۔ مہارانی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ "ہم نے اسی لئے تم کو بھیجا تھا کہ---- ٹھیک ہو جائیں---- تو ہمیں آ کر بتا سکو۔"

"بالکل تندرست ہیں یور ہائی نیس۔" میں نے چہرے پر معصومیت طاری کرتے ہوئے کہا۔ لیکن جس انداز میں انہوں نے جملے کو الٹی سیدھی قلا بازیاں کھلا کر دوہرا مفہوم پیدا کیا تھا وہ مجھے لرزہ براندام کر دینے کو کافی تھا۔

اسی وقت مہاراجہ کمرے میں آ گئے۔ "سارجنٹ۔" انہوں نے آواز دی۔ میں رک کر ان کی طرف گھوم گیا۔

"یور ہائی نیس۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"ہم کو اس رائفل میں کچھ گڑ بڑ معلوم ہوتی ہے۔ ذرا دیکھنا۔" ہمارے درمیان چھ سات قدم کا فاصلہ تھا۔ میں نے ایک قدم بڑھایا۔ لیکن اس سے پہلے وہ پوری طاقت سے رائفل میری طرف پھینک چکے تھے۔ رائفل سیدھی میرے سر پر آئی لیکن جسم سے دو فٹ کے فاصلے پر میرے داہنے ہاتھ کی گرفت میں تھی۔ اس کا دھکا میرے ہاتھ کو چار انچ سے زیادہ نہ دھکیل سکا۔ مہارانی چونک کر اپنی سیٹ سے اچھل پڑیں۔ مہاراجہ ہنس دیئے۔ میں نے بولٹ کھینچ کر میگزین کھولا۔ بند کیا۔ ٹرائیگر دبا کر دیکھا۔ مجھے سب کچھ ٹھیک معلوم ہو رہا تھا۔

"مجھے تو کوئی خامی نظر نہیں آئی' یور ہائی نیس۔ اگر آپ حکم دیں تو اس سے فائرنگ کر کے دیکھوں۔"

"ٹھیک ہے---- لیکن کہاں؟"

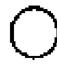
"جہاں آپ حکم دیں' یور ہائی نیس۔"

مہاراجہ نے ہز ہائی نس کی طرف دیکھا۔ "یہاں نہیں' یور ہائی نیس۔" مہارانی نے کہا--- "مدھو ساگر پر مناسب ہے۔" مہاراجہ---- اوکے کہہ کر الماری کی طرف بڑھے اور 45 کیلی بر کا ایک ری فل نکال کر کہا۔ "نعیم!" میں نے ان کی طرف دیکھا اور انہوں نے "کیچ" کہہ کر ری فل زور سے میری طرف پھینکا۔ میں نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر کیچ کیا اور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ مہاراجہ نے مسکرا کر مہارانی کی طرف دیکھا۔ "یور ہائی نس آپ نے دیکھا میرے باڈی گارڈز کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں؟" مہارانی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور ان کے قریب پہنچ کر بولیں۔ "یور ہائی نیس' میں کبھی غلط سفارش نہیں کیا کرتی۔"

مہاراجہ ہنس دیے۔ "آپ نے سفارش نہیں کی یور ہائی نس ترقی دی ہے اور وقت سے پہلے۔ بہت پہلے اس کی سروس ایک سال بھی نہیں ہے۔"

مہارانی مسکرا دیں۔ "یور ہائی نیس۔ اس نوجوان کی انفرادیت کے آپ بھی معترف ہیں۔ مجھے یاد نہیں اس سے پہلے کوئی باڈی گارڈ ہمارا موضوع گفتگو رہا ہو۔" ہز ہائی نس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے اس تعطل سے فائدہ اٹھایا۔ ہز ہائی نس کی ذرہ نوازی کا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔

پانچ بجے تقریباً" پچاس کاریں مہاراجہ کے خاندان کے سوا سو افراد کو لئے ہوئے مدھو ساگر کی طرف جا رہی تھیں۔



مدھو ساگر نواس دو پہاڑیوں کے درمیان ایک میلوں لمبی چوڑی اور عمیق جھیل کے درمیان تعمیر کیا ہوا ایک سہ منزلہ محل تھا۔ جو پچاس ساٹھ کمروں' برآمدوں' گیلریوں' چبوتروں۔ ساون بھادوں' عجائب خانوں اور ساحلی نشست گاہوں پر مشتمل تھا۔ محل وقوع کے قدرتی مناظر اور انسان کی صناعی نے مل کر اس کو رشک ارم بنا دیا تھا۔ شہر کی طرف دو سو فٹ لمبا اور بارہ فٹ چوڑا پل سڑک کو محل سے ملاتا تھا اور دوسری سمت چھ فٹ چوڑا۔ چار سو فٹ لمبا برج تھا جو محل سے سامنے والی پہاڑی تک لے جاتا تھا۔ اس طرف شکار گاہ اور سیرو تفریح کے مقامات تھے۔ پہاڑی سے کئی چشمے اور آبشار جھیل میں گرتے تھے۔ حد نظر تک خودرو پھولوں اور سرسبز و شاداب درختوں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ پہاڑیوں کی بلندی سے دیکھنے پر مدھو ساگر جھیل کی لہریں لیتے ہوئے پانی میں ایک کشتی نظر آتا تھا۔ محل کے دونوں سروں پر دو سوئمنگ پول تھے۔ ایک زنانہ' جس کے ایک طرف سنگ مرمر کی سیڑھیاں اور ہر طرف بلند دیواریں اٹھا کر پردے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کی گہرائی صرف پانچ فٹ تھی۔ دوسرے کرے پر مردانہ' جو پوری جھیل پر محیط تھا۔ صرف ڈائیونگ

بورڈز کی وجہ سے ہی اس کو سومنگ پول کہا جا سکتا تھا جو بارہ فٹ' تیس فٹ اور پچاس فٹ کی بلندی پر بنائے گئے تھے۔ یہ مہاراجہ کے خاندان کے لئے تھے۔ لیکن تیس سال قبل یوراج' مدھوسان کے ڈوب جانے کے بعد راج کماروں کے لئے قطعی ممنوع قرار دے دیا گیا تھا اور اب صرف باڈی گارڈز کے زیر استعمال تھا اور راج کمار سنگ مرمر کی بنچوں پر بیٹھے بیٹھے ان کو چھلانگیں لگاتے دیکھ کر کانپتے رہنے کے سوا کچھ نہ کرتے تھے۔ باڈی گارڈز کو تربیت کے دوران یہیں تیرنا سکھایا جاتا تھا۔ سومنگ انسٹرکٹر ایک کوئی مسلمان تھے جو اس وقت کیولری میں رسالدار میجر کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کا پورا نام ان کے قد سے بھی طویل تھا۔ اندراج کے مطابق وہ رسالدار میجر سید ابو سلمان محمد رضوان ہاشمی تھے۔ مشرع منقطع مسلمان تھے۔ سومنگ پول میں ڈائیو کرتے وقت اگر ان کی خشخشی ڈاڑھی کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان سے زیادہ توازن اور حسن کسی جل پری کے غوطے میں ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن کس کی مجال تھی کہ ڈاڑھی کی طرف ہلکا سا بھی اشارہ کر سکے۔ وہ راج محل کی مسجد میں پانچوں وقت باقاعدگی سے نماز پڑھتے تھے۔ مہاراجہ ان کے زہد وتقویٰ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ابتدا میں وہ مجھے مسلمان سمجھ کر محبت آمیز سلوک کرتے رہے۔ فن شناوری کی تعلیم دینے میں بھی انہوں نے مجھ پر خصوصی توجہ دی۔ لیکن رفتہ رفتہ میری خلاف شرع زندگی اور ہندوؤں سے خاص ربط ضبط دیکھ کر مجھ سے بیزار ہو گئے۔ اب ان کی نگاہوں میں میرے لئے محبت کی بجائے طنز کے نشتر ہوتے تھے۔

مدھو ساگر پہنچنے کے بعد میں نے مہارانی کے ریمارکس کیپٹن دلیش کھ کے گوش گزار کر دیئے۔ اور وہ سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد مسکرا کر بولے۔ "اس کے معنی ہیں اب خدا کو تمہارا باڈی گارڈ بننے کی پرارتھنا کی جائے۔" میں ان کا جملہ سن کر ہنس دیا۔ ہنسنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ "شکریہ ڈیڈی۔" میں نے ہنستے ہنستے کہا۔ "میں کچھ اداس ہوں۔ اگر اجازت ہو تو ذرا سیر فلک کر آؤں۔" میرا جملہ سن کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے اور پھر مجھے وہاں سے جانے کی اجازت دے دی۔

اس محل میں صرف ایک لفٹ کام کر رہی تھی۔ اور وہ مہاراجہ کے خاندان کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی۔ دوسری زیر مرمت تھی اور بند پڑی تھی۔ چنانچہ میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا تیسری منزل پر پہنچا۔ زینہ ختم ہوتے ہی گزر گاہوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں چند منٹ کسی خادم یا خادمہ کے اس طرف آنے کا انتظار کرنے کے بعد سامنے کی طرف چلنے لگا۔ یہ گزر گاہ آگے چل کر جھیل کی طرف وسیع و عریض بارہ دری پر ختم ہوتی تھی۔ ابھی نصف راستہ طے کیا تھا کہ پیچھے سے کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا ایک خادمہ دونوں ہاتھوں سے مشروبات کا طشت سنبھالے بارہ دری کی طرف چلی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے ایک اور الہڑ سی دوشیزہ تھی جس کی آنکھیں بجلیاں گرا رہی

تھیں اور جس کا بدن دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ میں مسحور ہو کر رہ گیا۔ خادمہ نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔ "اُدھر نہ جانا ...... راجکماریاں سیر کر رہی ہیں۔" میں راجکماریوں کا نام سنتے ہی "اوہ!" کہہ کر پلٹ گیا۔ لڑکی میرے قریب آ کر رک گئی۔ میں نے مسکرا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ غور سے میری طرف دیکھ کر بولی۔ "کہاں جانا چاہتے ہو؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "ہز ہائی نس کے پاس۔"

"آؤ میں تمہیں دربار ہال پہنچا دوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ مجھ پر اس کی مترنم آواز سے وارفتگی طاری ہونے لگی۔ میں راجکماری یشو سے ملنے اوپر آیا تھا۔ لیکن اس قہر مجسم کو دیکھ کر میرے قدم زمین سے چپک کر رہ گئے ہیں۔ اس کی مسکراہٹ کا جادو جاگتا دیکھ رہا تھا۔ وہ میری دلی کیفیت بھانپ کر پلٹتے ہوئے بولی۔ "آؤ" میں مشین کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ کونے پر گھومتے ہی میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "سنو!" وہ تیزی سے پلٹ کر غصے سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں ہز ہائی نس کے پاس جانے سے پہلے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر تم سرکاری افسر نہ ہوتے تو اس حرکت پر ......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ میں گھبراہٹ کے باوجود ہنس دیا۔ وہ آگے بڑھی۔ "تم نے تو اس طرح میرے شریر کو ہاتھ لگا دیا جیسے تم میرے پتی ہو۔"

"اچھا تو تمہارا پتی تمہیں اس طرح ہاتھ لگا کر چھوڑ دیتا ہے؟" میں نے اس کے برہنہ شانوں پر دونوں ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ میرے جسم میں برقی لہر سی دوڑنے لگی۔ اس کا غصہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ "ابھی میرا کوئی پتی نہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے خوشی ہے۔ تم کنواری ہو۔ لیکن تم کو کیسے معلوم ہوا کہ پتی اس طرح ہاتھ لگاتا ہے؟" وہ لاجواب ہو کر پلٹی اور کہنے لگی۔ "چپ چاپ چلے آؤ۔"

"کہاں؟" میں نے کہا۔ "دربار ہال یا تمہاری باتیں سننے کے لئے؟"

اس نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا دی۔ "تم پیے ہوئے ہو شاید۔"

"میں تمہاری آنکھوں کے میخانے میں ڈوب گیا ہوں۔" میں نے چلتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی۔" اس نے گردن گھما کر کہا۔ "آؤ پھر مہاراجہ کے پاس چلو۔ وہ تمہیں تیرنا سکھا دیں گے۔"

"اور اگر انہوں نے کہہ دیا جاؤ دونوں ساتھ تیرو۔ تو؟" وہ چلتے چلتے رک گئی اور پلٹ کر پھر مسکرا دی۔ میں نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ "تم نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔" اس نے مسکرا کر میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کسی نے سن لیا تو مجھے بھی دیوانی ہونا پڑے گا۔"

"اچھا ہو گا۔ پھر میرے سوا تم کسی کی نہ ہو سکو گی۔" اس نے اس طرح میری طرف دیکھا کہ میں تڑپ کر رہ گیا۔ "چلو میں بات کرونگی اس نے خود سپردگی کے انداز میں کہا۔ پھر پلٹی اور تیزی سے چلنے لگی۔ میں ہنس کر اس کے پہلو بہ پہلو چلنے لگا۔" تمہاری مسکراہٹ نے مجھے جیت لیا۔ میں نے کہا۔ وہ گردن گھما کر مسکرا دی اور ایک طویل سانس لے کر نیچی آواز میں بولی۔ "تم سے بڑھ کر مسکراہٹ تو کرشن بھگوان ہی کی ہو سکتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ اسی لئے میں تمہاری مسکراہٹ اپنے ہونٹوں میں سمو لینا چاہتا ہوں۔" وہ لاجواب ہو کر ہنس دی۔ مجھے الفاظ کی طاقت معلوم تھی۔ میرے پاس الفاظ کی کمی بھی نہ تھی۔ میں نے ان الفاظ میں اس کو محبت کی پیش کش کی جو اس نے بھی نہ سنے تھے۔ آخری جملہ سن کر وہ بری طرح لڑکھڑا گئی۔ "تمہارا نام پریتم" اس نے لجاتے ہوئے کہا۔

"پریتم ہی کہے جاؤ۔ ویسے نعیم بھی کہہ سکتی ہو۔"

"اوہ---- تو تم نعیم ہو؟ .... اہو بھاگیہ میرے۔ پریتم۔"

"کیسے۔"

"ایسے ہی کمار .... سنا تھا۔ آج دیکھ لیا۔"

"پالیا نہیں کھو گی۔"

"اہو بھاگیہ میں کیا نہیں آتا میری جان۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اور یکایک چال میں تیزی آ گئی۔ ہر ہائی نس کے کمروں کا سلسلہ ہونے کے باعث تمام راہداری خالی تھی۔ کئی غلام گردشوں سے گزرنے کے بعد ہم ایک ایسے کمرے کے سامنے پہنچ کر رکے جو سگریٹ اور شراب پینے کے لئے مخصوص تھا۔ میں نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اسے اشارہ کیا۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔ میں نے اندر پہنچ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ ایک منبر تک پہنچ کر رک گئی۔ میں نے بڑھ کر اس کے بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "نام نہیں بتاؤ گی۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تمہاری پریتما کا نام نرملا ہے پریتم۔"

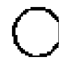
"اوہ۔ نام بھی شکل جتنا پیارا ہے۔" میں نے اس کو آغوش میں کھینچتے ہوئے کہا۔

"سچ؟ ..... لوٹ کر چلے تو نہ جاؤ گے پریتم؟"

"میں خود لٹ چکا ہوں۔ میں نے اس کے ہونٹ چومتے چومتے کہا۔ تم پہلی نظر میں میرے دل میں اتر گئی ہو نرملا۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور اب زیادہ دیر برداشت بھی نہیں کر سکتا۔ دروازہ بند کر دو۔ پلیز۔"

"بند کر دو پریتم۔ میں تمہاری ہوں۔ صرف تمہاری۔"

باہر نکلتے وقت اس کا الوداعی بوسہ تشنہ تھا۔ وہ مجھ سے واقف نہ تھا۔ میں اس کو جانتا روز پھر اسی وقت ملنے کا وعدہ لے کر وہ لچکتی ہوئی چپ چاپ پہنچ کر میں نے ہزہائی نس اور مہارانی سگریٹ سلگائی اور خیالات کی رو میں بہنے لگا۔ واقعات اس قدر کلیئر کٹ آٹو میٹک کا فنکشن بالکل صحیح کہ میں خود بھی حیران تھا۔ نرملا کے حسن و شباب نے مجھ پر وارفتگی طاری کر دی تھی۔ کی بے پناہ کشش سے مسحور ہو کر محبت کا ڈرامہ کھیلنے میں جس احمقانہ جرأت کا مظاہرہ کیا وہ اب خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ یشودھرا کا بہترین نعم البدل تھی۔ صرف خواب گاہ کی حد تک۔ اور بس۔



صبح دس بجے میں سادہ لباس میں ہزہائی نس کو سلام کرنے کے لئے تیسری منزل پر پہنچا۔ دربار ہال کے قریب پہنچ کر خیال آیا کہ یہ وقت تو مہاراجہ کے ناشتے کا ہے۔ گیارہ بجے سے پہلے تو وہ تیار بھی نہیں ہو پاتے۔ ایڈی کانگ کے سیکرٹری کے ساتھ کچھ وقت گزارا جا سکتا تھا۔ لیکن پھر اس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ سگریٹ سلگایا اور راہداری میں ٹہلنے لگا۔ چند منٹ اسی طرح گزرے ہوں گے کہ ایک موڑ پر کنور نرنجن سامنے سے آتے ہوئے ملے۔ یہ بتیس سالہ پست قد فربہ اندام شخص تھے۔ سیرو تفریح، شطرنج، شراب اور عورت ان کا مقصد زندگی تھا۔ کبھی کبھی شکار سے بھی شوق فرما لیتے تھے۔ دو تین شیر اور چیتے مار چکے تھے، بکرے باندھ کر، تیس فٹ اونچے مچان سے بڑے اہتمام کے ساتھ۔ ان شیروں، چیتوں کے ساتھ ان کے درجنوں فوٹو تھے۔ جو ڈرائنگ روم کی آرائش میں اضافہ کر رہے تھے۔ باضابطہ بیوی کے چکر میں نہیں پڑے تھے۔ بے ضابطہ کئی تھیں۔ راگ رنگ کے رسیا تھے۔ کئی سال سے ستار بجانا سیکھ رہے تھے۔ اور کئی سال سے شطرنج کے بین الاقوامی مقابلے کی تیاری اور تیاری سے زیادہ تشہیر کر رہے تھے۔ اور بس۔

ان کے قریب آتے ہی میں نے درباری سلام کیا تو مسکرا کر جواب دیا اور بولے۔ "ارے ناعم یہ تم ہو؟" کنور نرنجن سنگھ کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے مجھے نعیم کی بجائے ناعم ہی کہتے تھے۔

"یور ایکسی لینسی۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ کنور صاحب نے ہنس کر میری کمر پر دھپ جمائی۔ "تم نے تو مجھے چکرا دیا۔ ناعم۔ میں سمجھا کوئی پرنس آ رہا ہے۔ یہ برجیز اور جودھپوری صافہ تو تمہیں کھائے جا رہے ہیں۔"

میں ہنس دیا۔ "آپ میری قدر کر رہے ہیں یور ایکسی لینی .... یہ آپ کی عظمت ہے۔"

"قسمت کی بات ہے مائی ڈیئر۔ جنہیں عظیم ہونا چاہئے۔ وہ عظیم نہیں بنتے

"اچھا ہو گا۔ پھر میرے سوا تم کس کی؟"
طرف دیکھا کہ میں تڑپ کر رہ گیا۔ "چلو تم کیا ہونا چاہئے تھے۔" انہوں نے فلسفیانہ انداز
کہا۔ پھر پلٹی اور تیزی سے چلنے لگی۔ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ میں نے آگے
مسکراہٹ نے مجھے جیت لیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"آپ کے سامنے میرا بیٹھنا مناسب نہیں یور ایکسی لینسی۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے
ہوئے کہا۔ "آپ پھر شہزادے ہیں ...... اور میں ...."
"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" انہوں نے شیروانی کی جیب سے سونے کا سگریٹ
کیس اور لائٹر نکال کر میری طرف بڑھایا۔ "تمہارے ساتھ بڑی ٹریجڈی ہے نا۔ تمہیں دیکھ
کر بہت سے راجکماروں کو پسینہ آجاتا ہے اور تم ...... کچھ بھی نہیں بن سکے۔ کچھ بھی تو
نہیں۔"
"کیا کر سکتے ہیں یور ایکسی لینسی۔" میں نے سگریٹ سلگا کر ان کو لائٹر دیتے ہوئے
کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ ان کو بھی قسمت سے شکایت تھی-----!
انہوں نے سگریٹ کا طویل کش لیا اور بولے۔ "خیر چھوڑو نا غم تم نہیں سمجھ سکتے
.... یہ بتاؤ سنگیت سے دلچسپی رکھتے ہو؟"
"دیوانگی کی حد تک۔"
"تو پھر آج رات نو بجے میرے ساتھ چلو۔ چل سکتے ہو؟"
"چل سکتا ہوں۔"
"تو تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں اپنی پسند دکھانا چاہتا ہوں۔"
منظور ہے لیکن ہز ہائی نس نے روک لیا تو مجبوری ہے۔ "رائٹ ...... ایسی
صورت میں فون پر بتا دینا۔"
دربار ہال میں جا کر میں نے ایڈی کانگ کے سیکرٹری سے ہز ہائی نس کو اپنی آمد کی
اطلاع دینے کو کہا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور چند سیکنڈ بات کرنے کے بعد کہا جائیے۔ لیکن
آج کیا دو بجے ڈیوٹی پر نہیں آ رہے؟
میں نے چلتے چلتے رک کر کہا۔ "میرے پاس ہز ہائی نس کی سب مشین گن ہے۔
اس کے متعلق کچھ عرض کرنا تھا۔"
وہ بہتر ہے کہہ کر خاموش ہو گیا۔ میں ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ اندر داخل
ہوا تو ایک صوفے پر ہز ہائی نس اور مہارانی اور دوسرے پر یشودھرا، سادھنا اور کرنل رگھبیر
سین ناستک بیٹھے ہوئے تھے۔ کرنل ایک آنکھ سے کانا لانبے قد کا، بڑی بڑی مونچھوں والا
ریٹائرڈ انڈین آرمی آفیسر تھا۔ لوگ اس کو الٹا دہریہ کہتے تھے۔ کیونکہ خدا کے وجود سے
منحرف ہونے کے باوجود حد درجہ تنگ نظر، متعصب ہندو تھا۔ یشودھر کا خالہ زاد بھائی تھا۔
بدمزاج ہونے کی وجہ سے ہز ہائی نس اس کو پسند نہ کرتے تھے اور ہمیشہ ایک تیر کے فاصلے پر

رکھتے تھے۔ اس کو یہاں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ وہ مجھ سے واقف نہ تھا۔ میں اس کو جانتا تھا اور اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا تھا۔ قریب پہنچ کر میں نے ہز ہائی نس اور مہارانی کو درباری سلام کیا اور شارٹ کٹ لگایا۔ یور ہائی نس آپ کی آٹو میٹک کا فنکشن بالکل صحیح ہے۔"

"تم نے فائر کر کے دیکھا؟" مہاراجہ نے سوال کیا۔

"دس بارہ شاٹس اور پھر فل برسٹ یور ہائی نیس۔"

"برسٹ ایک لومڑی پر مارا تھا۔ جواب نہیں ہے۔"

"معلوم نہیں ہمیں کیوں شک ہو گیا تھا کہ اس میں خامی ہے۔"

"آپ کا مزاج پر فیکشن کے انتہائی نقطہ عروج پر ہے یور ہائی نس جو چیز اس مقام سے ذرا نیچے نظر آتی ہے آپ کی طبیعت اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔" میرا جملہ سن کر ہز ہائی نس نے مسکرا کر مہارانی کی طرف دیکھا اور وہ بھی مسکرا دیں۔ کرنل نے جو غور سے سن رہا تھا۔ مہاراجہ سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔

"کون ہے یہ لڑکا؟"

"میرا باڈی گارڈ ...." ہز ہائی نس نے مختصر سا جواب دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ کو اس سے متعارف کرانے سے گریزاں تھے۔

"سارجنٹ نام تو نہیں، یور ہائی نس؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔

مہاراجہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے گھوم کر کرنل کو سلام کیا۔ نظریں ملتے ہی یشودھرا مسکرا دی۔

"چالاک نظر آتا ہے۔ کرنل نے مہاراجہ سے کہا۔"

"ہونا ہی چاہئے۔ مہاراجہ نے مسکرا کر کہا۔ کرنل کی نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔"

"او کے نعیم۔" ہز ہائی نس نے کہا۔ "ڈیوٹی پر آتے وقت آٹو میٹک لیتے آنا۔"

"بہتر ہے یور ہائی نس۔" میں نے سلام کرتے ہوئے کہا۔ آ[illegible] ر کر، پ ن اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ کرنل کی نگاہیں میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ مہاراجہ کا مجھ پر اس نیچے آنے تک میں یہی سوچتا رہا کہ ہز ہائی کسی مقصد کے تحت تھا یا محض اتفاق؟ اگر۔ حاضرین انہیں دیکھتے ہی رکوع میں چلے میرے متعلق بہت کچھ جان چکے تھے اور دریافت کرنے پر انہوں نے صرف اتنا بتایا تھے۔ لیکن کیوں؟ ...... کیا یشودھرا کھل بیٹھی ہیں گے۔ ایڈی کانگ نے کیپٹن دلیش مکھ کو کے پاس پہنچا، مسرت، حیرت اور خوف کا اسکی بھی کیا ضرورت ہے" کہہ کر ٹال دیا۔ ہی میں نے انہیں احوال سنایا۔ انوں ما سے لگی ہوئی کھڑی تھی۔ ایڈی کانگ نے

کھوپڑی غلطی سے الٹی ڈھولا۔ مہاراجہ اندر داخل ہو گئے۔ اور بیٹھتے ہی میری طرف دیکھ کر کہا۔ میں نے ہنس کے سارجنٹ۔" میں نے سر کو خم کیا اور وہیل پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے ڈیڈی۔" ۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اے ڈی سی نے جھک کر مہاراجہ کو سلام کیا۔

"تپ تپ" اتے ہی انہوں نے کمزور سی آواز میں کہا۔ "بڑی شکار گاہ۔"

میں نے "بہتر ہے" کہہ کر ایکسی لیریٹر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ہم جھیل کے بڑے پل کو جانے والی سڑک پر آ گئے۔ پل کے قریب پہنچ کر انہوں نے کہا۔ "ہم تمہیں شیر دکھانے لے جا رہے ہیں نعیم۔"

"ذرہ نوازی ہے یور ہائی نیس۔" میں نے سر کو خم دے کر کہا۔ "گاڑی پل پر جا رہی تھی۔ مہاراجہ نے کھڑکی کا شیشہ گرا کر جھیل کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ میں نے رفتار کم کر دی۔ تازہ ہوا کے جھونکے اندر آنے لگے۔ پل ختم ہو گیا۔ گاڑی سر سبز میدان میں آ گئی۔ منظر حسین سے حسین تر ہوتا جا رہا تھا۔ سہ پہر ہونے کے باوجود خود رو پھولوں کے نکھار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ یکایک مہاراجہ پھر اسی موضوع پر لوٹ گئے۔" دیسی شیر بہت خونخوار ہوتا ہے نعیم۔ انہوں نے کہا۔

میں نے گردن گھمائے بغیر جواب دیا۔ "یو ہائی نیس' شیر اہنسا پر عمل کرنے لگے تو کانگریسی اس پر سوار ہو کر چرخہ کاتتے پھریں۔"

مہاراجہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور ہنستے چلے گئے۔ "خوب ہو تم بھی۔" کہا اور پھر ہنسنے لگے۔ میرا دماغ اڑانیں لینے لگا۔ جوش مسرت میں میرے پاؤں کا دباؤ بڑھنے لگا اور گاڑی پھر اڑنے لگی۔ پیچ و خم سے گزرتے ہوئے دس منٹ میں ہم شکار گاہ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ پہریدار نے سلامی دے کر دروازہ کھولا۔ گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ دو تین منٹ ناہموار میدان کے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد گھنا جنگل شروع ہو گیا۔ اونچے اونچے درخت' جھاڑیاں' نالے' پہاڑیاں' غار' ٹیکریاں گہرے گہرے گڑھے اور تالاب راستے میں حائل ہونے لگے۔ جگہ جگہ گیدڑ' لومڑیاں' خرگوش' پہاڑی بکرے' ہرن' سانبھر' مور' تیتر' نیل گائے اور چیتل وغیرہ چلتے پھرتے دوڑتے بھاگتے دکھائی دینے لگے۔ لیکن ابھی تک کوئی درندہ نظر نہیں آیا تھا۔ یہ جنگل دس بارہ مربع میل کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ جس کے تین طرف پہاڑ تھے اور ایک طرف لوہے کا اٹھارہ فٹ اونچا جنگلہ میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ قدرتی شکار گاہ تھی۔ جس پر پہریداروں کی تنخواہ کے سوا کوئی خرچ نہ تھا۔ چھوٹی شکار گاہ کے لئے باقاعدہ محکمہ قائم تھا اور سپروائزر جو جانوروں کی نگہداشت پر مامور تھا باضابطہ ریکارڈ رکھتا تھا۔ تمام جانوروں کی افزائش نسل اسی کی ذمہ داری تھی۔

اس وقت ساڑھے چار بج رہے تھے۔ ہم جتنا آگے بڑھ رہے تھے۔ راستہ دشوار گزار ہوتا جا رہا تھا۔ آخر ایک پہاڑی کے دامن میں کرونڈے کی جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر

مہاراجہ نے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے انجن بند کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ہولسٹر سے پستول نکالا اور بائیں ہاتھ سے پچھلا دروازہ کھولا۔ مہاراجہ باہر نکل آئے۔ اور گردوپیش کا جائزہ لینے لگے۔ ان کے چہرے پر اس خوشی کا شائبہ تک نہ تھا جو ایسے حسین جنگل میں قدرتی مناظر دیکھ کر انسان کو ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر دیکھ کر انہوں نے سگریٹ سلگایا اور پہاڑی کی طرف چلتے ہوئے کہا "آؤ" میں ان کے دائیں طرف ہو کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ چند منٹ میں ہم اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ چاروں طرف دور دور دیکھ سکتے تھے۔ ایک بلند درخت کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ وسط جنگل کی طرف نظر دوڑائی اور چھڑی سے ایک پہاڑی نالے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں جانور پانی پینے آتے ہیں اور اب کسی بھی وقت ہمارا سامنا ریچھ یا شیر سے ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے یور ہائی نس میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ مہاراجہ نے میرے چہرے پر نظر ڈالی۔ خوف و ہراس کی کوئی علامت نہ پا کر وہ مسکرا دیئے اور آہستہ آہستہ نشیب کی طرف چلنے لگے۔ میں چوکنا ہو کر ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ مجھے تعجب صرف یہ تھا کہ وہ اتنے خطرناک مقام پر صرف ایک گارڈ کے ساتھ غیر مسلح کس طرح آ گئے۔ ان کے پاس سبک سی چھڑی کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا۔ وہ بار بار کنکھیوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر چشمے کے کنارے ایک بلند مقام پر پہنچ کر رک گئے۔ میں نے چند قدم آگے بڑھ کر نیچے کی طرف دیکھا۔ تقریباً پندرہ سو فٹ کی گہرائی پر چشمے کا پانی تین چار فٹ چوڑے نالے کی صورت میں پتھروں اور چٹانوں سے ٹکراتا ہوا بہہ رہا تھا۔ حد نظر تک کہیں کوئی جانور نہ تھا۔ کچھ دیر دیکھنے کے بعد میں پلٹ کر مہاراجہ کے قریب آ گیا۔ "ایک خوبصورت منظر کے سوا کچھ بھی نہیں یور ہائی نیس۔" میں نے کہا۔ انہوں نے کلائی کی طرف نظر ڈالی اور خاموش رہے۔ میں بھی سر جھکا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ جن درختوں کے قریب کھڑے تھے بجائے خود حسین قطعہ زمین تھا۔ جس پر جا بجا خود رو گیندے اور گلاب کے پھول کھلے ہوئے تھے اور جنگل خوشبو سے مہک رہا تھا۔ دور پس منظر میں گکروندے کی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ میری توجہ زیادہ تر اسی طرف تھی۔

"ہم یہاں کچھ دیر شیر کا انتظار کریں گے۔" انہوں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا یہ بہتر نہ ہو گا یور ہائی نس کہ آپ کسی اونچی جگہ بیٹھ کر آرام فرمائیں۔" میں نے کچھ فاصلے پر ایک اونچے درخت پر بندھے ہوئے مچان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا دیئے۔ "نہیں ہم دیکھنا چاہیں گے کہ تم کس طرح ہمارا بچاؤ کرتے ہو۔"

"یہ تو معمولی بات ہے یور ہائی نیس۔" "شیر آٹومیٹک لے کر نہیں آئے گا۔"

وہ پھر مسکرا دیئے۔ "اور اگر میگزین خالی ہونے کے بعد دوسرا آ گیا؟"

"یور ہائی نس۔ آپ کے قریب پہنچنے کے لئے اس کو جنو جستو سیکھ کر آنا ہو گا۔"

وہ ہنس دیئے۔ "شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو نعیم۔"

"شاید کا لفظ اڑا دیجئے یور ہائی نس۔ اور یقین فرمالیجئے' آپ کے سوا اولاس پور میں کوئی طاقت نہیں ہے جسے میں طاقت سمجھتا ہوں۔" مہاراجہ نے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ خیالات میں گم تھے اور چھڑی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے دائیں ہاتھ سے آہستہ آہستہ گھما رہے تھے۔ یہ ان کی شدید ذہنی الجھن کی علامت تھی۔ میں چکرا گیا۔ ان کا طرز عمل میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر انہوں نے کمزور سی آواز میں کہا۔ "ہمیں معلوم ہے نعیم ...... لیکن اگر ایسے ہمہ صفت انسان کا تعلق میرے خاندان سے نہیں ہے تو وہ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں نہیں سمجھ سکا یور ہائی نس۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرا اشارہ تمہاری طرف ہے۔"

"آپ کا یہ جملہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے یور ہائی نس۔ لیکن مجھ میں ہزاروں خامیاں اور کوتاہیاں ہیں جنہیں۔ جنہیں میں ظاہر نہیں ہونے دیتا۔"

"اپنی کمزوری کو ظاہر نہ ہونے دینا بذات خود بہت بڑی خوبی ہے۔"

"یہ آپ کی محبت ہے یور ہائی نس۔ میری ہر خوبی اور میری ہر صفت آپ کے چرنوں کا پرتاپ ہے۔ اور آپ کے چرنوں میں ارپن کرنے کے لئے ہے۔ یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔"

"ہمیں معلوم ہے نعیم .... ہمیں معلوم ہے۔" انہوں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن اس کا کیا علاج کہ تمہاری شخصیت نے بہت سی شخصیتوں کو کمپلیکس میں مبتلا کر دیا ہے۔" میں نے سر جھکا دیا۔ اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر مہاراجہ نے کہا۔ "ہمیں افسوس ہے نعیم۔ لیکن ریاست کا مفاد اسی میں ہے کہ روئے زمین پر تمہارا وجود باقی نہ رہے۔"

میں نے زندگی میں پہلی بار ان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ "میں آپ کے اشارے پر وجود رکھتا ہوں یور ہائی نس اور ایک اشارے پر یہ وجود بہ آسانی عدم' میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ ایک سارجنٹ کی برخاستگی سے بھی ریاست پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور قتل سے بھی کوئی انقلاب نہیں آئے گا۔"

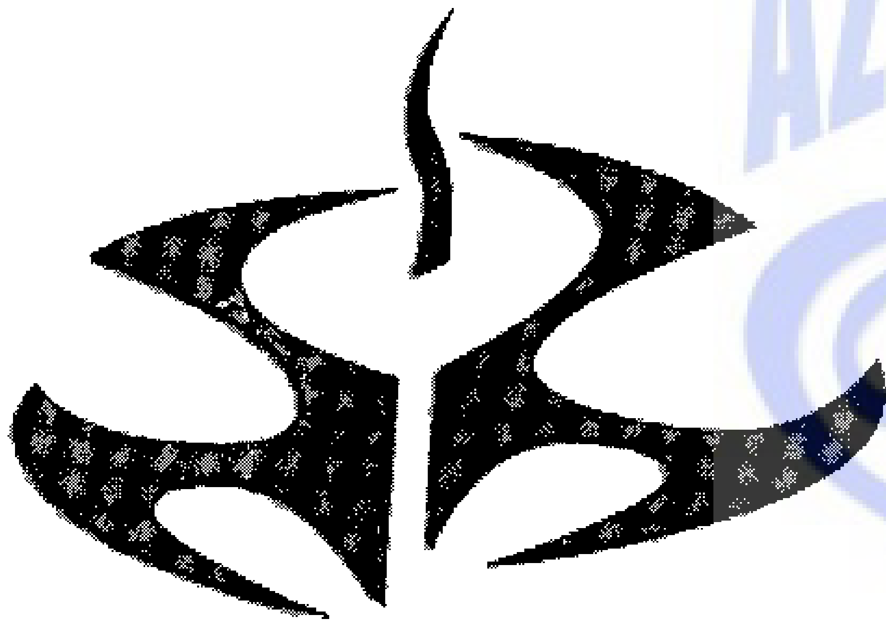
"تم نے صحیح کہا نعیم۔ تم ہمیشہ ہر بات صحیح کہتے رہے ہو۔ اور اس سے بڑی غلطی کوئی نہیں ہے۔"

"میں فلاسفر نہیں ہوں یور ہائی نس۔ ایک معمولی سپاہی ہوں اور وہ بھی نامکمل۔ میں صرف جان قربان کرنا جانتا ہوں اور وہ حاضر ہے۔" میں نے پستول دونوں ہاتھوں پر رکھ کر

ان کے سامنے کر دیا۔ مہاراجہ کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا۔ انہوں نے بمشکل خود پر قابو پا کر ایک ایسے لہجے میں جو ان کا نہیں معلوم ہوتا تھا' منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہیں اپنے ہاتھ سے ختم نہیں کر سکتے نعیم' کلمہ کلام پڑھو اور کنپٹی پر پستول رکھ کر فائر کر دو۔"

"خودکشی میں کلمہ کلام کا تکلف ضروری نہیں یور ہائی نیس۔" میں نے کہا اور پستول کنپٹی کے قریب لا کر ٹرائیگر دبا دیا۔





ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا کنپٹی کے قریب معمولی سی جلن محسوس ہوئی اور میں اپنے آپ کو اسی طرح صحیح سالم کھڑا دیکھ رہا تھا۔ میں نے پھر پستول اٹھایا اور یکے بعد دیگرے دو فائر کئے۔ نتیجہ صفر تھا۔ مہاراجہ نے لپک کر میرا ہاتھ پکڑا اور پستول لے کر اپنے ہاتھ سے میرے ہولسٹر میں ڈال دیا۔ ”تم واقعی جانثار ہو نعیم۔“ انہوں نے پیٹھ تھپک کر کہا۔ ”آؤ۔“

ہم دونوں چلنے لگے۔ اس امتحان میں کامیابی کے احساس سے میرے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ میں خود کو فضاؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ پہاڑی پر پہنچ کر مہاراجہ نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ ”آٹو میٹک میں تو ڈمی کارتوس ہیں نعیم۔ اب کس چیز سے میری حفاظت کرو گے؟“

”نعیم کا جسم آپ کی مضبوط ڈھال ہے یور ہائی نیس۔“ میں نے جواب دیا۔

”تم سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔ یقین کرو مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“ میں نے اظہار ممنونیت میں سر جھکا لیا اور خاموشی سے چلتا رہا۔ چند منٹ بعد کار تیزی سے راج محل کی طرف اڑی جا رہی تھی اور مہاراجہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے سگریٹ سے شغل فرما رہے تھے۔

کار ہل مین پل عبور کر کے گیٹ میں داخل ہوئی۔ کیبن کے سامنے کھڑے ہوئے گارڈز نے بندوق سے سلامی دی۔ ایڈی کانگ' کیپٹن دلیش مکھ اور سیکرٹری تینوں صدر دروازے کی سیڑھیوں سے اتر کر پورٹیکو میں آ گئے۔ گاڑی رکتے ہی ایڈی کانگ نے بڑھ کر پچھلا دروازہ کھولا اور سلام کیا۔ مہاراجہ گاڑی سے باہر نکلے کیپٹن دلیش مکھ سے سیلوٹ کر کے سیٹ سے سگریٹ کیس اور لائٹر اٹھایا۔ میں باہر نکل کر ان کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ مہاراجہ ایڈی کانگ اور کیپٹن کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوئے۔ ایڈی کانگ دروازہ بند کرنے لگا تو مہاراجہ نے ہاتھ کے اشارے سے روک کر کہا۔ ”تم بھی آ جاؤ نعیم۔“ میں لپک کر لفٹ میں داخل ہو گیا۔ ایڈی کانگ نے دروازہ بند کرتے ہوئے تعجب خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پہلا موقع تھا کہ افسروں کی موجودگی میں ہز ہائی نس نے مجھے سارجنٹ کی بجائے نعیم کہہ کر بلایا تھا۔ اور یہ بھی پہلا موقع تھا کہ ایک سارجنٹ کو افسروں کے ساتھ لفٹ میں کھڑے ہونے کا اعزاز بخشا گیا۔ کیپٹن نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور تیسری منزل کا بٹن دبایا۔ لفٹ آہستہ آہستہ اوپر جانے لگی۔

ایڈی کانگ نے مسکرا کر مہاراجہ سے کہا۔ ”حضور کو خاصی دیر ہو گئی۔ ہر ہائی نس بہت متفکر ہیں۔“

مہاراجہ مسکرا دیئے ایڈی کانگ کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر سلگاتے ہوئے بولے۔

”تم نے ان سے کہا ہو گا کہ ہم صرف ایک سارجنٹ کو لے کر گئے ہیں۔“

”بجا ہے یور ہائی نس۔ لیکن ہر ہائی نس نے خود سوال کیا تھا کہ آپ کس کس کو لے کر گئے ہیں۔“ مہاراجہ نے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر جھکا لیا۔ لفٹ تیسری منزل پر پہنچ کر رک گئی۔

دربار ہال میں داخل ہوتے ہی مہاراجہ نے ایڈی کانگ کو رخصت کر دیا۔ پھر مجھے اور کیپٹن کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ ڈرائنگ روم اس وقت راجکماریوں سے بھرا ہوا تھا۔ مہاراجہ کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سب کھڑی ہو گئیں۔ مہارانی نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔' مہاراجہ کی پیشانی پر تلک لگایا اور ان کو لے کر کانفرنس روم کی طرف چل دیں۔ تمام راجکماریاں ان کو جھرمٹ میں لئے ہوئے تھیں۔ ان میں یشودھرا بھی تھی۔ اس نے چلتے چلتے مڑ کر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر سر کے اشارے سے سلام کیا۔ اسی وقت کیپٹن دلیش مکھ نے اس کی طرف دیکھا اور وہ منہ پھیر کر چل دی۔ کیپٹن میری طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔ تھوڑی دیر میں ڈرائینگ روم میں ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ چند منٹ انتظار کرنے کے بعد کیپٹن دروازے کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں ان کے سامنے کھڑا رہا۔ انہوں نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر میری طرف بڑھایا۔ میں نے دیر سے سگریٹ نہیں پیا تھا۔ اس لئے شکریہ کے ساتھ ایک سگریٹ سلگایا اور ان کو لائٹ دی پھر باتیں شروع ہو گئیں۔ باتوں کے درمیان کیپٹن کی نظر میری کنپٹی پر پڑ گئی اور وہ بارود کی سیاہی دیکھ کر چونک پڑے۔ اٹھ کر غور سے دیکھا۔ میرے ہاتھ سے رومال لے کر صاف کیا۔ سرخی اور پستول کی بیرل کا نشان دیکھ کر معاملے کی تہہ کو پہنچ گئے اور پوچھا۔ ”یہ کیسے ہوا نعیم؟“

”پورا ون ایکٹ میلو ڈرامہ ہے سر۔“ میں نے جواب دیا ”فرصت اور تنہائی میں تفصیلات عرض کروں گا۔“

”خیر مجھے خوشی ہے کہ تم بخیریت واپس آ گئے۔“ انہوں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

”ایک ایسے امتحان کے بعد جس سے شاید ہی کوئی گزرا ہو۔“

کیپٹن کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک خادمہ طشت ہاتھوں پر اٹھائے ہمارے پاس آئی اور کیپٹن سے مراٹھی میں کہنے لگی۔ ”یہ آپ کے لئے ہے۔“ کیپٹن نے ایک شیشے کے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا اور وہ ٹرے رکھ کر چلی گئی اس کے جاتے

ہی انھوں نے میرا بازو پکڑ کر گھسیٹا اور ہم دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ٹرے میں طرح طرح کی مٹھائیوں کی دو پلیٹیں' چائے دان اور طشتریاں وغیرہ تھیں۔ کیپٹن نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کھانا شروع کر دیا۔ چند منٹ میں دونوں پلیٹیں صاف تھیں۔ میں نے سگریٹ سلگا کر چائے بنائی اور وہ چسکیاں لینے لگے۔ کیپٹن نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم بھی عجب بلانوش ہیں نعیم۔ چار آدمیوں کی خوراک اڑا گئے اور ابھی اتنی ہی اور کھا سکتے ہیں۔"

"ہم سفید ہاتھی ہیں سر۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "خدا ہز ہائی نس کو سلامت رکھے جو وہ ہمیں پال رہے ہیں۔"

"ہاں بھئی۔ لیکن ہم قربانی کے بکرے بھی ہیں۔ کیا معلوم کب چھری تلے آ جائیں۔"

"چھری کی مار میں نہیں آتے سر۔ گولی ہی کام کر سکتی ہے سووہ ہمارے پاس بھی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے سر۔ کاش آپ میری موجودگی میں کسی سے محبت کرتے۔" دروازہ پھر کھلا اور وہی خادمہ پھر نمودار ہوئی۔ ہم خاموش ہو گئے وہ ٹرے اٹھا کر لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد مہاراجہ اور ان کے پیچھے مہارانی' یشودھرا' درگا دیوی اور انوپا دیوی وغیرہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ ہم نے اٹھ کر سلام کیا۔" ہز ہائی نس نے کیپٹن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ویل کم۔ اب تم دونوں آف ہو۔ رات ساڑھے دس بجے رادھا اور مشتری کا گانا ہو گا۔ اس وقت آ جانا۔" ہم نے بیک وقت فوجی سلام کیا اور باہر نکل آئے۔

"میں آپ کی کار میں کلچ پلیٹ ڈلوانے لے جا رہا ہوں سر۔" میں نے نچلی منزل پر آتے ہی کیپٹن سے کہا۔

"وعدہ کرو کہ میری کار آؤٹ آف پکچر رہے گی؟"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے سر۔ کار آپ کو کرنل گجندر سنگھ کے گیراج میں مل جائے گی۔ اگر میں نہ لوٹ سکا تو۔"

"خدا نہ کرے۔ خیر لے جاؤ۔ لیکن یہ سمجھ لو۔ آج تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا۔"

"مجھے یقین ہے سر اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔"

"اچھا۔ آج سہ پہر والی کہانی سناؤ۔ لباس تبدیل کر کے آؤ اور پھر میں تمہیں اپنے تمام دیوی دیوتاؤں اور تمہارے اللہ کے حوالے کر دیتا ہوں۔"

"تھینک یو" کہہ کر میں نے ان کو کہانی سنا ڈالی۔ اور وہ حیران رہ گئے۔

میں نے منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کیا۔ آٹومیٹک اور فالتو کارتوس پتلون کی جیبوں میں ڈالے اور گیراج سے کیپٹن کی کار نکال کی شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پل عبور کر کے

سڑک پر آیا تو سات بج رہے تھے۔ یشودھرا سے آج ملاقات کا وعدہ نہ تھا۔ لیکن صرف اس توقع پر کہ میرا چھٹی پر ہونا اس کے علم میں تھا اور شاید وہ پہنچنے کی کوشش کرے۔ میں اس سے ملنے کے لئے چل پڑا تھا۔ سوا سات بجے میں کیمپ پہنچا۔ کرنل گجندر سنگھ کے بنگلے پر ان کے اردلی کے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ اپنی فیملی کو لے کر شہر گئے ہوئے تھے۔ ان کا اردلی مجھے پہچانتا تھا۔ اس نے بیٹھک کھولنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ نہ معلوم وہ کس وقت واپس لوٹیں اس لئے انتظار کرنا بے کار ہو گا۔ اردلی کو بھی معلوم نہ تھا وہ کس وقت لوٹیں گے۔ میں نے گاڑی بنگلے کے پہلو میں کھڑی کر دی اور اردلی سے کہہ دیا کہ میں ساڑھے نو بجے واپس آؤں گا اگر کرنل صاحب اس دوران میں آ گئے تو ان سے مل لوں گا ورنہ گاڑی لے کر واپس چلا جاؤں گا۔

آٹھ بجے سے پہلے میں گارڈن میں داخل ہو گیا۔ برج کو جانے والی سڑک میوزیم کے عقب سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہاں دور دور تک گھاس کے لان تھے۔ جن پر لوہے کی سینکڑوں نشستیں پڑی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں رومانی جوڑے بینچوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گھاس پر بھی جگہ جگہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے۔ میں سڑک کے قریب لیمپ سے کسی قدر فاصلے پر پڑے ہوئے ایک بنچ پر سڑک کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگا کر کش لینے لگا۔ برج یہاں سے دو سو گز سے کم فاصلے پر تھا۔ چند منٹ بعد بلیو پیکارڈ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے سامنے سے گزری۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ سوچا یہیں روک لوں۔ لیکن میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ کوئی دوسری کار اس کا پیچھا تو نہیں کر رہی۔ اس کو برج کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ ابھی پیکارڈ برج کے قریب نہ پہنچی ہو گی کہ ایک ٹورنگ آتی ہوئی دکھائی دی۔ میرے سامنے سے گزرنے لگی تو میں نے بنچ کی پشت پر دونوں ہاتھ رکھ کر منہ کو آڑ میں کر کے غور سے دیکھا۔ ٹورنگ کو کرنل رگھبیر ڈرائیو کر رہا تھا۔ کندھے پر پستول کا ہولسٹر پڑا ہوا تھا۔ وہ تنہا تھا۔ اس کی گاڑی گزرنے کے بعد میں اٹھ کر گھاس سے ہوتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ پیکارڈ نظروں سے اوجھل ہونے پر تیزی سے گاڑی چلانے لگا تھا۔ لیکن اسی نوے گز چلنے کے بعد پل کی طرف جانے کی بجائے دائیں ہاتھ کو چڑیا گھر کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گیا۔ میں تیزی سے پل کی طرف دوڑا۔ یشودھرا گاڑی کھڑی کر کے پل کو جانے کے لے سڑک پر آئی ہی تھی کہ میں پیچھے سے پہنچ گیا۔ وہ آہٹ سنتے ہی پلٹی اور مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔ "میرا خیال صحیح تھا۔" اس نے کہنا شروع کیا تھا کہ میں نے تیزی سے بات کاٹ دی۔ "کرنل رگھبیر آپ کا پیچھا کر رہے ہیں۔ فوراً گاڑی سڑک پر لائیے اور واپس چلئے۔ میں کراس روڈ سے آگے آپ کو چلتا ہوا ملوں گا۔"

وہ یہ سنتے ہی تیزی سے گاڑی کی طرف چلنے لگی۔ میں لوٹ کر پھر انہیں بینچوں کے

قریب آ گیا۔ کرنل کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ سڑکوں کی بھول بھلیاں میں پھنس گیا تھا۔ اسی وقت مجھے راجکماری کی پیکارڈ آتی ہوئی نظر آئی۔ میں سڑک عبور کر کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ یشودھرا نے مجھے دیکھتے ہی گاڑی روک کر اگلا دروازہ کھولا۔ میں سوار ہو گیا اور دروازہ بند کر کے اسے اسٹیرنگ چھوڑنے کا اشارہ کیا۔ وہ دوسری طرف سرک کر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے وھیل سنبھالا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے مین گیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم خاصی دور نکل گئے لیکن ٹورنگ کا کہیں نشان نہ تھا۔ دروازے سے نکلتے ہی میں نے اطمینان کا سانس لیا اور کیمپ کے ساتھ ساتھ دیہات کی طرف جانے والی سڑک پر مڑتے ہی ایکسی لیٹر دبانا شروع کر دیا۔ کیمپ ختم ہوتے ہی سیدھی لمبی سڑک تھی۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ کوئی گاڑی نہ تھی۔ میں نے رفتار کم کر دی اور یشودھرا کی طرف دیکھا۔ وہ سرک کر قریب آ گئی اور مسکرا کر سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ گاڑی اب گھنے جنگل سے گزر رہی تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ سڑک پر بھی روشنی کا انتظام نہ تھا۔ دونوں طرف اونچے اونچے درختوں کی قطاریں تھیں۔ میں نے گاڑی کی رفتار اور کم کر دی اور سڑک سے اتر کے جنگل میں داخل ہونے کے لئے موزوں جگہ تلاش کرنے لگا۔

یشودھرا میرا ارادہ بھانپ گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا "نعیم یہ جنگل خطرناک ہے۔"

میں ہنس دیا۔ "شہر خطرناک ہوتے ہیں جانم۔ جنگل نہیں۔" میں نے رفتار اور بڑھاتے ہوئے کہا۔ ہم شہر سے گیارہ میل دور نکل چکے تھے۔ اور اب پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"ہمارے لئے دونوں خطرناک ہیں۔" اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "ہمارے لئے زندہ رہنے کی صرف ایک صورت ہے یشو ..... اور وہ یہ کہ ہم دونوں خطرناک ہو جائیں۔"

"وہ کس طرح؟"

"ہر اس چیز کو جو ہمارے راستے میں آئے ......" میں نے انگلی سے ٹرائیگر دبانے کا اشارہ کر کے جملہ پورا کیا۔ وہ میرا منہ تکنے لگی۔

"تم ڈر گئیں شاید-----؟"

"نہیں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید تم صحیح کہہ رہے ہو ...... شاید ہمارے لئے یہی ایک راستہ ہے ......"

"اور شاید میں یہی راستہ اختیار کر رہا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ وہ بھی ہنس دی۔ میں نے ایک جگہ فاصلہ دیکھ کر گاڑی سڑک سے کچے راستے میں اتار دی اور جھاڑیوں سے بچتے بچاتے سو ڈیڑھ سو گز آگے بڑھ کر درختوں کے جھنڈ میں گاڑی روک کر انجن بند کر دیا۔ گاڑی رکتے ہی وہ ناگن کی طرح بل کھا کر مجھ سے لپٹ گئی اور ہم دنیا و مافیہا سے

غافل ہو کر ایک دوسرے میں سما گئے۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔ ہم نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔ یشودھرا نے اپنے رومال سے میرے ہونٹ صاف کئے اور وینٹی بیگ سے آئینہ نکال کر بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اسی وقت گاڑی کی چھت پر دھماکے کی آواز آئی اور کار لرز کر رہ گئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بہت بھاری مگر نرم چیز چھت پر گری ہو۔ یشودھرا کی چیخ نکل گئی۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ گاڑی بری طرح ہل رہی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بمشکل آٹومیٹک نکالا۔ یشودھرا پھر چیخ اٹھی۔ ونڈ اسکرین سے ایک چیتے کی خونخوار نگاہیں ہمیں گھور رہی تھیں۔ وہ ابھی تک چھت پر تھا۔ اور گردن نیچی کر کے جھانک رہا تھا۔ میں نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا۔

"نہیں نہیں۔" کہہ کر یشودھرا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "گاڑی میں گولی کے سوراخ کا ہم کوئی جواب نہ دے سکیں گے نعیم۔" اس نے تیزی سے کہا۔ میں اس کی سادگی پر مسکرا دیا۔ "اور اگر چیتے نے ہمیں پھاڑ ڈالا یا زخمی کر دیا تو کیا جواب دیں گی آپ؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب گاڑی ہل نہیں رہی تھی۔ چیتا خاموش تھا۔ پھر مجھے ان مخصوص شیشوں کا خیال آیا جو اس گاڑی میں لگے تھے' دراصل اس کو اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یکایک چیتے نے سر اٹھایا۔ شاید وہ کسی اور سمت دیکھنے لگا تھا۔ سامنے سڑک پر روشنی پھیلتی جا رہی تھی۔ یہ کسی تیز رفتار گاڑی کی ہیڈ لائٹ تھی۔ تھوڑی دیر میں کسی موٹر انجن کی آواز آنے لگی۔ چیتے نے ہماری گاڑی سے چھلانگ لگائی۔ گاڑی پھر لرز کر رہ گئی۔ اسی وقت کرنل کی ٹورنگ تیزی سے ہمارے سامنے سے گزر گئی۔ چیتا اس کے تعاقب میں چھلانگیں لگاتا ہوا غائب ہو گیا۔ یشودھرا کرنل کی گاڑی پہچان کر خوف زدہ ہو گئی۔ میں خاموشی سے گاڑی کو دور جاتے دیکھ رہا تھا۔ دو تین منٹ گزرنے کے بعد میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور آہستہ آہستہ ٹائروں کے نشانات پر گاڑی چلاتا ہوا سڑک پر آیا اور پیچھے کی طرف نظر ڈال کر پوری رفتار سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کیمپ کے قریب پہنچ کر گاڑی روکی۔ اور یشودھرا کو جلد از جلد مدھوساگر پہنچنے کو کہہ کر نیچے اتر گیا۔

گاڑی روانہ ہو گئی اور میں پیدل چلتا ہوا کرنل گجندر سنگھ کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ وہ ابھی تک نہیں آئے تھے۔ میں نے گھڑی پر نظر ڈالی نو بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے۔ میں نے دس منٹ اور انتظار کیا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ یشودھرا مدھوساگر پہنچ چکی ہو گی تو اردلی سے کرنل صاحب کو سلام عرض کرنے کا کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور روانہ ہو گیا۔ جس وقت میں مدھوساگر پہنچا تو دس بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ میں نے گاڑی گیراج میں کھڑی کی اور سیدھا اوپر چل دیا۔ اس وقت سوا دس بجے تھے۔ گانا شروع نہیں ہوا تھا اور

کیپٹن ویش مکھ سیکرٹری کے چیمبر میں بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو مسکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ "کلچ پلیٹ بدلوا لائے یا نہیں سارجنٹ؟"

"مجھے افسوس ہے سر کئی جگہ دریافت کیا لیکن اس قسم کا کسی کے پاس نہیں ہے۔ کل پھر تلاش کروں گا۔"

"کل تو میں خود بھی تلاش کر لوں گا سارجنٹ۔ ویسے بہت خطرناک تو نہیں ہے نا؟"

"زیادہ تیز چلانے میں خطرہ ہے سر۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔ تم جیسے تیز چلانے والوں کے لئے خطرہ ہے۔ اچھا آؤ۔ ہز ہائی نس ڈنر سے اٹھ چکے ہیں۔ او کے مسٹر مہتا۔" مسٹر مہتا نے دانت نکال دیئے اور گڈ نائٹ کیپٹن کہہ کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ کیپٹن نے ہاتھ ملایا اور مجھے بالکنی کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ اے ڈی کانگ کے چیمبر اور ڈرائنگ روم کے درمیان والی گزر گاہ بالکنی کو جاتی تھی جو بذات خود ہز ہائی نس کے تمام کمروں کی عقبی گزر گاہ تھی۔ اس وقت یہاں کوئی نہ تھا۔ ہم ایک سرے پر پہنچ کر رک گئے۔ میں نے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر کیپٹن کو پیش کیا۔ انہوں نے ایک سگریٹ نکالا میں نے ان کو لائٹ دے کر اپنا سگریٹ سلگایا۔

"تمہارے جانے کے نصف گھنٹے بعد بلیو پیکارڈ اور اس کے فوراً بعد ناسٹک کی ٹورنگ روانہ ہوئی تھی۔ کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہوئی۔"

میں نے نفی میں گردن ہلائی "نو سر۔"

"درشن ہوئے یا نہیں ------؟"

"درشن ہوئے لیکن بڑی مشکل سے۔"

"اور وہ کہاں مارا گیا ------؟"

"چکر میں ڈال دیا تھا۔ اب معلوم نہیں کہاں گاڑی دوڑاتا پھر رہا ہے۔"

"بہت خوب پیکارڈ بھی ساڑھے نو بجے پہنچ گئی تھی۔"

"آپ کے پاس تو ہماری پوری نقل و حرکت کا ریکارڈ ہے سر۔"

"ہونا بھی چاہئے۔" کیپٹن نے سگریٹ نیچے پھینک کر پیر سے دباتے ہوئے کہا۔ "آؤ اندر چلیں۔" میں نے بھی سگریٹ پیر سے دبایا اور ان کے پیچھے چل دیا۔ ڈرائنگ روم میں مہاراجہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ ہم نے سلام کیا۔ سر کے اشارے سے جواب مل گیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا ویش مکھ۔" کیپٹن نے سر جھکا دیا۔ مہاراجہ نے مسہری کے سرہانے لگے ہوئے ایک بٹن کو دبایا۔ دو لڑکیاں دوڑتی ہوئی آئیں اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔ "دربار ہال میں اطلاع دو ہم آ رہے ہیں۔" مہاراجہ نے لڑکیوں سے کہا۔ وہ دونوں سلام کر کے روانہ ہو گئیں۔ ایک منٹ انتظار کرنے کے بعد انہوں نے سگریٹ سلگایا اور سگریٹ کیس اور لائٹر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے دونوں چیزیں چسٹر کی جیب

میں رکھ لیں۔ کیپٹن نے مہاراجہ کو چسٹر پہنایا اور وہ خراماں دیوان ہال کی طرف چل دیئے۔ کیپٹن دائیں جانب تھے اور میں بائیں جانب' دروازے پر پہنچتے ہی دو لڑکیوں نے آگے بڑھ کر دروازے کھولے اور وہ اندر داخل ہوئے۔ پورے ہال میں راجکماریوں سہیلیوں اور خادماؤں کے سوا کوئی نہ تھا۔ مہاراجہ کے قدم رکھتے ہی سب نے سر جھکا دیئے۔ مہارانی اور چند راجکماریوں نے جن میں یشودھرا بھی تھی' مہاراجہ کا دروازے پر استقبال کیا۔ مہاراجہ نے ایک بلند چبوترے پر پہنچ کر زرنگار مخملی کرسی پر بیٹھ کر سب کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ مہارانی ان کے برابر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ دائیں جانب صوفوں کی تین قطاروں پر راجکماریاں اور سہیلیاں تھیں اور بائیں جانب قطار میں دس گیارہ "درباری" اور ان کے پیچھے خادم اور خواص وغیرہ۔ بیچوں بیچ قالین پر تین چار گانے والیاں اور ان کے سازندے تھے۔ مہارانی سے ذرا پیچھے ہٹ کر ایک کرسی میرے لئے تھی۔ مہاراجہ کے بیٹھتے ہی ایک درباری رقاصہ کھڑی ہوئی اور مہاراجہ کو کورنش بجا لا کر پچھلے قدموں ہٹتی ہوئی سازندوں کے قریب پہنچی اور ہال موسیقی سے گونجنے لگا۔

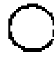
ایک بجے مٹھائیوں اور چائے کے لئے گانا بند کیا گیا۔ اس وقفے کے دوران بہت سے لوگ باہر نکلنے لگے۔ میں بھی باہر نکل آیا۔ دراصل میری نظر نرملا پر پڑ گئی تھی۔ وہ ابھی ابھی باہر نکلی تھی۔ میں بالکنی میں پہنچا تو وہ لوٹ رہی تھی۔ میں نے اس کو ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا اور بالکنی کے آخری سرے پر غسلخانوں کی طرف چلنے لگا۔ کونے پر وہ میرے قریب پہنچ گئی اور قبل اس کے کہ میں کچھ کہتا وہ میرا ہاتھ دبا کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے زیادہ پیچھا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ لوگ آ جا رہے تھے۔ میں سگریٹ پی کر پھر واپس پہنچ گیا۔ چائے کے دوران ہز ہائی نس نے کرنل رگھبیر کو یاد کیا۔ کیپٹن نے ان کو بتایا کہ شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب وہ اپنی ٹورنگ میں شہر کی طرف گئے تھے۔ ممکن ہے دیر سے لوٹے ہوں اور سونے چلے گئے ہوں یا شہر میں دیر ہو جانے پر بڑے راج محل میں رک گئے ہوں۔ ہز ہائی نس "ٹھیک کہتے ہو۔" کہہ کر خاموش ہو گئے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گانا سننے کے بعد تین بجے کے قریب وہ اٹھے۔ ان کو خوابگاہ تک پہنچا کر ہم بھی آ گئے۔ رخصت ہوتے وقت کیپٹن نے مجھ سے پوچھا۔ "یہ ناستک کہاں مر گیا نعیم .... کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا؟"

"معلوم نہیں سر .... میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ایسا تو کوئی امکان نہیں کہ تمہاری گاڑی کا تعاقب کرتے ہوئے کسی نے دیکھا ہو؟"

"میری گاڑی سے اگر آپ کی کار مراد ہے تو وہ کرنل سوڈھی کے بنگلے کے سوا کہیں ثابت نہیں کی جا سکتی۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ جہنم میں جائے کمبخت۔ اوکے نعیم گڈ نائٹ۔"



کرنل رگھبیر صبح ساڑھے سات بجے واپس آیا۔ نو بجے تمام محل میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ شام کو ناشتک جنگل میں سیر کرنے گیا تھا۔ آدم خور چیتے نے امین پور تک اس کی کار کا پیچھا کیا اور وہ بمشکل جان بچا کر آیا ہے۔ گیارہ بجے ہز ہائی نس نے دونوں محلوں سے تیس جوان طلب کئے۔ شہر سے چند شکاری بلائے اور شکار پارٹی مرتب کی جانے لگی۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دو بجے کے قریب دو لاریاں اور تین کاریں شکاریوں کو لے کر امین پور کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بہترین نشانہ باز لے جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن مہاراجہ نے باڈی گارڈوں میں سے کسی کو لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

تین دن تک سینکڑوں مربع میل علاقے میں پہاڑوں اور جنگلوں کا کونا کونا روندا جاتا رہا۔ کاریں اور لاریاں دوڑتی رہیں۔ شکاریوں کے لئے کھانے پینے کا سامان' پٹرول' سگریٹ وغیرہ بھیجے جاتے رہے۔ ہزاروں روپیہ خرچ کیا گیا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ چیتے کا کہیں پتا نہ تھا۔ آخر چوتھے روز شکاریوں کو واپس بلا لیا گیا۔ مہاراجہ کو پہلے ہی یقین تھا کہ اس علاقے میں ہرن' لومڑی' گیدڑ' خرگوش' اور اکا دکا بھیڑیوں کے سوا کوئی خطرناک درندہ نہیں تھا۔ شکار پارٹی سے تمام روئیداد سننے کے بعد انہوں نے اس کو کرنل رگھبیر کی ایک چال سمجھا جس کی تہہ میں کوئی اور ہی مقصد تھا۔ انہوں نے ناراض ہو کر مودی صاحب کو حکم دیا کہ شکار کے تمام مصارف کرنل رگھبیر سنگھ سے وصول کئے جائیں۔

شکار کے سہ روزہ پروگرام کے دوران میدان بالکل خالی رہا۔ ہم ہر شام آٹھ اور دس بجے کے درمیان غائب ہو جاتے۔ یشودھرا گیراج کا دروازہ کھول کر ادھر ادھر ہو جاتی۔ میں موقع دیکھ کر گاڑی میں سوار ہو جاتا۔ وہ گاڑی بیک کر کے باہر نکالتی اور دو دو جگہ پہریداروں کی سلامی لیتی ہوئی نکل جاتی۔ اور اسی طرح بے دھڑک واپس آ جاتی۔ یشودھرا مہارانی کو بڑی حد تک اعتماد میں لے چکی تھی اور اب کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتی تھی۔ اس کو معلوم تھا مہارانی کا ہز ہائی نس پر بہت اثر ہے۔ اتنا کہ ان کے اشارے پر وہ آگ میں چھلانگ لگا سکتے ہیں۔ وہ ان کی "اٹوائی کھٹوائی" کے تصور سے ہی کانپتے تھے۔

کرنل کی واپسی کے بعد ہم کسی قدر محتاط ہو گئے۔ وہ مہاراجہ کی ناراضگی اور مالی چرکے سے بری طرح جھلایا ہوا تھا۔ اور اب اس کے سوا کوئی کام نہ تھا کہ ہماری نقل و حرکت کی نگرانی کرتا رہے۔ لیکن یہ نگرانی صرف خفیہ سرگرمیوں کی حد تک تھی۔ وہ یشودھرا پر کسی قسم کی پابندی لگانا تو درکنار کھل کر کچھ کہنے کی بھی جرات نہ کر سکتا تھا۔ یشودھرا نے مجھے بتا دیا تھا کہ "وہ تم سے براہ راست بات کرنے کی حماقت کبھی نہیں کرے گا۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو یہ کبھی نہ بھولنا کہ مہارانی اور ریزیڈنٹ تمہاری پشت پر

ہیں۔ اور ان دو طاقتوں کو ہز ہائی نس بھگوان کے بعد سب سے بڑا مانتے ہیں۔ اس لئے وہ تمہارے خلاف نہیں ہو سکتے۔" مجھے معلوم تھا کہ خود مہاراجہ میری پشت پر ہیں۔

دو روز بعد راج محل کی رونق میں یکایک اضافہ ہو گیا۔ ہر جگہ نواب جھالا واڑ کی آمد آمد کا چرچا تھا۔ تیسری صبح نو بجے مہاراجہ کی رولس رائس دروازے پر آ گئی اور ایڈی کانگ نے باڈی گارڈ طلب کیا۔ کیپٹن دلیش مکھ مجھے اور بھاسکر راؤ کو لے کر اوپر پہنچے۔ ہز ہائی نس ہال میں آ چکے تھے اور ایڈی کانگ کے ساتھ ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ کیپٹن نے سلامی دی اور ہمراہ لے کر نیچے آئے۔ لفٹ سے پورٹیکو تک سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ مہاراجہ اس پر چلتے ہوئے سیڑھیوں تک آئے پھر کار میں سوار ہو گئے۔ کیپٹن اور ایڈی کانگ ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ اور بھاسکر موٹر سائیکلوں پر ان سے آگے تھے۔ گیٹ سے باہر نکلتے وقت سواری کے ساتھ دس کاریں اور تھیں جن میں راجکمار اور اکابرین تھے اور نصف سے زیادہ خالی تھیں۔

مہاراجہ کی سواری اسٹیشن پہنچنے کے چند منٹ بعد ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر رکی۔ نواب صاحب کا سیلون گارڈ وین کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ مہمان نیچے اترنے لگے۔ مہاراجہ سیلون میں داخل ہوئے اور نواب صاحب کو ساتھ لئے ہوئے نیچے اترے۔ راجکماروں نے نواب صاحب کے گلے میں زر تار ہار ڈالے۔ مصافحہ معانقہ ہوا اور سب کاروں میں سوار ہونے لگے۔ نواب صاحب کے ساتھ ایک باڈی گارڈ اور تین شکاری اور پولو کے کھلاڑی تھے۔ جن میں ایک انگریز بھی تھا۔ سامان بیسوں سوٹ کیسوں' بکسوں اور ہولڈالوں پر مشتمل تھا۔ معلوم ہوتا تھا نواب مستقل رہائش قیام کے ارادے سے تشریف لائے ہیں۔ راج محل پہنچتے ہی قلعے سے توپوں کی سلامی اور گارڈ آف آنر دیا گیا۔ تمام رسومات سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحب مہاراجہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہنستے' قہقہے لگاتے مہمان خانے میں داخل ہوئے۔ مہمان خانہ پہلی منزل پر تھا اور اس کے دونوں پہلوؤں میں پانچ کمرے مصاحبین کے لئے آراستہ کئے گئے تھے۔ ناشتے پر سینکڑوں معززین نواب صاحب کے ساتھ شریک تھے اور دوپہر کو کھانے کے وقت پورا ڈائننگ ہال بھرا ہوا تھا۔

شام کو چار بجے پولو میچ ہوا۔ پانچ بجے تک ہم نے مہمان ٹیم پر دو گول کئے۔ ان کے ہاں مسٹر اسٹیفن کے سوا کوئی اچھا کھلاڑی نہ تھا۔ نواب صاحب اچھے تھے اور باقی سب دوسرے درجے کے کھلاڑی تھے۔ نواب صاحب نے کھیل ختم ہونے پر مہاراجہ کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔ "آپ کی ٹیم واقعی بہت اچھی ہے۔" کرنل رگھبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "شاید تم کوچ کرتے ہو ان کو؟" کرنل نے خواہ مخواہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ مہاراجہ نے اس جھوٹ پر تیوری چڑھا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

شام کو آٹھ بجے کھانا کھانے کے بعد دربار ہال میں محفل رقص و سرور قائم ہوئی اور

صبح تین بجے تک جاری رہی۔ نواب صاحب نے ہر گانے والی کو دل کھول کر انعام دیا۔ اختتام محفل پر جس رقاصہ کی طرف ان کا التفات پایا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد ان کے کمرے میں بھجوا دی گئی۔ میں نیچے جانے کے لئے زینے کی طرف جا رہا تھا کہ کرنل ناستک لفٹ کے قریب کھڑا ہوا ملا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا ''سارجنٹ ٹھہرو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

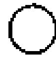
میں نے رک کر کہا۔ ''کہئے کیا حکم ہے؟''

ادھر ادھر دیکھ کر اس نے کہا۔ ''مجھ کو پہچانتے ہو؟''

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر لاپرواہی سے کہا ''کیا آپ بتا سکتے ہیں صبح کے ساڑھے تین بجے آپ نے تعارف کی ضرورت کیوں محسوس کی؟''

''میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں تم آگ سے کھیل رہے ہو اور۔''

''شکریہ۔ میں یاد رکھوں گا۔ گڈ نائٹ۔'' میں نے چلتے چلتے کہا۔ وہ میری طرف گھورتا رہ گیا۔



صبح کو کھانے کے بعد شکار کا پروگرام تھا۔ نواب صاحب اور مہاراجہ تیار ہو کر نکلے اور سہ پہر کو تین بجے کے قریب دس بارہ شکاریوں کے ساتھ کاروں میں بیٹھ کر چھوٹی شکار گاہ پہنچ گئے۔ شکار گاہ کے جنگلے اور واچ ٹاور کو جھنڈیوں اور کاغذی پھولوں سے لدا پھندا دیکھ کر مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید آج ہر شکار کے گلے میں بھی ایک ہار پڑا ہوا ہو۔ گاڑیاں پھاٹک کے قریب چھوڑ کر تمام شکاری بندوقیں لے کر پیدل اندر داخل ہوئے۔ نواب صاحب اور مہاراجہ کی رائفلیں دوسرے شکاری لئے ہوئے تھے اور وہ سب کے درمیان چل رہے تھے۔ گھنا جنگل شروع ہوتے ہی ایک تالاب کے کنارے شیشم کے درخت پر مچان بندھا ہوا تھا۔ چار شکاریوں کو اس پر بھیج دیا گیا۔ تقریباً پانچ سو گز کے فاصلے پر دوسرا مچان تھا۔ اس پر بھی ایک پارٹی کو بھیج دیا گیا۔ اتنے ہی فاصلے پر سامنے کی جانب تیسرا مچان نواب صاحب مہاراجہ اور مصاحبین کے لئے تھا۔ پہلے کے عین سامنے اسی فاصلے پر چوتھا مچان تھا۔ جس پر میں اپنے تین ہمراہیوں کے ساتھ ڈٹ گیا۔ یہ ایک لفٹ نما مچان تھا۔ جس میں چار نشستوں کی گنجائش تھی۔ ٹیلیفون اور فلیش لائٹ کا اہتمام تھا۔ دھوپ سے بچنے کے لئے بالائی حصہ ڈھکا ہوا تھا۔ مجھے شکار پر رحم آنے لگا' جن کے پاس نہ یہ سامان تحفظ تھا اور نہ جدید ترین رائفلیں نہ دور بین۔ اگر اب بھی کوئی شکاری شیر کا شکار کرنے کی بجائے خود شکار ہو جائے۔ تو ...... تو کیا؟ میں سگریٹ پیتا رہا' سوچتا رہا اور دل ہی دل میں اس حسن انتظام کی داد دیتا رہا۔ کیونکہ میرے ساتھیوں میں دو نواب صاحب کے شکاری تھے

اور ایک جو ہماری ریاست کا تھا وہ مجھ سے اتنا ناواقف تھا کہ مجھ کو بھی نواب صاحب کا آدمی سمجھ بیٹھا تھا۔ مچان پر بیٹھے بیٹھے رات کے آٹھ بج گئے اور کوئی شکار نہ آیا۔ کہیں فائر نہ ہوا۔ ہرن چیتل اور بارہ سنگھے وغیرہ آتے جاتے رہے۔ دوسرے مچانوں سے ٹیلیفون پر پیغامات ملتے رہے۔ چائے کے وقت چائے اور کھانے کے وقت نفیس ترین کھانے آتے رہے۔ صرف شیر نہ آیا۔ شاید اس کو پروگرام کی اطلاع نہیں ملی یا پھر کہیں مہمان خصوصی کے فرائض انجام دے رہا ہو گا۔ نو بجے "تھکے ہارے" شکاری اچھوتی بندوقیں اور کنوارے کارتوس لئے ہوئے راج محل میں داخل ہو رہے تھے۔ سرخ قالین پر چلتے ہوئے نواب صاحب نے مسکرا کر ہزہائی نس سے کہا۔ "یار خدا کی قسم مزا آگیا۔"

مجھے ان کے اس جملے پر مزا آگیا۔ مہاراجہ نے ہنس کر کہا "مزا تو کل آئے گا جب تمہیں پیدل شکار گاہ میں لے جایا جائیگا۔ آج تو محض نوابی ٹھاٹھ دکھائے ہیں۔" میں نے دل میں کہا۔

ایک دن اور بھی جئے ہی بنی۔

شکر ہے نواب نے پلٹ کر نہیں کہا۔ "یار کیوں مزا کرا کرا کر رہا ہے۔"

کھانے کے بعد پھر محفل موسیقی کا پروگرام تھا لیکن آج سب نے اس قدر شراب پی کہ کسی کو اپنے کمرے تک جانے کا ہوش نہ تھا۔ مہاراجہ پینے کے باوجود ٹھیک تھے اور نواب فصاحت علی اپنی غیر معمولی قوت برداشت سے نشے پر غالب آ رہے تھے۔ تاہم دربار ہال تک جا کر محفل میں شرکت کرنے کی سکت کسی میں نہ تھی۔ چند راجکماروں' درباریوں اور سرکاری ملازموں نے گانا سنا۔ باادب باملاحظہ کی پابندیاں نہ ہونے کے باعث آج کی محفل صحیح معنوں میں محفل تھی۔ نصف شب گزرنے کے بعد تمام دروازے بند کر دیئے گئے اور پھر جنہوں نے کبھی ایک قطرہ بھی نہ چکھی تھی انہوں نے شرابی بن کر وہ خرمستیاں دکھائیں کہ اودھم مچ گیا۔

دو بجے کے قریب مودی صاحب نے کیپٹن کو دو بوتلیں برانڈی کی بھجوائیں۔ کیپٹن نے لانے والے کو اپنے کمرے کی چابی دے کر مجھے اس کو لے چلنے کا اشارہ کیا اور خود مودی خانے کی طرف چل دیے۔ میں نیچے پہنچ کر لڑکے کو رخصت کر رہا تھا کہ وہ دوسرے لڑکے کے سر پر خوان رکھے ہوئے پہنچ گئے تھے۔ میں نے تمام سامان میز پر رکھوایا اور لڑکوں کو رخصت کر کے دروازہ بند کیا۔ میز پر طرح طرح کی مٹھائیاں' شیرمال قورمہ' دو بھنے ہوئے مرغ اور چند پھل چنے ہوئے تھے۔ ہم تین بجے تک کھاتے اور پیتے رہے اور پھر جو سوئے تو گیارہ بجے آنکھ کھلی۔ شیو' غسل اور چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر اوپر پہنچے تو دوپہر کا کھانا میزوں پر چنا جا رہا تھا۔ تین بجے پھر شکار پارٹی کی کاریں راج محل سے نکل کر چھوٹی شکار گاہ کی طرف جا رہی تھیں۔ آج شکاریوں کی تعداد کل سے کچھ کم تھی۔ صرف کرنل

ناسنک کا اضافہ ہوا تھا۔ جو بزعم خود بہت بڑا شکاری تھا۔ چھوٹی شکار گاہ۔ بڑی کا ہی ایک حصہ تھی جسے ایک بلند دیوار ایک دوسری سے علیحدہ کرتی تھی۔ یہ چند مربع میل کا دشوار گزار پہاڑی علاقہ تھا جو گھنے جنگل اور ندی نالوں کی وجہ سے نیل گاؤ' ہرن' ریچھ' شیر چیتے اور بھیڑیئے وغیرہ کے شکار کے لئے یکساں موزوں تھا۔

مہاراجہ صرف وائسرائے ہند' گورنر یا مخصوص دوستوں کو ہی شیر کے شکار کا اعزاز بخشتے تھے۔ ورنہ بڑی شکار گاہ میں ہرن' بارہ سنگھے وغیرہ کے شکار پر ٹرخا دیا کرتے تھے۔ ساڑھے تین بجے کے قریب ہم شکار گاہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی مخصوص مقامات پر' جہاں شیر چیتے پانی پینے آتے تھے یا جہاں ان کی پناہ گاہیں تھیں' بڑی شکار گاہ جیسے مچان بنے ہوئے تھے۔ یہ سب چار پانچ سو گز کے فاصلے سے ایک دوسرے کے سامنے ایک بڑے دائرے میں تھے۔ لیکن ان مچانوں تک پہنچنے میں ہر قدم پر درندوں سے تصادم کا خطرہ رہتا تھا۔ نصف میل اندر جانے کے بعد پہلے ہی مچان پر مہاراجہ' ایڈی کانگ' نواب صاحب اور ان کے انگریز مینجر کو سیڑھی کے ذریعے چڑھا دیا گیا۔ سامان خورد نوش اور سگریٹ وغیرہ صبح ہی پہنچا دیئے گئے تھے۔ دوسرا مچان چار سو گز کے فاصلے پر تھا۔ اس پر دو راجکمار ایک پیشہ ور شکاری اور کرنل ناسنک۔ اس مچان سے چار سو گز پر سامنے ہی نالے کے دوسری طرف تیسرا مچان تھا۔ جس پر کیپٹن دلیش مکھ' بھاسکر' میں اور محمد بنارس فٹ ہو گئے۔ ہمارے بائیں جانب تین چار سو گز کے فاصلے پر چوتھا مچان چند دوسرے لوگوں کے تصرف میں تھا۔ ہر مچان چاروں طرف ایک نہ ایک ایسے پوائنٹ کو کور کرتا تھا جہاں کسی نہ کسی جانور کی آمدورفت کا امکان تھا۔ ساڑھے چار بجے کے بعد سگریٹ نوشی اور بولنے چالنے کی ممانعت کر دی گئی۔ گھنا جنگل ہونے کی وجہ سے پانچ بجتے ہی زمین پر اندھیرا پھیلنے لگا اور پرندوں کے غول آشیانوں کی طرف پرواز کرنے لگے۔ دوسرے اور تیسرے مچان کے درمیان دو پہاڑی سلسلوں کے وسط میں واقع گہرے نالے میں کچھ ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ کیپٹن دلیش مکھ نے دور بین اٹھا کر غور سے دیکھنا شروع کیا۔ ہم نے بھی دیکھنے کے لئے اپنی اپنی دور بینیں اٹھائیں۔ ایک ہرنی پانی پیتے پیتے چوکنی ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ تین چار گز کے فاصلے پر اس کا بچہ جو آٹھ دس سیر وزن کا ہو گا۔ چمک کر اچھلا اور پانی میں گر گیا۔ ہرنی نے نالے کے دوسری طرف چھلانگ لگائی۔ لیکن نصف فاصلے تک پہنچی تھی کہ کسی طرف سے ایک چیتے نے چھلانگ لگا کر اس کی گردن دبوچ لی۔ وہ اس کی گرفت میں بری طرح تڑپ رہی تھی۔ اسی وقت ہماری طرف سے تین بندوقیں چلیں۔ چیتے نے ہرنی کو چھوڑ کر ایک طرف چھلانگ لگائی۔ دوسرے مچان سے دو فائر ہوئے۔ چیتا نالے میں گر کر تڑپنے لگا۔ کیپٹن نے ایک اور گولی چلائی۔ دوسرے مچان سے پھر ایک فائر ہوا۔ اور بھاسکر کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ کر نیچے گر گئی' وہ دائیں ہاتھ سے بائیں بغل تھام کر منہ کے بل مچان کے راڈ

پر گر پڑا۔ وہ میرے اور کیپٹن کے بیچ میں تھا۔ اس کا ہاتھ اور کوٹ خون میں تر ہو چکا تھا۔ ہم نے بندوقیں رکھ کر اس کو سنبھال کر لٹایا۔ کوٹ کے بٹن کھولے اور قمیص پھاڑ ڈالی۔ ہٹا کر دیکھا تو گولی بغل کے گوشت کو پھاڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کیپٹن نے چیخ کر کہا۔ "خطرناک نہیں بھاسکر۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ لو۔" انہوں نے برانڈی کی بوتل کھول کر اس کے منہ سے لگا دی۔ دو گھونٹ لے کر وہ سنبھل گیا۔ میں اور بنارس اس کو فرسٹ ایڈ دینے لگے۔ کیپٹن نے ٹیلیفون پر ہز ہائی نس کو حادثے کی اطلاع دی اور بات ختم کر کے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "نعیم مجھے یقین ہے کہ گولی تمہارے لئے تھی۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "اور تم شاید یہ بھی جانتے ہو کہ کس نے گولی چلائی تھی۔"

میں نے --- کوئی جواب نہ دیا۔ نیچے جھک کر دیکھا۔ چیتا بے حس و حرکت پڑا تھا۔ نہ معلوم وہ کس کی گولی سے مارا گیا۔ مجھے بھاسکر کو مسکراتے دیکھ کر بے ساختہ پیار آ گیا۔ بینڈیج کو گرہ دے کر میں نے اس کا گال چوم لیا۔ "تو شیر ہے سارجنٹ بھاسکر۔" بنارس نے اس کو سہارا دے کر اٹھایا اور وہ سنبھل کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کو اپنے شانے سے لگا کر سہارا دیا۔ حادثے کی اطلاع ملتے ہی تمام شکاری ہماری طرف چل پڑے تھے اور اب قریب آ چکے تھے۔ ہز ہائی نس نے کیپٹن کو دوبارہ ٹیلیفون کیا اور وہ حادثے کی تفصیل بیان کرنے لگے۔ تمام شکاری ہمارے مچان کے نیچے آ گئے تو ہم نے ڈوریوں کا جھولا بنا کر سارجنٹ بھاسکر کو نیچے اتارا اور وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔

واپس ہوتے وقت گیٹ پر پہنچتے ہی چند سوالات کرنے پر کرنل رگھبیر نے اعتراف کر لیا کہ گولی اس کی رائفل کی تھی اور جلدی میں فائر کرتے ہوئے رائفل کی نالی جھٹکے سے اوپر اٹھ گئی تھی۔ راج محل کو ٹیلیفون کیا جا چکا تھا۔ چند منٹ بعد ایمبولینس آ گئی اور ہم بھاسکر کو لے کر اسپتال کی طرف چل دیئے۔ کیپٹن بھی ہمارے ساتھ ایمبولینس میں سوار تھے۔ لیفٹنٹ کرنل جوشی نے بھاسکر کا آپریشن کیا اور دو گھنٹے بعد وہ اسپیشل وارڈ کے کمرے میں تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ کیپٹن نے محمد بنارس کو اس کی نگہداشت کے لئے چھوڑا اور ہم دونوں مدھو ساگر پہنچے۔ ہز ہائی نس مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا کر اندر جا چکے تھے۔ سیکرٹری نے ہمیں کھانے کے بعد فوراً ہز ہائی نس سے ملنے کا حکم دیا۔

"سنو نعیم۔" مہاراج کے بیڈ روم کے دروازے پر پہنچ کر کیپٹن نے آہستہ سے کہا۔

"ہز ہائی نس کے سوالات کے جواب بہت محتاط ہو کر دینا۔"

"سمجھتا ہوں سر۔ لیکن میں یہ گولی لوٹاؤں گا ضرور۔ بھاسکر غریب کو معلوم نہیں' وہ اس کو حادثہ سمجھتا ہے۔ لیکن میں اور آپ جانتے ہیں کہ یہ گولی میرے لئے تھی اور یہ قتل عمد کا معاملہ ہے۔"

"بے وقوف نہ بنو۔ ہز ہائی نس جانتے ہیں اور کرنل کو کچھ ہوا تو تم کسی طرح نہیں بچ سکو گے۔"

"بچنا چاہتا بھی نہیں میں۔" میں نے جواب دیا۔ کیپٹن نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ "تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں اکیلا ہز ہائی نس سے ملوں گا۔" انہوں نے تیز لہجے میں کہا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیکرٹری کے چیمبر کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا اور سگریٹ سلگایا۔ بمشکل دو منٹ گزرے ہونگے کہ کیپٹن دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکلے۔ مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر بولے۔ "اوہ۔ اچھا ہوا تم یہیں مل گئے نعیم۔"

میں نے کہا "مجھے معلوم تھا سر' آپ کو میری ضرورت پڑے گی۔ فرمایئے کیا حکم ہے؟"

"مہاراجہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ لیکن سگریٹ ختم کر لو۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ تم نیچے اپنے کمرے میں ہو۔" میں نے دو کش لے کر سگریٹ منہ سے نکالا اور دیوار میں لگے ہوئے ایش ٹرے میں بجھا دیا۔ "آیئے سر۔" میں نے کمرے کی طرف چلتے ہوئے کہا۔ اندر مہاراجہ' مہارانی یشودھرا اور سادھنا کماری اسی موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔ اشارے سے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے مہارانی نے سوال کیا۔ "تم بھاسکر سے کتنے فاصلے پر بیٹھے تھے۔ ناعم جس وقت اس کو گولی لگی؟"

"بالکل قریب تھا یور ہائی نیس۔" میں نے جواب دیا۔

"بالکل قریب ...... کتنے قریب۔ ایک فٹ۔ دو فٹ کتنے؟"

"ہمارے جسم ایک دوسرے کو چھو رہے تھے۔ یور ہائی نیس۔" میں نے کہا۔ مہاراجہ اور سادھنا کماری کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یعنی تمہارا دایاں بازو بھاسکر کے بائیں بازو سے ملا ہوا تھا؟"

"آپ کا خیال صحیح ہے یور ہائی نیس۔"

"تمہارے خیال میں یہ کیسے ہوا ناعم۔؟"

"ایکسیڈنٹ تھا یور ہائی نیس۔ شکار میں یہ بالکل نیچرل ہے۔"

"نیچرل؟ کیسے۔ نشانے میں چالیس پچاس فٹ کا فرق کیسے ممکن ہے؟"

"یور ہائی نیس۔ آپ تو جانتی ہیں اگر نوزل (نالی) ایک انچ کا سولہواں حصہ بھی اوپر نیچے ہو جائے تو پانچ سو گز کے فاصلے پر گولی پچیس تیس فٹ اوپر نیچے ہو جاتی ہیں۔"

"ہم مانتے ہیں۔ لیکن جس جگہ چیتا دیکھا گیا۔ وہ نمبر تھری سے سو گز دائیں جانب ہے' تم کرنل کو بچا تو نہیں رہے ہو ناعم!"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے یور ہائی نیس۔ لیکن کرنل صاحب کو بھاسکر سے کیا دشمنی

ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے۔ تم سے ہو؟"

"مجھ سے دشمنی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے یور ہائی نس۔ جبکہ کرنل مجھ سے واقف بھی نہیں ہیں۔"

"تمہیں یقین ہے وہ تم سے واقف نہیں ہیں؟"

"اتنے واقف ہیں کہ میں ایک معمولی سارجنٹ ہوں اور شاید یہ بھی کہ میرا نام نعیم ہے۔"

"ہمارا خیال ہے وہ اس سے بہت زیادہ جانتے ہیں۔"

"میں آپ کے خیال کی تردید نہیں کر سکتا یور ہائی نس۔"

"کیوں نہیں کر سکتے۔" مہاراجہ نے کہا۔ "کیا ہر ہائی نس صحیح کہہ رہی ہیں؟"

"مجھے صحیح غلط سے بحث نہیں یور ہائی نس۔" میں نے مہاراجہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ہر ہائی نس مہارانی ہونے کی حیثیت سے میری ماں ہیں اور میں سمجھتا ہوں ان کی ہر بات کو تسلیم کرنا میرا دھرم ہے۔"

مہاراجہ ہنس دیئے۔ "لیکن کیا تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے زیادہ جاننے کے لئے ہے بھی کیا؟"

"یہ صحیح ہے یور ہائی نس وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر جانتے ہیں تو غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

"یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو ناعم۔" مہارانی نے کہا اور کیپٹن سے مخاطب ہو گئیں۔ "بھاسکر خطرے میں تو نہیں ہے کیپٹن؟"

"معمولی سا زخم ہے یور ہائی نس۔" کیپٹن نے کہا۔ "دو انچ دائیں طرف ہوتا تو پھر واقعی۔"

"خیر شکر ہے بچ گیا۔ ہم کرنل کو شکار کے لئے ڈس کوالیفائی کر رہے ہیں کیپٹن۔" یہ مہاراجہ تھے۔

"آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں یور ہائی نس۔"

"اچھا کیپٹن۔ تم جا سکتے ہو۔"

ہم سلام کر کے چل دیئے۔ اپنے کمرے میں آتے ہی کیپٹن نے کہا۔ "تم کافی بھکے ہو نعیم۔"

"اس سے کم بھکنا میرے بس میں نہ تھا سر۔" میں نے جواب دیا۔ "ان میں سے ہر ایک کو یقین ہے گولی مجھ پر چلائی گئی تھی۔ وہ صرف مجھ پر اس کا رد عمل دیکھنا چاہتے تھے۔"

"ہاں۔ اور تم نے اس کو ایکسیڈنٹ ثابت کرنے کی اچھی کوشش کی۔ یہ میں تسلیم کرتا ہوں۔"

"شکریہ کیپٹن۔" میں نے ہنس کر کہا۔ سیلوٹ کیا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔

چیتے کو مارنے کا اعزاز نواب فصاحب علی کو دے دیا گیا۔ حالانکہ انہوں نے جس وقت اس کی پہلی جھلک دیکھی۔ اس وقت چیتے کو مرے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے۔ دس بجے کے قریب ایک فوٹو گرافر نے نواب صاحب اور ان کی اس رائفل کے جس نے بھول کر بھی کسی ذی روح کے قتل عمد کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ بیسوں پوز لئے جن میں چیتے کو کیمرے کے ہر زاویے سے نواب صاحب کا قتیل خنجر ناز ثابت کیا گیا تھا۔ ایک فرنٹ پوز ہے' جس میں وہ منہ سے پائپ لگائے' چیتے کی پسلیوں پر پاؤں رکھے اور پاؤں کے قریب رائفل ٹکائے شاہانہ وقار سے سینہ تانے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ تاثر پیدا ہوتا تھا جیسے یہ حقیر چیتا تو راستے میں حائل ہونے کی وجہ سے انہوں نے محض تفریحاً" مار گرایا تھا۔ ورنہ ببر شیر سے کم کسی چیز پر گولی چلانا ان کی کسر شان ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔ سبحان اللہ کیا نشانہ ہے حضور نواب صاحب بہادر کا۔

بے تیر بے کمان کے جو دل شکار کرلے

تصویر کشی کی رسم ادا کرنے کے بعد بے گناہ چیتے کی کھال میں بھس بھروانے کی مہورت ہونے لگی تو ہم واپس چلے آئے۔ کیونکہ کام اب چیر کر نمک لگانے کا باقی تھا۔ جو یقیناً" نہایت غیر شاعرانہ تھا۔

دوپہر کو "ساٹھ ماری" کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اسپین کی بل فائٹ قسم کی فائٹ تھی جو نشے میں بدمست ایک ہاتھی اور دس گھڑسواروں کے درمیان اس وقت تک جاری رہتی جب تک کہ ہاتھی نڈھال ہو کر نہ گر جائے' یا کوئی سوار موت کے گھاٹ نہ اتر جائے۔ "ساٹھ ماری" پانچ سال قبل ایک سوار کی موت واقع ہو جانے کے بعد ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ لیکن اچانک دو روز قبل اس کا اعلان ہونے کے بعد اس وقت تک پندرہ ہزار روپے کے ٹکٹ فروخت ہو چکے تھے اور بکنگ جاری تھی۔ ٹکٹ کی شرح پانچ' دس' بیس اور تیس روپے تھی۔ اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں اور عورتوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ بنیے مہاجن خود اس لڑائی کو دیکھنے سے گریز کرتے تھے۔ صرف مسلمان' راجپوت' مرہٹے عیسائی اور پارسی اس خطرناک کھیل میں دلچسپی لیتے تھے۔ جس گول میدان میں ساٹھ ماری ہوتی تھی وہ ایک مربع میل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ چند دروازوں کے سوا چاروں طرف بیس فٹ اونچی اور چھ فٹ چوڑی فصیل تھی جس پر آگے پیچھے دو دو نشستوں کا انتظام تھا۔

ڈیڑھ بجے مہاراجہ کی سواری میدان میں پہنچی تو سو ڈیڑھ سو درباری نشستوں کے سوا تمام کرسیاں پر ہو چکی تھیں۔ کھلے ہوئے میدان میں ہر دو سو تین سو گز کے فاصلے پر پچاس

گز لمبی اور بیس فٹ اونچی دیواریں آڑے ترچھے زاویے سے بنی ہوئی تھیں۔ جن کے وسط میں محراب نما دروازے سے ہاتھی کو اندر دھکیلا گیا۔ وہ چنگھاڑتا میدان میں آ کر ٹہلنے لگا۔ اشارہ ہوتے ہی ایک سوار دیوار کے عقب سے گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا ہنٹر تھا جس کو وہ مسلسل گردش دیئے جا رہا تھا۔ قریب پہنچتے ہی اس نے ہاتھی کے پہلو میں ہنٹر مارا اور گھوڑے کو موڑ کر بگٹٹ چھوڑ دیا۔ ہنٹر پڑتے ہی ہاتھی تیزی سے پلٹ کر سوار کی طرف لپکا۔ بھاری جسامت کے باوجود وہ نہایت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ابھی وہ سوار کے قریب پہنچنے ہی پایا تھا کہ دوسری طرف سے دوسرا سوار ہاتھی کی طرف تیزی سے چلا اور وہ سونڈ بڑھا کر پہلے سوار کو اٹھانا چاہتا تھا کہ پیچھے سے ایک زور دار ہنٹر پڑا۔ ہاتھی غضبناک ہو کر پیچھے پلٹا۔ سوار اس کے مڑنے سے پہلے گھوڑا موڑ چکا تھا اور سرپٹ جا رہا تھا۔ یہ سلسلہ اسی طرح ڈیڑھ گھنٹے تک چلتا رہا۔ تماشائی دور بینوں سے دیکھ رہے تھے اور جس سمت حملے کا رخ ہوتا وہاں اکثر اوقات سوار فصیل تک پہنچ جاتے تھے اور دور بین کی ضرورت ہی نہ رہتی تھی۔ ہاتھی دس گھوڑوں پر تقسیم تھا اس لئے بری طرح ہانپ رہا تھا۔ پندرہ منٹ کا وقفہ دیا گیا اور اس کے بعد پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اس مرتبہ ایکشن زیادہ تیزی لئے ہوئے تھا۔ سوار اس سرعت سے حملے کر رہے تھے کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ کس کے پیچھے ہاتھ دوڑ رہا ہے اور کون ہاتھی کے پیچھے جا رہا ہے بعض اوقات ہاتھی سوار کے اتنا قریب پہنچ جاتا تھا کہ تماشائیوں میں شور مچ جاتا لیکن دوسرے لمحے عقب سے یا کسی پہلو سے ہنٹر پڑتا اور ہاتھی پلٹ پڑتا۔ اب ہاتھی تھک کر چور ہو چکا تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا اس کے جسم سے پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

لیکن اس کے باوجود غصے میں جھلا جھلا کر ہر حملے کا جواب دے رہا تھا۔ پانچ بجے کے قریب جب ہاتھی بالکل بے دم ہو چکا تھا' گرنے والا تھا ایک سوار سے غلطی ہو گئی۔ ہنٹر مارنے والا سوار سرپٹ جا رہا تھا۔ ہاتھی اس کے عقب میں بڑھتا ہوا گھوڑے کے قریب پہنچا سونڈ بڑھا کر سوار کو پکڑنے لگا تھا کہ دیوار قریب آ گئی۔ اگلا سوار دروازے سے داخل ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔ ہاتھی دیوار کو قریب پا کر پچھلے سوار کے اندازے سے کچھ پہلے پلٹ پڑا اور اس نے ہنٹر کا ہاتھ مار کر گھوڑے کو گھمانا چاہا تو پلٹتے پلٹتے گھوڑے کا پٹھا سونڈ کی لپیٹ میں آ گیا۔ تماشائیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ کئی سواروں نے ادھر ادھر سے یورش کر کے ہنٹر برسائے لیکن ہاتھی نے گھوڑے کو ایک جھٹکے میں گھسیٹ لیا۔ سوار چھلانگ لگا کر نکل گیا۔ ہاتھی گھوڑے کے اوپر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ ہنٹروں کی بارش ہوتی رہی لیکن گھوڑا ہاتھ پاؤں مار کر ختم ہو چکا تھا۔ آخر ریفری نے سیٹی بجا کر سواروں کو روکا۔ پیدل ہونے والے جوان کو ایک سوار نے اپنے گھوڑے پر گھسیٹ لیا اور میدان سے باہر نکل گیا۔ آخر لوگوں کا شوروغل دیکھ کر کھیل ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ کئی مہاوت آنکس اور

زنجیریں لے کر بڑھے اور ہاتھی ابھی ہوش میں بھی نہ آنے پایا تھا کہ اس کے پچھلے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔

یہ تمام گھوڑے پولو کے تھے اور تمام کھلاڑی ایک ہی مدراسی خاندان کے افراد تھے۔ مہاراجہ کو گھوڑے کے ضائع ہونے کا افسوس تھا لیکن سوار کے بچ جانے کے بے حد خوشی تھی۔ شام کو تمام کھلاڑیوں کو شاندار دعوت دی گئی اور جس کھلاڑی کا گھوڑا مارا گیا تھا اسے ایک جوڑا اور سو روپے مہاراجہ کی طرف سے اور دوسرا جوڑا اور سو روپے انعام نواب صاحب کی طرف سے دیئے گے۔

تقریب ختم ہونے کے بعد ہز ہائی نس تمام مہمانوں سے رخصت ہو کر محل کی طرف چلے۔ میں ان کے ساتھ اوپر آیا وہ اپنے کمرے میں داخل ہوگئے تو میں اپنے کیبن میں چلا گیا اور سگریٹ پینے لگا۔ سگریٹ ختم ہونے کے بعد باہر نکل کر سیکرٹری کے چیمبر کی طرف چلنے لگا تھا کہ نرملا اس طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ میں دروازے میں داخل ہوتے ہوتے رک گیا۔ وہ میرے کیبن کے قریب آ کر ٹھہر گئی اور کہنے لگی۔ "ناعم آج میرے کمرے میں آؤ گے تم؟"

"مشکل ہے نرملا ڈیئر۔ تم کو معلوم ہے۔ مہمان آئے ہوئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کب پریتم؟"

"ان کے جاتے ہی پریتما۔" میں نے اسکے رخسار کو چھو کر کہا۔ وہ سر جھکا کر چلی گئی۔ میں سیکرٹری کے پاس جا کر کھڑا کھڑا باتیں کرنے لگا۔ چند باتیں کر کے وہ اپنے مخصوص موضوع پر آگیا۔ اور مسکرا کر کہنے لگا۔

"ذرا ہاتھ تو دکھاؤ اپنا۔" میں نے مسکرا کر دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف کر لئے۔ "نہیں دکھاؤں گا مسٹر مہتا۔ میرا ہاتھ آپ کو الجھا کر رکھ دیتا ہے۔"

"میں الجھتا نہیں ہوں۔ لاؤ۔" اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیئے بھی۔ کوئی اور بات کیجئے۔ آپ نے خود کہا تھا کہ میں آج کل کسی کو ہاتھ نہ دکھاؤں۔"

"میرے سوا۔ میں دوست ہوں۔"

"اچھا تو بغیر ہاتھ دیکھے بتایئے۔" وہ میرے چہرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ "گزری ہوئی بتا سکتا ہوں۔ آنے والی ہاتھ دیکھ کر ہی بتاؤں گا۔"

"بتایئے۔"

"اک حادثہ گزر گیا کل کہو غلط؟"

"غلط بالکل غلط محض قیاس آرائی۔"

"غلط؟ تم اپنے قرآن کی قسم کھاؤ۔ میں آج ہی اپنی پامسٹری اور ایسٹرولوجی کی تمام کتابیں جلا ڈالوں گا۔" میں نے مسکرا کر دایاں ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ "شاید غلط نہیں۔ لیکن یاد رکھئے آپ مجھے دوست کہہ چکے ہیں۔" وہ ایک منٹ خاموشی سے میرا ہاتھ دیکھتا رہا اس کے بعد سر اٹھا کر بولا۔ "مجھے یاد ہے لیکن آپ بھی یاد رکھئے گا کہ میں آپ کا دوست ہوں۔ سنئے ایک حادثہ ادھر آ رہا ہے۔ اور وہ ...." اس نے پھر لکیروں کی طرف نظریں جما دیں اور تھوڑی دیر بعد بغیر سر اٹھائے بولنے لگا۔ "پانی کا حادثہ ہے .... اسی شہر میں .... اسی مہینے میں .... میرا مطلب ہے تیس دن کے اندر اندر ...... اس لیے ہوشیار حضور۔"

"آپ؟ .... حضور؟ .... یہ سب کیا ہے مسٹر مہتا۔ میں عہدے میں آپ سے بہت کم تر ہوں۔" میں نے انہیں اپنی حیثیت یاد دلائی۔

"آپ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ہمیں ابھی سے حضور کہنے کی عادت ...." میں ہاتھ چھڑا کر ہنس دیا۔ "اچھا یہ بتائیے پلیز۔ کیا میں اس حادثے سے جو اسی شہر میں، اسی مہینے میں۔ ندی جھیل یا تالاب وغیرہ میں پیش آنے والا ہے۔ بچ جاؤں گا؟"

"ہاں۔ لیکن ذرا ہوشیار رہنا۔ خدا تمہاری حفاظت کرے دوست۔"

"تھینک یو سر۔ میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ آپ نے مجھے سہارا دیا۔" اس نے مسکرا کر ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے اس سے مصافحہ کیا، مڑا اور اپنی کیبن میں آ گیا۔

رات کو نو بجے ڈنر کے بعد مہاراجہ کو ان کے کمرے تک پہنچانے کے بعد میں فارغ تھا۔ نیچے جا کر کھانا کھانے کی بجائے میں ٹہلتا ٹہلتا دائیں جانب والے کاریڈور سے گھوم کر جھیل کے سمت والی بارہ دری کی جانب چل دیا۔ اگلے کونے پر جو بیس قدم ہو گا۔ دو عورتیں کھڑی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک کونے کی آڑ میں اور دوسری سامنے میرے قدموں کی آہٹ سنتے ہی سامنے والی تیزی سے بڑھ کر میرے قریب آنے لگی۔ اور دوسری نے جھانک کر دیکھا۔ یہ یشودھرا تھی۔ نظریں ملتے ہی مسکرائی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ پہلی اسی کی خادمہ تھی اور مجھے ایک مرتبہ دیکھ چکی تھی۔ قریب آ کر چکرا گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ بمشکل اتنا کہہ سکی۔ "اس طرف راجکماریاں ہیں۔"

میں نے بھولپن سے کہا۔ "اچھا؟" اور پلٹنے لگا۔ اسی اثناء میں یشودھرا قریب پہنچ گئی۔ میں نے اس کو جھک کر پرنام کیا۔ "اوہ سارجنٹ اس طرف نہ جانا۔" اس نے کہا پھر مسکرا کر گھڑی کی طرف دیکھا اور انگریزی میں بڑبڑائی جملے کا مطلب یہ تھا کہ "دیر ہو گئی ہے لیکن یہاں سے وہیں چلے جاؤ۔" میں نے اس کو پھر سلام کیا اور دربار ہال کی طرف لوٹ آیا۔ اندر داخل ہوا تو سیکرٹری بیٹھا ہوا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ "کیا گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے مسٹر مہتا ------؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"ابھی کھانا کھا کر آیا ہوں۔ چلتا ہوں۔ تم کھانے پر کہیں دکھائی نہیں دیے نائم۔"
"میں آپ کے ساتھ شہر چلوں گا۔ اگر آپ کا اعتراض نہ ہو۔"
"اعتراض؟ کیوں؟" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "آؤ کہاں جا رہے ہو؟"
"ایک دوست کے ہاں دعوت ہے۔ اچھا آپ گاڑی نکالیں۔ میں ذرا لباس بدل لوں۔" میں نے چلتے ہوئے کہا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے کوٹ' بیلٹ اور ٹوپی اتاری چسٹر اور فیلٹ کیپ پہنی' ہولسٹر سے پستول اور ر۔غل نکالے اور کیپٹن کے فلیٹ میں پہنچا انہوں نے دیکھتے ہی پوچھا۔ "کھانا کھا لیا نعیم؟"
"سر میری دعوت ہے اگر آپ اجازت دیں۔" میں نے کہا۔
"کونسی دعوت؟"
"پینے پلانے کی سر۔"
"واقعی؟" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔ اٹھ کر میرے پاس آئے اور آہستہ سے کہا۔ "زندگی سے نہ کھیلو نعیم۔ ابھی چوبیں گھنٹے ہوئے ہیں۔"
میں مسکرا دیا۔ "تھینک یو سر۔ لیکن کھیل شروع ہو گیا ہے۔ تو پھر میں پیچھے کیسے ہٹ سکتا ہوں۔"
"اچھا ڈیئر۔ خدا حافظ۔ گاڑی تو نہیں مانگی تم نے؟"
"مسٹر مہتا کے ساتھ جا رہا ہوں۔"
"وہ جانتا ہے؟" میں نے نفی میں گردن ہلائی اور خدا حافظ کہہ کر چل دیا۔ باہر سیکرٹری کار میں انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہیل سے سرک کر ایک طرف ہو گیا۔ میں--- دروازہ کھول کر سوار ہو اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ کیمپ سے دو فرلانگ اس طرف سیکرٹری کا شکریہ ادا کیا اور گاڑی سے اتر کر چہرے پر مفلر لپیٹا۔ ہیٹ آنکھوں تک جھکائی اور پیدل چلنے لگا۔
ندی کے پل سے گزر کر سڑک پر ایا ہی تھا کہ بلیو پیکارڈ میرے قریب پہنچ کر آہستہ ہو گئی اور چند قدم پر جا کر رک گئی۔ میں تیزی سے بڑھ کر اس کے قریب پہنچا۔ یشودھرا نے اگلا دروازہ کھولکر کہا۔ "کم ان نعیم۔" میں نے پیچھے کی طرف دیکھا کہ کہیں تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ دور تک کوئی نہ تھا۔ میں گاڑی میں سوار ہو گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ گاڑی تیزی سے روانہ ہو گئی۔
"میری طرف سے دلی مبارکباد پریتم۔" یشودھرا نے مسکرا کر کہا۔ میں ہنس دیا' اس کا اشارہ کل کے واقعے کی طرف تھا۔
"کس طرف چلنا ہے؟" راجکماری نے پوچھا۔
"کیمپ کا راؤنڈ لے کر امین پور روڈ اسٹیشن کی طرف سے میں ڈرائیو کروں گا۔"

"مجھے آج صرف باتیں کرنی ہیں ڈارلنگ۔" وہ مسکرائی۔

"آپ کا خادم مرتے دم تک سننے کو تیار ہے۔ یورایکسی لینی۔"

"یورایکسی لینی پلیز شٹ اپ۔" اس نے کہا اور اسٹیشن کے قریب ایک اندھیرے کونے میں گاڑی روک دی۔ میں نے اس کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر گود میں لیا اور پیار کر کے بائیں طرف بٹھاتے ہوئے وھیل سنبھال لیا۔ گاڑی تیزی سے کیمپ کی طرف چلنے لگی۔ ٹرن لینے سے پہلے میں نے پیچھے کی طرف نظر دوڑائی۔ حد نظر تک کوئی نہ تھا۔ امین پو روڈ آتے ہی یشودھرا نے کہا۔ "سنو میری جان۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "سناؤ میری جان۔ مالکونس میں کچھ۔"

"اب ہمارا پریم راز نہیں رہا۔" اس نے کہا۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "کب تک رہتا۔"

"ہز ہائی نس' مہارانی' سادھنا کماری' رگھبیر' سب جانتے ہیں۔"

"کیپٹن بھی جانتے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔۔؟ .... تم نے بتایا ہو گا۔"

"نہیں۔ بلکہ انہوں نے مجھے بتایا۔"

وہ ہنس دی۔ "خیر اچھا ہوا بتا دیا ورنہ تم کو کیسے معلوم ہوتا۔ اچھا اب سنجیدہ ہو جاؤ۔ تم نے وہ چیک اپنے والد کو بھیج دیا۔؟"

"نہیں۔ میرے پاس پڑا ہے۔"

"کیوں؟ وہ تو آوٹ آف ڈیٹ ہو گیا۔ خیر اس کو پھاڑ ڈالنا میں کل دوسرا لکھ دوں گی۔ لیکن اسے فوراً بھیج دینا۔ بڑے راج محل چلنے کے بعد تمہیں چند چیزیں ...."

"چیزیں۔ کیسی چیزیں؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"چند انگوٹھیاں' ہار وغیرہ ...... وہ لائیڈس بنک کے والٹ میں رکھوا دینا۔ وہ انگوٹھی تو ہے نا تمہارے پاس؟"

"اور کہاں جاتی؟"

"ٹھیک ہے اب شاید ہی اس سے کام لینے کی ضرورت پڑے .... اگر ہز ہائی نس نے مشورہ دیا تو میں خود ہی اس کو لوٹا دوں گی جسکی ہے۔ یہی تو رکاوٹ ہے ورنہ اب تک ......" وہ بولتے بولتے رک گئی۔

"....... تن من دھن سے سنت نوین چندر کی سیوا کر رہی ہوتیں۔" میں نے جملہ پورا کیا۔

"سیوا تو خیر کر رہی ہوں۔ میرا مطلب تھا اگر یہ رکاوٹ نہ ہوتی تو رگھبیر کی یہ مجال نہ تھی کہ میری گاڑی کا پیچھا کر سکتا۔"

"کرنے دو۔ بگاڑ کیا سکتا ہے۔"

"ہاں، لیکن کیا اس میں میری اہانت کا پہلو نہیں نکلتا۔"

"تو پھر اس سے کھل کر کہہ دو تمہارے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرے۔"

"میں بہت جلد اس سے کہنے والی ہوں۔ ہزہائی نس کی موجودگی میں۔"

"کہہ ڈالو۔ لیکن بہت جلدی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے مجھے کچھ کہنا پڑے۔ بھاسکر کے زخمی ہونے کے بعد میری قوت برداشت جواب دے چکی ہے۔"

"ایسا نہ کرنا میری جان۔ خدا کے لئے ایسا نہ کرنا۔ سب مخالف ہو جائینگے .... مجھے کچھ سوچنے دو نعیم۔"

"آؤ دونوں مل کر سوچیں۔ وہ اس رات والا "گوشہ عافیت" آ گیا۔" میں نے کہا اور رفتار کم کر کے پیچھے کی طرف دیکھا۔ پھر سڑک میلوں تک خالی دیکھ کر گاڑی نیچے اتار دی۔ وہ تھوڑی دیر میری طرف دیکھتی رہی اور جب میں نے دو تین ٹرن لے کر انہی جھاڑیوں کے درمیان پہنچ کر انجن بند کر دیا تو وہ سراپا تلاطم سمندر تھی جس کے مدوجزر میں تمام سوچیں غرق ہو گئیں۔

واپسی میں گارڈن کے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے یشودھرا سے کہا۔ "یشو ڈیئر سوا دس بج رہے ہیں اور میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔"

"اوہ! اب کیا کریں نعیم۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔ میں ہنس دیا۔ وہ سوچ میں ڈوب گئی۔

"کیپٹن سے کہنا وہ کوئی انتظام کر دیں گے۔" آخر اس نے ترکیب بتائی۔

"وہ سو چکے ہوں گے۔" میں نے کہا۔ وہ مسکرا دی۔ "اچھا پھر میرے ساتھ سہی۔"

"میں یہی چاہتا ہوں۔ تم نے ابھی تک میرے ساتھ کھانا نہیں کھایا جانم۔"

"مصلحت نہیں تھی ڈیئر .... مصلحت اب بھی نہیں ہے۔ لیکن جب تم نے زبان سے کہہ ہی دیا تو ...."

"پھر جانے دو یشو .... غلط قدم اٹھانے سے بہتر ہے کہ قدم نہ اٹھایا جائے۔ اچھا اب تم وہیل سنبھالو۔ میں یہیں اتر رہا ہوں۔"

"نہیں، چلے چلو .... اس وقت کوئی سواری نہیں مل سکے گی اور ابھی محل چار میل کے فاصلے پر ہے۔"

"چار میل کا فاصلہ کچھ نہیں جانِ من۔ مجھ میں اور تم میں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا جو میں نے پیدل طے کیا۔ فاصلے سمٹتے رہتے ہیں۔"

وہ مسکرا دی۔ "وہ فاصلہ تم نے نہیں۔ میں نے طے کیا ہے ڈیئر۔"

"یہ تم نے صحیح کہا یشو ڈیر......... واقعی میں اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"پلیز اب بھی سوچنے کی ذمہ داری مجھ پر رہنے دو۔"

"اچھا۔ اب مجھے اتار دو۔ ایک میل لیفٹ رائٹ کرنا اتنا خطرناک نہیں ہے۔ جتنا راج محل میں اس پردہ دار گاڑی سے اترتے ہوئے پکڑا جانا۔"

اس نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس سنسان مقام پر تمہارا تنہا جانا اس سے بڑا خطرہ ہے .... یہ اندھیری رات' یہ ویران سڑک' یہ دونوں طرف بڑے بڑے درخت اور گھنی جھاڑیاں۔ نہیں یوراکیی لینسی۔" میں نے ہنس کر اس کا منہ چوم لیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ راج محل بمشکل دو فرلانگ رہا ہو گا کہ ایک کار کی تیز روشنی نے چندھیا کر رکھ دیا۔ میں نے رفتار کم کر کے گاڑی کو بالکل دائیں پر لے لیا لیکن اسی وقت سامنے والی گاڑی نے دائیں طرف ٹرن لیا اور سڑک روک کر کھڑی ہو گئی۔ یہ ٹورنگ کار تھی۔ گاڑی رکتے ہی رگھبیر نے بائیں جانب والا دروازہ کھولا اور کود کر سڑک پر کھڑا ہو گیا۔---- یشودھرا نے میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ گیا وہ کیا چاہتی تھی۔ میں نے گاڑی روکنے کی بجائے ایکسی لیٹر دبایا۔ بائیں ہاتھ سے یشودھرا کو گرایا اور گاڑی کے اگلے حصے سے رگھبیر کا نشانہ لے کر پوری طاقت سے گاڑی ٹکرا دی۔ ایک دھماکہ ہوا اور دو چیخیں فضا میں بلند ہوئیں۔ ایک یشودھرا کی تھی اور دوسری رگھبیر کی جو ٹورنگ اور پیکارڈ کے درمیان کچلا گیا تھا۔ ٹورنگ دوسری طرف الٹ گئی۔ پیکارڈ کا بمپر اس کے اندر کیرج میں پھنس گیا اور انجن بند ہو گیا۔ اسٹیرنگ پر میری گرفت مضبوط ہونے کے باعث ایک جھٹکے کے سوا مجھے کوئی چوٹ نہ آئی تھی۔ میں نے بائیں جانب والا دروازہ کھولا اور نیچے اتر کر یشودھرا کو جھنجھوڑا۔ "یشو ڈیر ٹھیک ہو نا؟" اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ "اچھا اب بے ہوش ہو جاؤ۔ میں چلا۔ سنبھال لو گی نا؟" اس نے مجھے چلے جانے کا اشارہ کیا اور اٹھ کر وہیل پر سر رکھ دیا۔ میں نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اسی وقت راج محل کی طرف سے کاروں کے آنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں جھاڑیوں کی آڑ میں تیزی سے شہر کی طرف دوڑنے لگا۔ جس وقت حادثے کے مقام پر آدمیوں کا شوروغل بلند ہوا میں ان سے دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔

نصف گھنٹے میں ساڑھے چار میل کا فاصلہ طے کر کے گیارہ بجے میں پل کے قریب کھڑا سواری کا انتظار کر رہا تھا۔ میرے جسٹر کی جیب میں ایک ہوٹل سے خریدے ہوئے ایک درجن ابلے ہوئے انڈے تھے۔ بائیں ہاتھ میں پسا ہوا نمک تھا اور پل کی دیوار سے انڈے توڑ توڑ کر کھا رہا تھا۔ ایک انڈا باقی تھا کہ ایک تانگہ اسٹیشن کی طرف جاتا ہوا میرے قریب پہنچا۔ میں نے اس کو اشارہ دے کر روکا۔ کوچوان سمجھا کہ بیگار میں پھنس گیا۔ گھبرا

کر بولا۔ "سرکار اسٹیشن جا رہا ہوں۔" میں کچھ کہے بغیر تانگے میں سوار ہو گیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا کما لو گے اسٹیشن جا کر۔" بولا "سرکار یہی روپیہ بارہ آنے۔" میں نے جیب سے دو روپے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ "لو دوست۔ مدھو ساگر محل چلو۔ ابھی ساڑھے دس پونے گیارہ بجے ہیں۔ جلدی کرو گے تو شاید گاڑی سے سواریاں بھی مل جائیں۔"

تانگے والے نے گھوڑے کو چابک لگایا اور وہ سرپٹ دوڑنے لگا۔ تانگے والا بار بار مڑ کر تشکر آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ حادثے کے مقام پر خون کے بڑے بڑے دھبوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ دونوں گاڑیاں ہٹائی جا چکی تھیں۔ میں نے پہلے گیٹ پر پہنچ کر تانگہ چھوڑ دیا اور سگریٹ پیتا ہوا اندر داخل ہوا۔ پہرے دار دروازے پر کھڑا تانگے کو دیکھ رہا تھا۔ میں سامنے سے گزرا تو اٹینشن ہو کر سلام کیا اور کہنے لگا۔ "صاحب آج تو بڑا اکسمات ہو گیا۔"

"کیا؟" میں نے رک کر پوچھا۔ میری آواز سن کر ڈیوٹی حوالدار بھی کوٹھڑی سے نکل آیا اور بولا "سلام سارجنٹ صاحب۔" پہریدار نے کہا۔ "راجکماری یشودھرا بائی کی گاڑی کرنل صاحب کی گاڑی سے ٹکرا گئی۔"

"ارے رے۔" میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "پھر کیا ہوا ویسے تو ٹھیک ہیں نا دونوں؟"

"کدر صاحب۔ بائی صاحب بے ہوش ہے اور کرنل صاحب تو......" حوالدار نے کہنی سے ٹھوکا دیا اور وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے حوالدار کی طرف دیکھا۔ اس نے گردن جھکا لی اور کہا "سورگ باش ہو گئے صاحب۔"

"افسوس۔" میں نے کہا۔ جیب سگریٹ کیس نکال کر حوالدار کو سگریٹ دیا اور اندر داخل ہوا۔ راج محل میں ہنگامہ برپا تھا۔ تمام بتیاں روشن تھیں اور ہر منزل پر عورتیں اور مرد چل پھر رہے تھے۔ ہر جگہ یہی تذکرہ تھا۔ چند آدمیوں سے یہی واقعہ مختلف لفظوں میں سن کر مجھے کیپٹن کی تلاش ہوئی۔ میں ان کے کمرے میں گیا۔ تالا پڑا ہوا تھا۔ مجھے شدت کی پیاس لگی ہوئی تھی اپنے کمرے میں جا کر کئی گلاس پانی پیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور چسٹر پہن کر کیپٹن کی تلاش کے لئے اوپر گیا۔ وہ اس وقت سیکرٹری کے چیمبر میں بیٹھے ہوئے پائپ پی رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو کہا۔ "آ گئے تم نعیم؟"

میں نے جواب دیا۔ "ابھی پندرہ بیس منٹ پہلے آیا ہوں سر۔"

"معلوم ہو گیا۔؟"

"بڑی ٹریجڈی ہوئی سر لیکن خدا کی لاٹھی بے آواز ہے سر۔"

"اچھا ہوا تم نہیں تھے نعیم۔ میں تو خبر سن کر کانپ گیا تھا مل بھی سکے یا نہیں؟"

"ملا تھا لیکن گارڈن پر علیحدہ ہو گئے تھے ہم۔ ایکسی ڈنٹ کس وقت ہوا سر؟"
"ساڑھے دس بجے کے قریب۔"
"اس وقت تو میں پل کے قریب کھڑا ہوا تانگے کے انتظار میں انڈے کھا رہا تھا۔"
میرا جملہ سن کر کیپٹن نے ہنسی ضبط کرنے کے لئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ "خدا کے لئے برخوردار اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ مجھے معلوم ہے تمہیں خوشی ہے لیکن کسی نے ہنستے دیکھ لیا تو میں تو خیر برطرف ہو کر بچ جاؤں گا۔ تم لٹکا دیئے جاؤ گے۔ یہ رجواڑوں کا رند الٹا بھی چھیلتا ہے اور سیدھا بھی۔"

میں اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا لیکن نیند کی بجائے متضاد خیالات نے گھیر لیا۔ میری زندگی یشودھرا کی مٹھی میں تھی اور وہ مٹھی بند بھی رہ سکتی تھی اور کھل بھی سکتی تھی۔ میں بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی تخیل عجیب ڈراؤنے منظر پیش کرتا۔ ذرا نیند آ جاتی تو یہی منظر خواب میں تبدیل ہو جاتے۔ کبھی خود کی جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کمبل میں لپٹا ہوا دیکھتا تھا' کبھی فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا ہوا۔ کبھی یشودھرا کہتی ہوئی دکھائی دیتی۔ "میں تمہیں ہیرو سمجھ کر پوجتی تھی نعیم۔ تم تو ولین ثابت ہوئے۔ تم نے حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے بزدلوں کی طرح دھوکے سے میرے کزن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تم نے غداری کی۔ تم نے نامردی دکھائی۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ میں تم پر تھوکتی ہوں۔ میں تمہیں پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں فائرنگ اسکواڈ کی گولیوں سے چھلنی ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔" کبھی وہ پھولوں کی مالا لئے ہوئے دکھائی دیتی۔ اس کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں سے موسیقی کے سوتے پھوٹنے لگتے۔ وہ تلک لگا کر مالا گلے میں ڈالتی' پیر چھو کر مترنم آواز میں کہتی۔ "میرے دیوتا' میرے محبوب پریتم تو نے آخر مجھے جیت لیا۔ تو نے اسی مکتی سے اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارا ہے جس طرح کرشن نے مہا بھارت میں شکھنڈی کو سامنے کھڑا کر کے ارجن کے تیروں سے بھیشم پتامہ کے جسم کو چھلنی کرایا تھا۔ جس طرح انہوں نے یدھشٹر جیسے ستیہ وادی کے منہ سے اشوتھامہ ہاتھی کو اشوتھامہ کی مرتبہ کہلوا کر درونا چاریہ سے شستر ڈلوا کر ارجن سے مروایا تھا۔ تم کرشن ہو میرے نعیم۔ شاکھشات کرشن بھگوان کا سروپ۔ شکل صورت سے بھی اور کرتوت سے بھی ویسے ہی چت چور' ویسے ہی چھلیے۔ میں تمہیں پوجتی ہوں' پوجتی رہی ہوں اور پوجتی رہوں گی۔"

اس حسین خواب پر میری آنکھ کھل گئی۔ تکیے کے نیچے سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالنے لگا۔ اسی وقت کیپٹن نے بزر دبایا۔ میری مسہری کے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی جھنجھنا اٹھی۔ میں نے بستر سے اٹھ کر سوئچ آن کیا اور سگریٹ سلگا کر پہلو والا دروازہ کھول کر کیپٹن کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ انہی کپڑوں میں تھے۔ جن میں اوپر چھوڑ کر آیا تھا۔

میں نے سلام کیا۔ تو آہستہ سے بولے۔ "نعیم میں نے تمہیں خوشخبری سنانے کو جگایا ہے۔"

"شکریہ سر۔ بہت بہت شکریہ۔" میں نے کہا۔

"راجکماری یشودھرا ہوش میں آ گئی ہیں۔ ڈاکٹر نے انہیں زیادہ بولنے کی اجازت تو نہیں دی' لیکن چونکہ ہزہائی نس نے سوال کیا تھا۔ اس لئے ڈاکٹر مجبور تھا۔ انہوں کہا " کرنل نے ان کی گاڑی روکنے کے لئے ایک دم کار آڑی کھڑی کر دی اور وہ گھبرا گئیں۔ بریک کی بجائے ایکسی لیٹر دب گیا' پھر دھماکہ ہوا اور وہ بے ہوش ہو گئیں۔"

"انہیں کہیں چوٹ تو نہیں آئی سر؟"

"نہیں۔ ڈاکٹر کہتا ہے صرف صدمے کا اثر ہے۔ دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ کہو خوشخبری ہے یا نہیں؟

"یقیناً" ہے سر۔ آپ سے کیا چھپانا ہے۔ مجھے بہت خوشی ہے۔"

"مجھے تم سے زیادہ خوشی ہے۔ پوچھو کیوں؟"

"آپ سے پوچھنا بھی پڑے گا ڈیڈی۔۔؟"

"نہیں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "بتاتا ہوں۔ خوشی مجھے ان کے ہوش میں آنے پر نہیں۔ بلکہ ان کے بیان پر ہے۔ سچ کہتا ہوں نعیم مجھے شک تھا کہ تم انوالو ہو ..... راجکماری ......"

"آپ نے مجھے دکھ پہنچایا سر۔ اگر میں انوالو ہوتا تو آپ سے نہ چھپاتا خواہ کچھ بھی ہو جاتا۔ میں نے آپ کو ڈیڈی کہا ہے۔"

"آئی ایم سوری۔" انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "لیکن میں نے اپنا خیال ظاہر کرنے میں تم سے جھوٹ بولنا پسند نہ کیا۔ اب مجھے اطمینان ہے تم محفوظ ہو۔" میں نے سر جھکا دیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ "آؤ نعیم بیٹھیں۔" انہوں نے ڈرائنگ روم کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھوک لگی ہے سر۔"

"صرف کاجو ہیں۔ سو دو چار پونڈ سے تمہارا کیا بھلا ہو گا۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"جتنے ہیں سب دے دیجئے۔"

"انہوں نے الماری سے براؤن پیپر کی ایک تھیلی نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔ میں نے ایک پلیٹ میں ایک مٹھی کاجو نکال کر میز پر رکھ دیئے اور تھیلی میں سے نکال نکال کر چبانے شروع کر دیئے کیپٹن نے برانڈی کی بوتل اور گلاس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور صوفے پر بیٹھ گئے۔ دونوں گلاسوں میں انڈیل کر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولے۔ نعیم پانچ بجنے والے ہیں۔ مندروں میں پوجا ہو رہی ہو گی اور ہم یہاں۔ میں نے قطع کلام کر کے کہا۔ "کرنل ناستک کی صحت کا جام پی رہے ہیں۔"

کیپٹن ہنسنے لگے اور پھر سنجیدہ ہو کر بولے۔ "نعیم خدا کے لئے ہنسانے والی باتیں نہ کرو۔ دونوں مارے جائیں گے۔"

میں نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "سر ہماری زبان کی ایک کہاوت ہے۔" شام کے مرے کو کوئی کہاں تک روئے۔" اسی لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ زیادہ تر موتیں خصوصاً" نیک اور دور اندیش لوگوں کی موتیں صبح چار اور پانچ بجے کے درمیان واقع ہوتی ہیں۔ تاکہ عزیز و اقارب ایک گھنٹہ نہ رونے پائیں کہ دن نکل آئے اور وہ لٹھا ململ کافور اور لوبان کے چکر میں پڑ کر رونا دھونا بھول جائیں۔" کیپٹن نے ایک جرعہ حلق سے اتارا اور مسکرائے۔ "تم شیطان ہو نعیم مردوں کا مذاق نہیں اڑایا کرتے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" میں نے گلاس خالی کر کے ہاتھ تھیلی میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک دہریئے کی موت پر خدا کو ماننے والوں کو عید اور دیوالی منانے کا حق ہے۔ ویسے ہمیں منافقت بھی کرنی پڑے گی۔ کرنل کو یقیناً" فوجی اعزاز سے!"

"دفنایا جائے گا۔" انہوں نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔

"پھونک ڈالتے تو حساب کتاب سے بچ جاتا۔" میں نے اپنے گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں نے چونک کر دیکھا۔ "یہ ساغر و مینا اپنے کمرے میں لے جاؤ نعیم۔ میں دیکھتا ہوں کون ہے۔" کیپٹن نے کہا۔ میں نے تمام چیزیں سمیٹیں اور اپنے کمرے میں آ کر بغلی دروازہ بند کر دیا۔ کچھ دیر باتوں کی آواز آتی رہی۔ پھر دروازہ کھلا اور کیپٹن اندر آ کر میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔ "ہز ہائی نس پوجا کر رہے ہیں نعیم۔ جلد شیو اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ۔ ناشتہ آ رہا ہے ہمیں جلد ہی اوپر جانا پڑے گا۔ سنجیدہ رہ سکو تو چلنا ..... ورنہ ابھی کہہ دو میں بنارس خاں کو لے جاؤں گا۔"

"میں سوبر ہوں سر۔ ابھی تیار ہو جاتا ہوں صرف آدھ گھنٹے میں۔"

"اچھا تو یہ سب میری الماری میں رکھ دو اور تیاری کرو۔" انہوں نے ایک سگریٹ سلگایا اور دھواں چھوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں چل دیئے۔ صبح سات بجے غسل اور ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے یونیفارم پہنا۔ کیپٹن کے اشارے پر میں اپنے کمرے کے دروازے سے باہر نکلا۔ اس وقت باڈی گارڈ کے تمام جوان برآمدے میں موجود تھے۔ ہر ایک کے بائیں بازو پر تین انچ چوڑی کالی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی سب اٹینشن ہو گئے۔ سیکنڈ سیکرٹری نے آگے بڑھ کر ایک کالی پٹی میرے بازو پر لگا دی۔ دروازے کے سامنے گیٹ تک پورے صحن میں سینکڑوں کرسیاں پڑی تھیں جن میں سے اکثر پر مہمان بیٹھے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے۔ ایک جانب کاروں کی قطار تھی۔ گیٹ پر درجنوں فوجی سپاہی اور افسر ریسپشن کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ پانچ منٹ توقف کرنے کے بعد میں نے کیپٹن

کے دروازے پر دستک دی اور ایک منٹ بعد وہ سر جھکائے باہر نکل آئے گا۔ گارڈ کا معائنہ کیا۔ سیکنڈ سیکرٹری نے ان کے بازو پر کالی پٹی باندھی اور ان کو لے کر اوپر چلا گیا۔

صبح کے سات بجے سے رات کے آٹھ بجے تک یہی ہنگامہ رہا۔ آخر نو بجے تمام ہندو اور فوجی رسومات ادا کرنے کے بعد لاش کو نذر آتش کیا گیا اور دس بجے غسل کرنے کے بعد کھانا کھایا گیا۔ گیارہ بجے فارغ ہو کر میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ کیپٹن اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر کے انہوں نے گھنٹی دے کر مجھے طلب کیا۔ میں دروازہ کھولکر ان کے کمرے مین پہنچا۔ انہوں نے قریب آکر کہا۔ "نعیم مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ یشودھرا کماری اب بالکل ٹھیک ہیں۔ ممکن ہے تم ان سے ملنے کے لئے بے چین ہو۔ لیکن کم از کم ایک ہفتے تک ان سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ بہت ممکن ہے ان کی نقل و حرکت کی خفیہ نگرانی کی جا رہی ہو۔"

"شکریہ سر۔" میں نے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔ اتنے بڑے حادثے کو آسانی سے تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک یشودھرا کماری کا تعلق ہے ..... خدانخواستہ تم کسی طرح پھنس گئے تو پھر......."

"آپ بجا فرما رہے ہیں سر........ بہت بہت شکریہ۔"

"شٹ اپ .... شکریوں کا ڈھیر نہ لگاؤ۔ جا کر آرام سے سو جاؤ۔ پینی ہے تو دو پیگ پڑی ہے لے جاؤ .... اور یاد رکھو میری اجازت کے بغیر تمہیں کمرے سے باہر نہیں نکلنا ہے۔"

میں نے سر جھکا دیا۔ کیپٹن نے الماری کھول کر میرے ہاتھ میں بوتل تھما دی اور میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔

تین روز مندروں میں اشلوکوں کا جاپ ہوتا رہا اور مسجدوں میں قرآن خوانی۔ قرآن خوانی سے ایک ہندو کا اشلوکوں سے ایک ناستک کا کیا تعلق تھا۔ یہ میری سمجھ میں نہ آسکا۔ لیکن یہ مہاراج ادھیراج کا حکم تھا۔ مولوی صاحب قبلہ بھی چپ اور پنڈت جی مہاراج بھی چپ۔ روشن پہلو واضح تھا اور وہ یہ کہ ہزہائی نس دونوں مذہبوں کا یکساں احترام کرتے تھے اور دونوں قوموں کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔ فوج اور ایڈمنسٹریشن میں ہندوؤں سے یادہ تعداد مسلمانوں کی تھی۔ وزیر اعظم مسلمان تھا۔ ہائیکورٹ کا جج مسلمان تھا۔ ملٹری چیف ہندو تھا۔ فنانس میں پارسیوں کی اکثریت تھی۔

کرنل کی موت کے بعد دعوتیں تقریبیں اور محفلیں معطل ہو کر رہ گئی تھیں۔ چوتھے روز نواب جھالا واڑ بھی رخصت ہو گئے۔ اور پانچویں روز مہاراجہ بڑے راج محل میں منتقل ہو گئے۔ یہاں آکر یشودھرا پھر چلنے پھرنے لگی۔ شام کے وقت دوسری راجکماریوں کے

ساتھ باغیچے کی سیر کو بھی نکلنے لگی۔ میں نے کئی مرتبہ اس کو راہداری سے گزرتے دیکھا۔ وہ سچ مچ بیمار اور کمزور معلوم ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی مسکراہٹوں کا جادو جاگنے لگا۔ رخساروں پر شفق کرنیں لینے لگی اور آنکھوں میں پیغام ابھرنے لگے۔ گیارھویں روز راہداری سے گزرتے ہوئے وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور میدان خالی دیکھ کر رومال گراتی ہوئی چلی گئی۔ میں نے لپک کر رومال اٹھایا اور جیب میں ٹھونس لیا۔ ہال کا ایک چکر لگایا اور اپنی کیبن میں آکر رومال نکال کر دیکھا۔ میری توقع کے خلاف اس میں کوئی پرچا نہ تھا صرف ایک کونے پر سرخ ریشم سے My Love کڑھا ہوا تھا۔ روح حنا کی لپیٹیں آ رہی تھیں۔ چند منٹ میں پوری کیبن مہکنے لگی۔ میں نے اس کو ایک کاغذ میں لپیٹا اور پینٹ کی جیب میں سرکا دیا۔

صبح سات بجے کیپٹن کے اردلی نے آکر کیپٹن کا ایک نوٹ دیا جس پر لکھا تھا۔

"سارجنٹ نعیم۔ ٹھیک نو بجے مہارانی کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔" نیچے ان کے دستخط تھے۔ میں نے جلدی جلدی شیو کیا۔ غسل سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا۔ یونیفارم پہنی اور پونے نو بجے سیکرٹری کے چیمبر میں پہنچ گیا۔ کیپٹن کا نوٹ دیکھتے ہی اس نے رنگ کیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جائیے مسٹر نعیم۔" میں نے اس انداز تخاطب پر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ دروازے پر لائٹ دیکھ کر ہنڈل گھمایا اور اندر داخل ہوا۔ ہرہائی نس، سادھنا کماری اور یشودھرا صوفوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہزہائی نس شاید بیڈ روم میں تھے۔ میں نے تینوں کو سلام کیا۔ ہرہائی نس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"یونیفارم کی ضرورت نہ تھی سارجنٹ۔ خیر کوئی ہرج نہیں۔ تمہیں سادھنا اور یشودھرا کو کے بی مشرف بیگ چغتائی کی حویلی لے جانا ہے۔"

"بہتر ہے یوار ایکسی لنسی۔" میں نے جواب دیا۔ یشودھرا نے پرس سے گیراج اور پیکارڈ کی چابیوں کا چھلا نکال کر میرے ہاتھ میں دیا۔ گاڑی لے کر لوٹنے تک وہ پورٹیکو میں انتظار کرتی رہیں۔ میں نے گاڑی سیڑھی کے ساتھ کھڑی کر کے پچھلا دروازہ کھولا۔ اور وہ دونوں سوار ہو گئیں۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی سادھنا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"نعیم!" میں نے پیچھے دیکھے بغیر کہا۔ "یور ایکسی لنسی۔"

"چھوڑو بھئی یہ رسمی تکلفات۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "ایک بات پوچھتی ہوں بالکل سچ بتانا۔ بتاؤ گے؟"

"پوچھیے یور ایکسی لنسی۔" میں نے کہا۔

"تمہیں ہندو دھرم سے دلچسپی ہے؟"

"بہت زیادہ یور ایکسی لنسی۔ میں ہندو دھرم کا، ہندو سماج کا اور ہندو کلچر کا زیر بار احسان ہوں۔"

"اگر میں تمہیں چند کتابیں دوں تو پڑھنا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں۔ لیکن کونسی کتابیں ہیں یورایکسی لینسی؟"

"بھگودگیتا۔ رامائن .... منو ...."

"میں نے بھگو دگیتا' رامائن' مہا بھارت اور ایک دو وید اور شاستر پڑھے ہیں۔"

"کس نتیجے پر پہنچے؟"

میں ہنس دیا۔ "کتابوں سے کسی دھرم کے متعلق کس طرح نتیجہ مرتب کیا جا سکتا ہے یورایکسی لینسی۔ کاغذ پر تو ہر مذہب شاندار نظر آتا ہے۔"

"تم نے کون کون سے مذاہب کی کتابیں پڑھیں؟"

"اسلام۔ ہندو دھرم۔ عیسائیت۔ یہودیت۔ بدھ مت جین مت' خالصہ دھرم۔ آریہ مت .... اور پوچھیے۔"

"کافی پڑھا ہے تم نے کیوں یشودھرا؟"

"ابھی پڑھ رہا ہوں یورایکسی لینسی۔ برا تو نہ مانیں گی اگر یہ پوچھ لوں کہ آپ نے اپنے دھرم کے علاوہ کس کس مذہب کو پڑھا؟" سادھنا ہنس کر رہ گئی۔ میں نے پلٹ کر یشودھرا کی طرف دیکھا وہ مسکرانے لگی۔ میں نے ایک ہاتھ سے سگریٹ نکال کر منہ میں لگایا۔ اسٹیرنگ وہیل پر ماچس رکھ کر تیلی جلائی اور سگریٹ روشن کیا۔ سادھنا غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے بیک ویومرر کی طرف دیکھ کر اس سے کہا۔ "مذہب کو سمجھنا اتنا ہی مشکل ہے یورایکسی لینسی' جتنا گاڑی چلاتے ہوئے ایک ہاتھ سے سگریٹ سلگانا۔" دونوں ہنسنے لگیں۔ میں نے ایک ٹرن لے کر گاڑی سرسوتی دروازے کے نیچے سے گزاری۔ اور دو تین سو گز کے فاصلے پر قاضی واڑے میں کے بی مشرف چغتائی کی حویلی کے سامنے کھڑی کر دی۔ گاڑی رکتے ہی سادھنا دروازہ کھول کر اتری۔ اور "تھینک یو مسٹر نعیم۔" کہہ کر چل دی۔ میں نے یشودھرا کی طرف دیکھا۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ "چلو نعیم۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "پہلے گاڑی میں پٹرول ڈلواؤ۔ ذرا لمبا جانا ہے۔"

پٹرول پمپ سے پٹرول بھرا کر پے منٹ کرنے تک یشودھرا پچھلی سیٹ پر بیٹھی رہی۔ میں نے وہیل سنبھال کر دروازہ بند کیا اور گاڑی چلتے ہی وہ پچھلی سیٹ سے پھسل کر اگلی سیٹ پر آ گئی اور دونوں بانہیں مرے گلے میں ڈال کر کندھے پر سر رکھ دیا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کر منہ چوم لیا۔ "آہ میری جان۔" میں نے کہا۔ "یہ بارہ روز مر مر کے گزارے ہیں۔" وہ سسکیاں لینے لگی میں نے اس کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ گاڑی شرابی کی طرح جھومتی ہوئی چلنے لگی۔ اس نے خود کو سنبھالا اور میرا ہاتھ اٹھا کر وہیل پر رکھ دیا۔ "شر ہے نعیم۔ پھر ایکسیڈنٹ کر بیٹھو گے۔" میں سنبھال کر چلانے لگا اور رفتار بڑھ دی۔ "مجھ سے ایکسیڈنٹ نہیں ہوا کرتا یشو ڈارلنگ۔"

"مجھے معلوم ہے پریتم .... کیا میں نے بہت بڑا بلیدان نہیں دیا تمہار لئے؟"

"تمہارے سوا کوئی نہیں دے سکتا یشو۔ اگر تم ذرا بھک جاتیں تو ....." میں نے بائیں ہاتھ کی انگلی سے فائر کرنے کا اشارہ کیا۔

"اگر میں بھٹکتی تو ہینڈ بریک لگا کر اس کو بچا سکتی تھی۔ لیکن گاڑی رکتے ہی تم دونوں ایک دوسرے پر فائر کرتے اور وہ یا تم دونوں مارے جاتے ...... اور کتنا بڑا سکینڈل ہوتا۔ یقیناً" مجھے بھی مرنا پڑتا۔ اس لئے میں نے تمہارے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس سے اچھا انجام اور کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا۔"

"تم نے ایک لمحے میں اتنی باتیں کیسے سوچ لیں یشو؟"

"ایک لمحے میں نہیں سوچا گیا ڈارلنگ۔ ابتدائے محبت سے اس وقت تک کوئی لمحہ تمہاری سوچ سے خالی نہیں ہے۔"

"یہ محض ذرہ نوازی ہے یور ایکسی لینسی۔"

"شٹ اپ۔"

"جیسی آگیا دیوی .... اب کس طرف لے چلوں .... امین پور روڈ۔"

"دن دھاڑے ڈاکہ نہیں ڈالا جاتا۔"

"ڈاکہ ہوتا ہی وہ ہے جو دن دھاڑے ڈالا جائے اور .... جتا کر ڈالا جائے۔"

"چت چور' ڈاکہ نہیں ڈالتے پریتم .... میں ویسے ہی لٹ چکی ہوں۔"

"تو پھر تم ہمیں لوٹ لو۔ لیکن سواری "گوشۂ عافیت" ہی جاری ہے۔" میں نے پل کے قریب پہنچتے پہنچتے کہا۔ وہ "خوب!" کہہ کر مسکرا دی۔

"گارڈن میں لے چلو۔ کچھ دیر ہینگنگ برج سے ندی دیکھیں گے پھر میوزیم میں چلیں گے۔"

"سوری مجھے تمہارے پیچھے پیچھے چلنا پڑے گا۔ دیکھنے والے کہیں گے راجکماری باڈی گارڈ ساتھ لے کر آئی ہے۔"

"یونیفارم میں آنے کو کس نے کہا تھا؟"

"راجکماری بن کر آنے کو کس نے کہا تھا؟" میں نے امین پور روڈ کی طرف ٹرن لیتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔ "گوشۂ عافیت" کا رخ دن کے وقت رات سے کہیں زیادہ حسین تھا۔ روشنی میں اس خطرناک جنگل کا حسن باغ ارم کو شرما رہا تھا۔ خودرو پھولوں اور زرد سرخ بیروں سے لدی پھندی جھاڑیوں سے فضا مہک رہی تھی۔ میری نگاہیں اس دلکش منظر پر جم کر رہ گئیں۔ انجن بند کر کے میں نے یشودھرا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی ماحول کی رنگینی میں کھوئی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو آغوش میں لے کر کہا۔ "تو آپ باغ حسن ہے اپنی بہار دیکھ۔" اس نے مسکرا کر میرے منہ پر منہ رکھ دیا اور

دوسرے ہی لمحے اور مدہوش کن تھے۔ میں ان تمام حسین مناظر کا جزو بن کر رہ گیا۔ معرکہ آرائی، حسن و عشق، خود سپردگی اور مزاحمت، مزاحمت اور خود سپردگی کی طویل داستان تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نے اس کی طرف اور اس نے میری طرف دیکھا اور ایک مشترکہ قہقہہ گونج اٹھا۔ اس نے ہنس کر میرا سر پکڑ کر اپنے سر سے ٹکرایا اور کار کا دروازہ کھول کر باہر کود گئی۔ دیر تک ہم گھاس پر دوڑتے رہے اور پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتے رہے۔ جھاڑیوں سے بیر توڑ توڑ کر کھاتے رہے۔ یہاں حد نظر تک ہم ہی ہم تھے۔ یا کبھی کبھار کوئی خرگوش یا گیدڑ کسی جھاڑی سے نکل آتا اور ہمیں دیکھ کر بھاگ جاتا۔

یشودھرا تھک کر ایک جھاڑی کے قریب ریت پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں قریب کی جھاڑی سے بیر توڑ توڑ کر رومال میں اکٹھے کر رہا تھا۔ ایک گھنی جھاڑی سرخ سرخ بیروں سے لدی دیکھ کر میں اس طرف چلا۔ جھاڑی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ "چاؤں" کی آواز کے ساتھ ایک مورنی جھاڑی کے دوسرے رخ سے پھڑپھڑا کر نکلی اور ریت پر دوڑنے لگی۔ اس کے پیچھے ایک یا دو روز پہلے نکلے ہوئے چھوٹے چھوٹے بچے چیاؤں چیاؤں کرتے جھاڑی سے نکل کر دوڑنے لگے۔ میں تیزی سے دوڑ کر اس طرف پہنچا اور ایک بچہ پکڑ کر کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ یشودھرا کو آواز دے کر بلایا اور وہ بھاگتی ہوئی اس طرف آنے لگی۔ اس اثناء میں میں دوسرا بچہ پکڑ کے تیسرے کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ ان کی تعداد دس بارہ سے اوپر تھی اور بڑی تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ مورنی ایک جھاڑی کے قریب پہنچ کر رک گئی اور بری طرح چیخ رہی تھی میں نے لپک کر ایک بچہ اور پکڑ لیا۔ جھاری قریب آ گئی بچے اس میں غائب ہونے لگے۔ گھستے گھستے ایک اور ہاتھ آ گیا۔ یشودھرا کوشش کے باوجود ایک بھی نہ پکڑ سکی۔ مورنی چیختی چلاتی رہی۔ ہم دوڑ کر کار کے پاس پہنچ گئے۔ یشودھرا نے پوچھا "کتنے پکڑے؟" میں نے جیب سے نکال کر چاروں بچے اس کو دکھائے۔

اس نے کہا۔ "کیا کرو گے؟" میں نے جواب دیا۔ "پال لینا۔" اس نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "جی؟"

میں نے کہا۔ "کیوں، کیا ہوا؟ مور تو بڑا حسین ہوتا ہے۔ عورتیں اس کے گیت گا گا کر ناچتی ہیں۔ اپنے آنگن میں آنے کی پرارتھنا کرتی ہیں۔ تم ...."

"میں ایک ہی مور پال سکتی ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"مور پالا ہے تو اس کے بچوں سے گریز کیوں؟"

"بچے میں اسی سے پلواؤں گی۔ تم سے پلواؤں گی۔" اس نے لجا کر کہا اور میری آغوش میں منہ چھپا لیا۔ میں نے اس کا منہ اوپر اٹھا کر چوم لیا۔ "اسے تمہاری تمنا سمجھوں یا اطلاع ڈیئر؟" میں نے پوچھا۔ "دونوں باتیں پر تم۔" اس نے جواب دیا۔

"اوہ! میری جان۔" میں نے اسی جھاڑی کی طرف چلتے ہوئے اسے جواب دیا۔ جھالا

چڑیاں چیختی پھر رہی تھیں۔ وہ میرے لئے بے چین پھرتی نظر آئی۔ میں نے اسے چیخنے سے منع کیا اور ہم دونوں جھاڑی کی طرف بھاگ گیے۔ یشودھرا کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔ "تم بہت اچھے ہو نعیم ..... سچ بہت زیادہ اچھے۔"

"آؤ۔" میں نے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "چھوٹے آدمیوں کی زیادہ تعریف نہیں کیا کرتے۔"

وہ بری طرح بگڑ گئی۔ "تم خود کو چھوٹا کہہ کر میری توہین کر رہے ہو نعیم۔" اس نے جھٹک کر بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ میں نے جھپٹ کر پھر اسے تھام لیا۔ "آئم سوری ڈیئر..... میں بڑا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں عظیم ہوں۔ میں نعیم ہوں۔ میری تعریف کرو۔"

وہ ہنس دی۔ میں نے اس کو اٹھا لیا اور کار کی طرف چلنے لگا۔ چند قدم چلنے کے بعد کہنے لگی۔ "اتار دو نعیم۔ تم تھک جاؤ گے۔"

"تھک جاؤں گا؟" میں نے ہنس کر کہا۔ "میرے لئے تم گلاب کا پھول ہو یشو۔ میں تمہیں اٹھا کر شہر تک لے جا سکتا ہوں۔" وہ میری آغوش سے پھسل کر اتر گئی۔ اسی وقت جھاڑی کے پیچھے سے ایک ہرن کودتا ہوا نکلا۔ اس کے بعد دوسرا۔ میرا ہاتھ خود بخود پستول پر پہنچ گیا۔ میں نے جھک کر پستول نکال لیا۔ تیسرا ہرن گزرا اور اس کے پیچھے چوتھا۔ وہ چوکڑی بھر کر اوپر اٹھا تو میں نے فائر کر دیا۔ تیس چالیس گز سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ گولی ہرن کے اگلے بازو پر گردن کے قریب لگی اور شانہ توڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ وہ الٹ کر زمین پر گرا۔ تڑپ کر اٹھنا چاہا لیکن اگلی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں، منہ ریت میں دھنس گیا۔ پھر تڑپا اور گر کے تڑپنے لگا۔ میں نے پستول ہولسٹر میں ڈالا اور پتلون کا پائنچہ سرکا کر دائیں پنڈلی کے کیس میں سے چھرا نکال کر دوڑا۔ ہرن مجھے قریب آتے دیکھ کر پھر تڑپنے لگا۔ اس کے دونوں پہلوؤں سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ میں نے چھرے کا دستہ دانتوں میں دبا کر دونوں ہاتھوں سے اس کی سنگوٹیاں پکڑنی چاہیں تو اس نے ٹانگیں مارنی شروع کر دیں۔ وہ بری طرح اچھلتا کودتا اور لوٹنیاں لگاتا رہا۔ آخر ایک بار اس کی سنگوٹیاں میرے ہاتھوں میں آگئیں۔ دوسرے لمحے میرا پاؤں اس کے دھڑ پر تھا۔ اور چھرا گردن پر۔ نصف کے قریب گلا کاٹ کر میں نے اس کو تڑپنے اور ٹھنڈا ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ دوڑ کر کار کے پاس آیا اور سیٹ کے نیچے ٹول بکس سے گاز نکال کر خون پونچھا۔ یشودھرا دونوں رخساروں پر ہتھیلیاں رکھے، ہرن سے بیس قدم کے فاصلے پر کھڑی دیکھ رہی تھی۔ میں نے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر منہ سکیڑا۔ "رام رام....... جیو ہتھیا ...... ہرے ہرے ...... شکاری میں اور قصائی میں کوئی فرق نہیں۔"

وہ ہنسنے لگی۔ "اب ایسی برہمنی بھی نہ سمجھو نعیم ...... بندوق ہوتی تو ایک میں بھی گرا دیتی لیکن یہ پکڑنا اور گلا کاٹنا ذرا سخت کام ہے۔"

ہرن ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں نے گاز سے اس کا خون صاف کیا اور سینگ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کار تک لے آیا۔ دھکیل دھکال کر زبردستی ڈکّی بکس میں ٹھونسا۔ یشودھرا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے وہیل سنبھالا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ سڑک پر پہنچ کر یشودھرا نے اطمینان کا سانس لیا اسے خطرہ تھا کہ گاڑی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو چکی ہے' نہ معلوم مرمت ہونے کے بعد انجن میں ٹیلوں اور گڑھوں سے نکلنے کی طاقت باقی رہی ہے یا نہیں۔ مجھے معلوم تھا انجن بالکل ٹھیک حالت میں ہے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس نے کہا۔ "آج تم سگریٹ پینا بھول گئے نعیم۔"

"نہیں۔ آپ پلائیے۔" میں نے اس کی طرف گھومتے ہوئے کہا۔ اس نے میرے کوٹ کی بریسٹ پاکٹس سے سگریٹ اور دیا سلائی نکالی اور سلگا کر میرے ہونٹوں میں لگا دی۔

"آج تم نے بڑا کمال کیا ڈیئر۔ پستول سے فلائنگ شاٹ لگانا بہت مشکل ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"یور ایکسی لینسی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں نے مشق ہی فلائنگ شاٹس کی کی ہے آپ کو معلوم نہیں۔"

"میں تمہیں اس شاٹ پر انعام دینا چاہتی تھی۔ لیکن تم الفاظ کا گورکھ دھندا پھیلا رہے ہو اس لئے انعام ضبط۔"

"تمہارے ملنے کے بعد کسی اور انعام کی ضرورت باقی رہتی ہے کیا؟"

"الفاظ سے نہ کھیلو نعیم۔ حقائق کی دنیا میں آؤ۔ اگر مجھے انعام سمجھ کر خوش ہو رہے ہو تو یہ بھی سوچو اس انعام کا خرچ ...." وہ بولتے بولتے رک گئی۔ شاید اسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"کیا خرچ آئیگا .... اور میں اس کا متحمل بھی ہو سکوں گا یا نہیں یہی نا؟" میں نے اس کا جملہ پورا کیا۔ اور وہ مسکرا دی۔

"قریب قریب یہی۔" اس نے کہا۔

"دراصل .... چاندنی میرا بیک گراؤنڈ مالی اعتبار سے۔"

اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا میں نہیں جانتی حضور آپ کو یاد نہیں۔ میں نے کہا تھا سوچنے کا کام مجھ پر چھوڑ دو؟"

"یاد ہے اور اسی لئے میں اپنی ننھی سی جان کو' جو بظاہر بہت دیوزاد اور ایک دوست کے الفاظ میں اللہ میاں کا چوزہ نظر آتی ہے ایسا کوئی روگ نہیں لگانا چاہتا جسے سوچ کہا جاتا ہے۔"

"میں تمہارے انداز بیان پر مرتی ہوں نعیم۔ تمہاری ہر ادا پر مرتی ہوں اور مرنہ

سکی۔" اس نے سرک کر میری گود میں سر رکھ دیا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کی بغل میں دے دیا۔ "میں تم پر مرتا ہوں اور مر بھی سکتا ہوں۔ اگر زندہ ہوں تو محض اس وجہ سے کہ تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہتا۔" اس کا سر میری گود میں رکھا ہوا تھا اور آنکھوں کے گوشوں سے آنسو گر رہے تھے۔

"آئم سوری ڈیئر۔" میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھراتے ہوئے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ یہ ہرن ہز ہائی نس کو پیش کر دیا جائے۔؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ہز ہائی نس خوش ہوں گے۔ انھیں ہرن کے کباب بہت پسند ہیں۔"

"تو پھر اب راج محل چلیں؟ میرا مطلب ہے سادھنا کماری ، ساتھ لے کر۔"

"ٹھیک ہے لیکن اس سے پہلے ......" اس نے پرس کھول کر ایک جیولری بکس نکالا اور میری گود میں رکھ دیا ..... "یہ اپنے بنگلے میں پہنچا دینا۔"

"یہ کیا ہے؟ میں نے سوال کیا۔

"جو میں نے کہا تھا۔ اسے لائیڈس بنک میں۔"

"تمہارے نام سے؟"

"اپنے نام سے والٹ ریز رو کرا لینا۔ اس میں کچھ بھی رکھ سکتے ہو۔ ان کی راز داری قابل اعتماد ہے۔"

"یہ اتنا بڑا ہے کہ میری جیب میں پورا نہیں آئے گا۔"

"کوٹ اتار کر اس میں لپیٹ لو تاکہ کسی قسم کی الجھن کا سوال نہ پیدا نہ ہو۔"

O

راج محل پہنچ کر میں نے ہرن کیپٹن کے حوالے کر دیا کہ ہزہائی نس کو پہنچا دیں اور خود کوٹ بغل میں دبائے ہوئے اپنے بنگلے آ گیا۔ ہاتھ منہ دھو کر بیڈ روم میں آیا اور دروازہ بند کر کے جیولری بکس کھولا۔ اس میں ایک موتیوں کا مردانہ ہار' دو بازو بند ایک ہیرے کا زنانہ نکلس۔ ساڑی کی سنہری بیلٹ' چند جڑاؤ پن ایک جڑاؤ روشن پٹی۔ سنہری کف لنکس اور قمیض کے بٹن۔ یاقوت اور ہیرے کی دو انگوٹھیاں وغیرہ تھیں۔ نیچے ایک کاغذ پر مختصر سی تحریر تھی۔ "سارجنٹ نعیم احمد ملک میرے چند زیورات جن کی تفصیل نیچے درج ہے بطور امانت اپنے پاس رکھنے کے مجاز ہیں (فہرست) دستخط راجکماری یشودھرا۔ تاریخ۔"

میں نے وہ تحریر ایک لفافے میں بند کر کے اپنے سوٹ کیس میں اور جیولری بکس اٹیچی کیس میں رکھ کر الماری میں مقفل کیا اور کھانا کھا کر کیپٹن کے بنگلے پہنچا۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا۔ "نعیم میں نے ہزہائی نس کو ہرن کی اطلاع دے دی ہے۔ شامی کباب بنانے کا حکم ہوا ہے۔ تم فوراً راج محل چلے جاؤ۔ طلبی ہوئی ہے۔"

میں راج محل پہنچا تو مہتا صاحب سے ملاقات ہوئی' انہوں نے فوراً مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ اندر داخل ہوا تو حسب معمول' ایک تھا راجہ' ایک چہیتی رانی۔ دونوں صوفوں پر بیٹھے اپنی اپنی کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو دونوں نے بیک وقت گردن اٹھا کر دیکھا۔ "تم آ گئے ناعم؟" مہارانی نے کہا۔

"حاضر ہوں یور ہائی نیس۔" میں نے گردن جھکا کر کہا۔ اسی وقت مہاراجہ نے کہا۔ "یہ ہرن کہاں سے مار لائے نعیم؟"

"امین پور کے قریب جنگل میں سے یور ہائی نیس۔"

"ادھر شکار ملتا ہے؟"

"بہت زیادہ یور ہائی نیس۔"

"اوہ۔ گڈ۔" کہہ کر انہوں نے مہارانی کی طرف دیکھا۔ مہارانی مسکرا دیں اور کتاب ٹیبل پر رکھتی ہوئی بولیں۔ "آپ کا چہیتا باڈی گارڈ ہے یور ہائی نس۔"

"ہے تو۔" انہوں نے ہنس کر کہا اور پھر میری طرف دیکھا۔ "کل پھر جاؤ نعیم بندوق لے کر ایک دو اور مار لاؤ۔"

"بہتر ہے یور ہائی نیس۔ آپ حکم دیں تو ابھی شام تک لا سکتا ہوں۔۔۔!"

مہاراجہ مسکرا دیئے۔ "اگر کہیں باندھ آئے ہو تو ویسے ہی کھول لاؤ۔ بندوق کی کیا ضرورت ہے----؟"

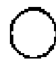
"یور ہائی نس وہاں اس قدر شکار ہے کہ کسی بھی وقت کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے۔"

یقین ہے تو جاؤ۔ میری الماری سے ونچسٹر لے لو۔" انہوں نے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں الماری کی طرف چل دیا۔ ونچسٹر اور اس کے کارتوس لئے اور پھر ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ "موری منگائی ہے۔ ٹھیک رہے گی؟"

"ٹھیک ہے یور ہائی نیس۔"

"اچھا جاؤ۔ کیپٹن کو ہمارے پاس بھیج دو .... اور شکار کئے بغیر نہ آنا۔" میں چونک گیا۔ مہارانی مسکرا دیں۔

"شکار کے ملنے کی شرط نہیں ہونی چاہیے یور ہائی نیس۔" مہارانی نے کہا۔ لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میں نے خود کو بڑھا کر پیش کرنے میں غلطی کی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اجازت طلب کی اور نیچے چلا آیا۔



چار بجے سے شام کے چھ بجے تک اس جنگل کا، جس کو ڈیلائٹ کارنر کا نام دیا تھا، چپہ چپہ چھان مارا لیکن کہیں ہرن یا بارہ سنگھے کا نام نشان نہ تھا۔ گیدڑ، لومڑیاں اور خرگوش وغیرہ کئی جگہ دکھائی دیئے۔ لیکن ایسا کوئی جانور نہ تھا جسے شکار کیا جا سکتا۔ آخر سورج غروب ہونے لگا۔ میں مایوس ہو کر سڑک پر آیا۔ گاڑی کے قریب آ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے سڑک کے دوسری طرف قسمت آزمائی کرنے کا خیال آیا اور میں تیزی سے اس سمت چلنے لگا۔ گھنے درختوں کے درمیان سے گزر کر دو سو قدم پہنچا تھا کہ جھاڑیوں کے دوسری طرف ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر تین چکارے آہستہ آہستہ ٹیلے کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں خوشی سے اچھل پڑا۔ بندوق اٹھائی اور بیچ والے ہرن کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ ہرن پچھاڑ کھا کر گرا۔ دوسرے چھلانگیں لگاتے ہوئے غائب ہو گئے۔ میں تیزی سے دوڑا۔ ہرن لوٹ پوٹ کر اٹھا اور ٹیلے کی طرف دوڑنے لگا۔ لیکن وہ صرف تین ٹانگوں سے دوڑ رہا تھا۔ اس کی رفتار اب بھی انسان سے تین چار گنا تیز تھی۔ تھوڑی دور دوڑنے کے بعد وہ پھر ایک مرتبہ گرا۔ میں اور تیزی سے دوڑا۔ لیکن جب دس قدم رہ گیا تو مجھے دیکھتے ہی پھر تڑپ کر اٹھا، پھر اٹھا، پھر گرا پھر اٹھنے لگا۔ لیکن خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اب اس میں زیادہ جان نہ تھی۔ دو تین چھلانگیں لگائیں اور ایک جھاڑی میں منہ چھپا کر بیٹھ گیا۔ اندھیرا اتنا بڑھ چکا تھا اور اب دوڑنے بھاگنے کا وقت نہ تھا۔ میں نے

فاصلے سے سر کا نشانہ لے کر دوسرا فائر کیا اور وہ لیٹ گیا۔ میں نے بھاگ کر اس کے گلے پر چھرا پھیر دیا۔ اور پھر اس کی گردن اگلی ٹانگوں میں پھنسائی اور گھسیٹتا ہوا سڑک کی طرف چل دیا۔ ابھی میں سڑک سے سوا سو گز دور تھا کہ پیچھے سے جانوروں کے دوڑنے بھاگنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں ہرن کو چھوڑ دیا اور پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ تین چار ہرن چوکڑیاں بھرتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔ میں نے بندوق سیدھی کی اور پچھلے ہرن پر فائر کیا لیکن ٹرائیگر دبنے سے پہلے ایک چیتے نے چھلانگ لگائی اور ہرن کی گردن پر منہ ڈال رہا تھا کہ گولی سینے میں پیوست ہو گئی۔ ہرن زمین پر گر کے اٹھا اور چھلانگیں لگاتا ہوا دائیں طرف نکل گیا۔ چیتا زمین پر تڑپنے لگا۔ میرے ہوش خطا ہو گئے۔ دوڑ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ٹارچ اٹھا کر ایک درخت کی آڑ سے چیتے کی طرف لائٹ پھینکی۔ اس نے غرا کر ایک پلٹی کھائی اور تڑپ کر ٹانگیں پھیلا دیں۔ میں خوشی سے دیوانہ ہو کر اچھلنے لگا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد رائفل سے نشانہ لیتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ قریب پہنچ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن کوئی پتھر وغیرہ نہ تھا۔ آخر اوپر کی جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور پھینک کر سر میں مارا۔ چیتا بے حس و حرکت پڑا رہا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ چند قدم اور بڑھ کر دیکھا تو گولی سینے سے داخل ہو کر پشت سے پار نکل گئی تھی۔ اس کو گھسیٹ کر کار تک لایا۔ اس کا وزن اڑھائی من سے کم نہ تھا۔ چیتے کو پچھلی سیٹ کے قریب لاد کر ہرن کو ڈکی بکس میں ٹھونسا۔ دروزے بند کر کے شیشے چڑھائے اور گاڑی موڑ کر اندھا دھند شہر کی طرف چھوڑ دی۔ میں کامیابی کے نشے میں مخمور تھا۔

ساڑھے سات بجے راج محل پہنچا تو مین گیٹ پر پہریدار نے سلامی دے کر رکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے بریک لگا کر شیشہ چڑھایا تو اس نے جھک کر کہا۔ ”صاحب بہادر کپتان صاحب نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ آئیں تو آپ کو اطلاع دی جائے کہ مہاراجہ صاحب کے سامنے پیش ہونے سے پہلے ان سے مل لیں۔“ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ ”گیئر لگایا اور کیپٹن کے بنگلے کی طرف چل دیا“۔ قریب پہنچ کر ہارن دیا تو وہ دروازے سے باہر نکل رہے تھے۔ دیکھتے ہی مسکرا کر بولے۔ ”نہال یا کنگال۔“

میں نے سلام کر کے کہا۔ ”بتایئے اپنا خیال۔“

وہ آگے بڑھنے لگے تو میں نے کہا۔ ”قریب نہ آیئے وہیں سے بتایئے۔“

”بتاتا ہوں۔“ انہوں نے رک کر کہا۔ ”خالی تو نہیں ہو۔“

”سر یہ کہنا تو مشکل نہیں۔ یہ بتایئے کیا لایا۔۔۔۔؟“

”ہرن۔“ انہوں نے کہا اور مسکرانے لگے۔

”اچھا اب تشریف لے آیئے اور معائنہ فرمایئے۔“

انہوں نے پچھلا دروازہ کھولا۔ میں نے اندر کی روشنی جلائی اور وہ چیتے کو دیکھ کر

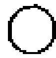
اچھل پڑے۔ ”شاباش جوان شاباش۔“ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میری پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔
میں نے ”تھینک یو سر۔“ کہہ کر پچھلا دروازہ بند کر کے اگلا دروازہ کھول دیا۔ وہ میرے برابر آ کر بیٹھ گئے۔ میں گاڑی اسٹارٹ کی اور راج محل کے پورٹیکو میں سیڑھیوں سے لگا کر کھڑی کر دی۔ وہ نیچے اترے اور کہا۔ ”آؤ۔“ میں اتر کر ان کے ساتھ لفٹ کے ذریعے اوپر پہنچا۔ ہال میں داخل ہوتے ہوئے میں نے کہا۔ ”سر چیتے کی خوشی میں آپ نے ہرن کے متعلق تو پوچھا ہی نہیں۔۔۔۔؟“
انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ”ارے ہاں۔۔۔۔ وہ بھی۔۔۔۔“
”لگیج بکس میں ٹھونس رکھا ہے سر۔“
”اوہ! تم جادوگر ہو نعیم۔ اب تمہاری ترقی یقینی ہے۔“
”آپ کی خوشی میرے لئے سب سے بڑی ترقی ہے سر۔“ میں نے سر جھکا کر کہا۔
انہوں نے ہاتھ بڑھا کر بٹن دبایا۔ اسی لمحے دروازے پر لائٹ ہو گئی۔ ہم نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔ مہاراجہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہرن لائے۔“
کیپٹن نے مسکرا کر کہا۔ ”یور ہائی نیس۔“ ہرن بھی اور۔۔۔۔۔۔“
”اور کیا۔۔۔۔؟“ مہاراجہ نے ہنستے ہوئے تیزی سے پوچھا۔ کیپٹن نے کہا۔ ”یور ہائی نس وہ چیتا جس کی تلاش میں پوری شکار پارٹی ناکام ہو گئی تھی۔۔۔۔!“
”کیا مار دیا۔۔۔۔؟“ انہوں نے حیرت سے کہا۔
”کار میں پڑا ہوا ہے یور ہائی نیس۔“
ہز ہائی نس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ ”ویل ڈن نعیم ۔۔۔۔۔ تم شیر ہو۔“
میں نے سر جھکا کر کہا۔ ”آپ کے چرنوں کا پرتاب ہے 'یور ہائی نس۔“ انہوں نے آگے بڑھ کر میری پیٹھ ٹھونکی۔ کیپٹن نے اشارہ کیا اور میں نے جھک کر ان کے پیر چھو کر دونوں ہاتھ آنکھوں سے لگا لئے۔ انہوں نے مسکرا پھر پیٹھ تھپتھپائی اور کیپٹن سے کہا۔ ”دونوں شکار اوپر لاؤ یشونت ہم ہرہائی نس کو دکھائیں گے۔“ کیپٹن سر جھکا تیزی سے پلٹے اور باہر نکل گئے۔ مہاراجہ نے مسہری کے سرہانے ایک بزر پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا۔
”تم کیا بلا ہو نعیم؟“
”آپ کا ایک ادنیٰ خادم یور ہائی نیس۔“
”تمہیں معلوم ہے تم نے کتنا خطرناک کھیل کھیلا ہے آج؟“
”آپ کا حکم میری طاقت ہے یور ہائی نیس۔ میں خطرہ نہیں جانتا کس کو کہتے ہیں۔“
”میں نے شیر غلط نہیں کہا تمہیں۔ واقعی تم خطرہ نہیں جانتے۔“
میں نے پھر سر جھکا دیا۔ اسی وقت مہارانی اندر داخل ہوئیں۔ مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر بولیں۔ ”مجھے یقین تھا نعیم تم آٹھ بجے سے پہلے لوٹو گے اور کامیاب لوٹو گے۔“ میں نے

سر جھکا کر کہا۔ "آپ کے چرنوں کے پرتاپ سے میں کبھی ناکام نہیں لوٹتا یور ہائی نیس۔"

"ٹائیگر...... اب آپ اس کو ٹائیگر نعیم کہا کریں گی یور ہائی نیس۔"

"بالکل صحیح ہے یور ہائی نیس۔ اور میں اس کو اس خطاب کی مبارکباد کے ساتھ پانچ سو روپے انعام دیتی ہوں۔" میں نے سر جھکا کر شکریہ ادا کیا۔ مہارانی نے مسہری کے قریب جا کر ایک بٹن دبایا۔ اسی وقت دو خادمائیں اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے ایک سے کہا "ہماری گورنیس سے پچیس اشرفیاں اور چاندی کی طشتری لے کر آؤ۔" وہ سر جھکا کر پچھلے پاؤں چلی۔ انہوں نے دوسری سے باآواز کہا۔ "تم جا کر سادھنا کماری۔ یشودھرا کماری' رنت دیوی' شانتا دیوی وغیرہ کو بلا لاؤ۔" خادمہ سر جھکا کر چلی گئی۔ مہاراجہ نے کیپٹن کی طرف دیکھ کر کہا۔ ان سپاہیوں کو رخصت کر دو لیفٹنٹ۔" کیپٹن کے اشارہ کرنے سے پہلے تمام سپاہی سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ مہاراہ صوفے پر بیٹھ گئے اور پائپ سلگا کر پینے لگے۔ مہارانی ان کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ "اب پوری تفصیل سناؤ ٹائیگر۔" مہاراجہ نے کہا۔ میں نے مختصر الفاظ میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔

تمام راجکماریاں اور ان کی سہیلیاں آ گئیں۔ میں ڈر رہا تھا کہ یشودھرا کے چہرے سے کسی بات کا اظہار نہ ہو جائے۔ لیکن یشودھرا بالکل نارمل تھی اس کی حرکات و سکنات سے کسی طرح یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ اس کو مجھ سے معمولی سا بھی لگاؤ ہے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح پہچان چکی تھی کہ یہ وہی چیتا تھا جو پہلی رات کار کی چھت پر آ چڑھا تھا اور پھر کرنل رگھبیر کی کار کے نیچے دوڑا تھا۔ اس کا چہرہ تمام تاثرات سے خالی تھا۔ مہاراجہ نے ٹائیگر کا خطاب اور ہنٹنگ پارٹی کے مصارف کے مساوی رقم انعام دینے کا اعلان کیا۔ اور دو روز بعد پہلی تاریخ سے دس یوم کی رخصت منظور فرمائی۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔



دوسرے دن شام کو آٹھ بجے میں مدھو ساگر کے اس پار' بڑی شکار گاہ کو جانے والی سڑک پر راجکماری کا انتظار کر رہا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب بڑے پل سے پیکارڈ اس طرف آتی ہوئی دکھائی دی میں درختوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آیا۔ پیکارڈ میرے قریب پہنچ کر رک گئی اور یشودھرا نے دروازہ کھول کر کہا۔ "اندر آ جاؤ نعیم۔" میں نے گاڑی کے عقب میں نظر دوڑائی۔ پل دوسرے سرے تک خالی پڑا تھا۔ میں نے گاڑی میں بیٹھ کر وہیل سنبھال لیا اور دروازہ بند کر کے گیئر لگایا۔ شکار گاہ سے کچھ ادھر ایک پہاڑی کے دامن میں گاڑی کو سڑک سے اتار کر جھاڑیوں کی آڑ میں لے کر انجن بند کر دیا اور یشودھرا کی طرف مخاطب ہوا۔ نگاہیں ملتے ہی اس نے کہا۔ "نعیم میں تمہیں مبارکباد پیش

میری رہنمائی کرنے میں خوشی محسوس کرینگے۔ میں نے ان کا
کرنا چاہتی ہوں۔ بتاؤ کس سلسلے میں۔ انہوں نے کش لیتے ہوئے سوال کیا۔ "آپ کہاں سے
میں نے اس کو آغوش میں لے لیا۔ "لاہور سے۔" چند رسمی باتیں کرنے کے بعد
مطابق سوچنے کا کام آپ پر چھوڑ دیا ہے۔ اس ساختہ نکل گیا۔ "نعیم"۔ لیکن دوسرے لمحے ہی
خود کو پیش کر دیں تو بہتر ہو گا۔" دراصل میرا نام مسعود احمد ہے بھائی جان۔

وہ مسکرا دی۔ میری بانہوں کا دائرہ تنگ ہوا

پایا اور جب مجھ پر اس کا خمار طاری ہونے لگا تو میرے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر پیچھے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگی۔ "تم اس طرح شکار کر کے پیچھے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالتے ہو؟"

"آج ایسی کون سی خاص بات ہو گئی---؟"

وہ مسکرا دی۔ "میں ایک ہندو عورت ہوں نعیم۔ میرے لئے اپنے ہونے والے بچے کے باپ کی زندگی کیا اہمیت رکھتی ہے تم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔" میرے ہاتھ اس کے کندھوں سے پھسل گئے اور حیرت زدہ ہو کر اس کا منہ تکنے لگا۔" تو..... کیا....... کیا واقعی؟ میں بمشکل کہہ سکا وہ نیچی نگاہیں کر کے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھتی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "ہاں پریتم۔"

"خیر۔" میں نے سنبھل کر اس کو بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "دیکھا جائے گا۔"

اس نے میری آغوش میں منہ چھپا لیا۔ میں نے اس کے بالوں کو چوم کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ وہ مسکرا دی۔ "میں نے اپنے اندر کچھ تبدیلیاں محسوس کرنے کے بعد ہی اس روز تمہیں اشارہ کیا تھا۔ لیکن ایسا اکثر ہو جایا کرتا ہے میرا خیال تھا شاید...." وہ بولتے ہوئے رکی اور پھر آگے چلی۔ "لیکن وہ خیال غلط تھا۔ کل ہر ہائی نس نے غور سے میری طرف دیکھ کر کہا۔" تمہارا وزن بڑھتا جا رہا ہے لیشو۔ یہ تو غنیمت ہے کہ ابھی انہیں کوئی اور شک نہیں ہے ورنہ غضب ہو جاتا۔"

"اب کیا ہو گا---؟" میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ اگر مہاراجہ یا مہارانی کو شبہ بھی ہو گیا تو تمہارا نام و نشان تک مٹ جائے گا اور مجھے فوراً ہی کسی بڈھے اور بدصورت مہاراجہ کے پلے باندھ دیا جائے گا۔ مہارانی کو کسی حد تک اس بات کا اندازہ ضرور رہے کہ میں تم میں دلچسپی لیتی ہوں لیکن ان کے خیال میں یہ محض دلچسپی ہے' وہ یہی سمجھتی ہیں کہ میں تم سے دل بہلا رہی ہوں اور جس دن میرا جی تم سے بھر گیا اس دن تمہیں کھلونے کی طرح توڑ کر پھینک دوں گی۔ تم ان ریاستوں کے راجگان کا مزاج سمجھ ہی نہیں سکتے۔ یہ انسانوں کو تفریح کے طور پر سر چڑھاتے ہیں اور پھر اسے پاتال میں پھینک کر بھی لطف اٹھاتے ہیں۔"

راجکماری کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

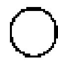
سر جھکا کر کہا۔ "آپ کے چرنوں کے پرتاپ سے میں بھرے خیال میں تم سادھنا کماری کو اپنے
"ٹائیگر...... اب آپ اس کو ٹائیگر نعیم کہا"
"بالکل صحیح ہے یور ہائی نس۔ اور میر ا ہیں ڈیرا!"
... انعام دیتی ہوں۔" میں نے سر ج... مہاراجہ نے دو دن بعد مجھے خود ہی دس دن کی رخصت عنایت ... سے تیسرے دن بمبئی پہنچ جاؤں گا' تم بھی وہاں آ جاؤ۔" میں نے اس کی زلفوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"مشکل ہے لیکن کوشش کروں گی۔ بدقسمتی سے برٹش ریزیڈنٹ ایک مہینے کی چھٹی پر گیا ہوا ہے اور اس کے نائب سے میں واقف نہیں ہوں۔ ورنہ میں یہ گناہ کرنے کی بجائے کوئی اور کوشش کرتی۔"

"غلط تحریر کو مٹانا کوئی گناہ نہیں ہے جان من۔ ایک غزل ساقط ہوتی ہے تو ہو جانے دو۔ ہم دو غزلہ اور سہ غزلہ کہہ سکتے ہیں۔" میرا یہ جملہ سن کر وہ ہنسکر مجھ سے لپٹ گئی۔

"تم کیا بلا ہو نعیم----- جی چاہتا ہے تمہیں ساتھ لے کر مدھو ساگر میں چھلانگ لگا دوں اور پھر ہم دونوں امر ہو جائیں۔" میں نے اس کو اپنی بانہوں کے حصار میں لیا تو اس نے میرے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے اور ڈلیش بورڈ لیمپ کی سرخ روشنی تاریکی میں ڈوب گئی۔

رخصت ہونے سے پہلے اس نے مجھے یہ ہدایت ضرور کی کہ میں اس کا دیا ہوا جیولری بکس اپنے ساتھ نہ لے جاؤں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے مہارانی کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو اور بمبئی میں میری نگرانی ہو رہی ہو۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے یہ کام دو ہفتے کے لئے ٹال دینا چاہئے۔ اس کے علاوہ ہم نے وہاں ملنے اور اس پریشانی سے نجات حاصل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا اور پھر تین دن بعد بمبئی میں ملنے کا وعدہ کر کے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔



تیسرے دن میں بمبئی پہنچ گیا اور یشودھرا کے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق ایک درمیانہ درجے کے ہوٹل میں مسعود احمد کے فرضی نام سے ڈبل روم اپارٹمنٹ میں ٹھہر گیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد لباس تبدیل کر کے شہر کی سیر کے لئے نکلا اور گرانٹ روڈ اسٹیشن سے چرچ گیٹ جانے کے لئے الیکٹرک ٹرین میں سوار ہوا۔ میں پرنس آف ویلز میوزیم دیکھنا چاہتا تھا لیکن یہ مقام چرچ گیٹ سے کچھ فاصلے پر تھا اور یہاں سے مجھے ٹیکسی پکڑنا تھی۔ میرے سامنے والی نشست پر چند مقامی ہندوؤں کے درمیان ایک صاحب شیروانی اور ترکی ٹوپی پہنے بیٹھے تھے اور بار بار میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ٹرین اسٹارٹ ہوتے ہی میں نے آغاز گفتگو کرنے کے لئے ان سے میوزیم کی جائے وقوع دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ وہ خود

بھی اسی طرف جا رہے ہیں اور میری رہنمائی کرنے میں خوشی محسوس کرینگے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے سگریٹ پیش کیا۔ انہوں نے کش لیتے ہوئے سوال کیا۔ "آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "لاہور سے۔" چند رسمی باتیں کرنے کے بعد انہوں نے نام پوچھا اور میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ "نعیم"۔ لیکن دوسرے لمحے ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور مسکرا کر کہا۔ "دراصل میرا نام مسعود احمد ہے بھائی جان۔ میں غلطی سے آپ کو اپنا تخلص بتا گیا۔"

یہ سنتے ہی انہوں نے ہنس کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ مجھے بھی شعر کہنے کا شوق ہے میں نفیس مالیگانوی تخلص کرتا ہوں۔ آپ غالباً" نعیم لاہوری لکھتے ہونگے۔"

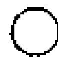
"نہیں نفیس صاحب میں مسعود نعیم لکھتا ہوں۔ وہ بھی کبھی کبھی۔ باضابطہ شاعر تو ہوں نہیں۔ بہرکیف آپ سے اتفاقیہ ملاقات ہو جانے کی خوشی کا اظہار کرنے کے لئے میرے پاس کافی الفاظ نہیں ہیں۔" میں نے سراپا انکسار بن کر کہا۔

"یہ آپ میرے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں نعیم صاحب۔ یقین فرمایئے آپ کی شخصیت میں کچھ ایسی کشش ہے کہ میں آپ سے متعارف ہونے کے لئے بے چین تھا۔"

"یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے نفیس صاحب۔ آج میں بالکل تنہا ہوں اور اگر آپ کی مصروفیات اجازت دیں تو کچھ دیر اپنے قریب کا شرف بخشئے۔"

وہ مسکرا دیئے۔ "مجھے ویسٹ اینڈ واچ کمپنی سے اپنی گھڑی لینے کے سوا شام تک کوئی کام نہیں ہے اس لئے ...."

"تو پھر۔" میں نے ہنس کر ان کا قطع کلام کیا۔ "قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو کہہ کر شعر مکمل کر دیجئے۔" نفیس صاحب ہنس دیئے تھوڑی دیر میں ٹرین چرچ گیٹ پہنچ گئی اور ہم ٹیکسی میں سوار ہو کر میوزیم کی طرف چل دیئے۔ نفیس صاحب نے ویسٹ اینڈ سے اپنی رسٹ واچ لی اور شام تک میرے ساتھ رہے۔ میوزیم کے علاوہ گیٹ وے آف انڈیا اور ڈاکیارڈ وغیرہ کی سیر کی۔ کئی ہوٹلوں میں چائے' کافی پی' ایک دوسرے کے شعر سنے۔ سیاسی حالات پر تبصرے کئے۔ ہنستے اور قہقہے لگاتے رہے۔ وہ بے حد دلچسپ اور ہشت پہلو شخصیت تھے۔ میں ان کے خلوص سے بہت متاثر ہوا۔ وہ ایک اردو روز نامے میں سب ایڈیٹر تھے اور خلافت ہاؤس میں جیلانی صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ آخر شام کو وکٹوریہ ٹرمنل پر میری قیام گاہ کا پتا اور فون نمبر وغیرہ نوٹ کر کے رخصت ہوئے اور میں ہوٹل چلا آیا۔



دوسری صبح یشودھرا اور سادھنا بمبئی پہنچنے والی تھیں۔ اس لئے میں ذرا سویرے اٹھا'

غسل اور ناشتے سے فارغ ہو کر سات بجے ان کو رسیو کرنے کے لئے بمبئی سینٹرل اسٹیشن پہنچ گیا۔ اور گجرات میل سے فرنٹیر میل تک ہر آنے والی ٹرین دیکھتا رہا۔ لیکن وہ کسی گاڑی سے نہ پہنچیں۔ آخر نو بجے جب تمام پلیٹ فارم مسافروں سے خالی ہو گئے اور ٹرین بھی یارڈ میں چلی گئی تو مایوس ہو کر ریفرشمنٹ روم کی طرف چل دیا۔ اس وقت میری پریشانی کی انتہا نہ تھی۔ ذہن متضاد خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں ہمارا منصوبہ ٹھپ نہ ہو جائے۔ ہم نے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ پلان مرتب کیا تھا۔ اور سادھنا نے ہز ہائی نس سے بمبئی جانے کی اجازت مل جانے کے بعد مجھے روانہ ہونے کا سگنل دیا تھا۔ پھر ان دونوں کے مقررہ وقت پر نہ پہنچنے کے معنی؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ریفرشمنٹ روم میں داخل ہو کر میں ایک میز پر بیٹھ گیا اور بیرا کو اشارے سے بلا کر ناشتہ اور چائے لانے کو کہا۔ وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ میں نے جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالا اور ایک سگریٹ سلگا کر دونوں چیزیں میز پر رکھ دیں۔ قریب ہی ایک پولیس افسر نے جو یونیفارم سے اے ایس آئی معلوم ہوتا تھا۔ چائے پیتے پیتے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ میں سگریٹ کے دھوئیں میں گھرا اپنے خیالات میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ ویٹر میرے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھ کر چلا گیا اور مجھے خبر تک نہ ہوئی اسی طرح سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔ آخر ویٹر نے خود ہی میری توجہ مبذول کرانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب آپ کا چائے ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

میں "اوہ!" کہہ کر چائے بنانے لگا۔ کپ اٹھا کر منہ سے لگایا تھا کہ اے ایس آئی میز سے اٹھا اور قریب آ کر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "معاف کیجئے گا جناب ...... آپ فلم اسٹار ہیں کیا---؟" میں نے ہاتھ سے کپ رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور ہنس کر کہا۔ " نہیں۔"

وہ مسکرا کر کہنے لگا۔ "تعجب ہے صاحب۔" میں نے اس کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے سگریٹ کیس اور لائٹر اور اس کی طرف سرکایا اور پھر چائے پینے لگا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور شکریہ کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ لائٹر میز پر رکھ کر کش لگا کر کہنے لگا۔ "تو کیا آپ جنیت نہیں ہیں جناب اور آپ نے "پاسنگ شو" میں کام نہیں کیا----؟"

میں نے ہنس کر جواب دیا---- "میں جنیت نہیں ہوں مسٹر......"

"کتھاریہ" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "میرا نام سرجو پرشاد کتھاریہ ہے۔ میں یہاں جی آر پی میں اے ایس آئی ہوں۔"

"میرا نام مسعود نعیم ہے۔" میں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس نے اٹھ کر مصافحہ کیا۔ "تو کتھاریہ صاحب ..... میں جنیت سے واقف تک نہیں ہوں اور "پاسنگ شو" میں کام کرنا تو درکنار "پاسنگ شو" کا نام بھی آپ سے سن رہا ہوں۔ گو میں خود ایک طرح کا "

پاسنگ شو" ضرور ہوں۔"
وہ ہنس دیا۔ "میں صبح سے آپ کو پلیٹ فارم پر دیکھ رہا ہوں۔ شاید آپ کسی کو ریسیو کرنے آئے تھے لیکن وہ نہیں پہنچ سکیں۔"
"آپ کا خیال صحیح ہے کتھاریہ صاحب میں کسی کو ریسیور کرنے آیا تھا لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی عورت ہی ہے؟"
"ہم پولیس والے بڑے پہنچے ہوئے ہوتے ہیں مسٹر نعیم ......" اس نے مسکرا کر کہا۔
"اور اب میں اس پوائنٹ پر آپ سے شرط لگا سکتا ہوں کہ میرا خیال غلط نہیں ہے۔"
میں نے ہنس کر کہا۔ "آپ دلچسپ آدمی ہیں مسٹر کتھاریہ۔ ہاں وہ عورت ہی ہے بلکہ ایک نہیں دو عورتیں۔ میری وائف اور سسٹر ان لاء۔"
"تو پھر" اس نے کہا۔ "شام کو پانچ بجے کاٹھیا واڑ ایکسپریس آتی ہے۔ اس پر بھی دیکھ لیجئے۔ شاید اس سے آجائیں۔"
"بہتر ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
"اوکے سر۔" اس نے اٹھتے ہوئے پھر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور کاؤنٹر پر پہنچ کر بل ادا کیا۔ اس نے اپنی چائے کا بل دینا چاہا تو میں نے کہا۔ "آپ نے میرے ساتھ چائے پی ہے۔" مینجر نے دونوں کا بل لے لیا۔ اور وہ گیٹ تک ساتھ آیا۔ میں نے یہاں پہنچ کر اس سے مصافحہ کیا اور ہوٹل کی طرف چل دیا۔
شام کو چار بجے میں نے لباس تبدیل کر کے چائے منگائی اور اسٹیشن جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ویٹر نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔"
"مجھ سے؟" میں نے کہا۔ "کون صاحب ہیں؟"
"دروازے پر کھڑے ہیں۔" اس نے چلتے چلتے رک کر کہا۔
"بھیجے جاؤ۔" میں نے کہا۔ ویٹر سر جھکا کر چل دیا۔ میرا ذہن فوراً" نفیس صاحب کی طرف منتقل ہوا۔ لیکن دوسرے لمحے کتھاریہ مسکراتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت گرم سوٹ پہنے ہوئے تھے اور بڑا پیارا لگ رہا تھا۔ "آیئے چائے پیجئے کتھاریہ صاحب۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بیٹھ گیا۔ میں نے پیالیوں میں چائے انڈیلی۔ دودھ شکر ڈالی اور ایک پیالی اس کی طرف بڑھائی۔ "میں اسٹیشن ہی جا رہا تھا مسٹر کتھاریہ۔"
"ظاہر ہے۔" اس نے پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ نے یہ نہیں پوچھا میں یہاں کس طرح پہنچا-----؟"
"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ آپ خود کہہ چکے ہیں کہ پولیس والے بڑے پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔"

وہ ہنس دیا۔ ”نہیں نعیم صاحب۔ میں نے اپ کو ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ڈیوٹی سے آف ہو کر گھر گیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور آپ کے پاس چلا آیا۔“

”آپ کی محبت ہے مسٹر کتھاریہ۔“ میں نے پیالی رکھتے ہوئے کہا۔

”سگریٹ پیجئے۔“ کتھاریہ نے سگریٹ سلگایا۔ مجھے اس کے طرز عمل پر حیرت تھی۔ اس کے اس قدر تیزی سے قریب آنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چائے ختم کر کے میں نے سگریٹ سلگایا اور چلنے کو اٹھا تو وہ بھی کھڑا ہو گیا اور مسکرا کر کہنے لگا۔ ”مسٹر نعیم کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہے کہ یہ کتھاریہ کیسا پولیس آفیسر ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں گلے کا ہار ہو گیا۔۔۔؟“

”ارے .... کمال کر دیا آپ نے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔ ”آپ کیا مجھے اتنا غیر مہذب سمجھتے ہیں کہ آپ کے خلوص کو نظرانداز کر کے ......“

”بھئی پولیس مین بھی تو ہوں۔ اس لئے آپ نہ جانے کیا ......“

”میں اس کو آپ کی محبت کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ آیئے۔“

وہ ”شکریہ“ کہہ کر مسکرا دیا۔ میں نے دروازہ بند کیا اور دونوں نیچے اترنے لگے۔ ہوٹل میں بمبئی سینٹرل اسٹیشن سے قریب ہی تھا۔ گیٹ پر آتے ہی کتھاریہ نے کہا۔ ”اگر اپ کی بیگم اس گاڑی سے آگئیں تو مسٹر کتھاریہ کو ان سے متعارف کرائیںگے آپ؟“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”ضرور مسٹر کتھاریہ۔ میں اسے عزت افزائی سمجھوں گا۔“

پولیس اسٹیشن کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہر سامنے آنے والے کانسٹیبل اور ہیڈ کانسٹیبل نے کتھاریہ کو اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ پورچ سے گزرتے ہوئے ہم پلیٹ فارم پر پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد کاٹھیا واڑ ا یکپریس آگئی اور رکتے ہی مسافروں کا ہجوم اُمڈ آیا۔ میں بڑھ کر فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کے قریب پہنچا۔ ایک انگریز اپنی بیوی اور لڑکی کے ساتھ نیچے اترا۔ کمپارٹمنٹ میں کوئی اور نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے کمپارٹمنٹ میں بھی اور لوگ تھے۔ وہ اس ٹرین سے بھی نہیں آئی تھی۔ میں پھر مایوس ہونے لگا۔ مسافروں کا رش ختم ہوتے ہی کتھاریہ میرے پاس آگیا۔ ”نہیں پہنچیں۔“ میں نے اس سے کہا۔ ”کوئی بات نہیں مسٹر نعیم۔“ صبح کی کسی نہ کسی ٹرین سے ضرور پہنچیں گے۔ کہاں سے آ رہی ہیں وہ؟

”نو ساری سے۔“ میں نے اصل مقام کا نام چھپاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے پھر...... فرنٹیر میل کے سوا تمام میل اور ایکسپریس ٹرینیں نو ساری پر ٹھہرتی ہیں۔ چلیں۔۔۔۔؟“

”چلئے۔“ میں نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ ”آپ کچھ ضرورت سے زیادہ پریشان ہو رہے ہیں۔ آیئے ہمارے گھر چلئے۔“ اس نے ایک وکٹوریہ کی طرف چلتے ہوئے کہا۔ میں نے ”شکریہ“ کہہ کر پیچھا چھڑانا چاہا تو اس نے میرا.

بازو تھام لیا اور وکٹوریہ میں سوار ہو گیا۔ "آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں مسٹر کتھاریہ۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "چلئے ہوٹل چلئے۔ وہاں کچھ پئیں گے۔ آپ پیتے تو ہیں نا؟" وہ ہنس دیا۔ وکٹوریہ چل دی۔ کوچوان سے مہابیر نیشن، لیمنگٹن روڈ چلنے کو کہہ کر میری طرف مخاطب ہوا۔ "ہمارا تمام خاندان پیتا ہے مسٹر نعیم۔ ہم گجراتی ناگر برہمن کھانے پینے کے معاملے میں بہت آگے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن میں آپ کی مسز اور دوسرے فیملی ممبرز کی موجودگی میں نہیں پی سکتا۔" میں نے اپنی کمزوری ظاہر کی۔

"اچھا نہ پینا۔" اس نے کہا۔ "گراموفون پر گانے سنتے رہنا۔ چائے تو پی سکتے ہو نا۔۔۔؟" میں خاموش ہو گیا۔ بلڈنگ کے سامنے گاڑی رکتے ہی اس نے کرایہ ادا کیا اور دونوں نیچے اتر کر زینہ چڑھنے لگے۔ یہ چار منزلہ عمارت تھی اور وہ سب سے اوپر کی منزل پر رہتا تھا۔ آخری زینہ چڑھتے ہوئے کہنے لگا۔ "مسٹر نعیم میں تمہاری بھابی کو حیرت میں ڈالنے کے لئے تمہیں جنیت کہہ کر متعارف کراؤں گا۔ تھوڑی دیر بظاہر نہ کرنا۔"

میں نے کہا "کیا فائدہ مسٹر کتھاریہ؟" اس کا طرز عمل میری سمجھ سے بالا تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ "ذرا مذاق رہے گا۔" میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔ ایک لمحے میں دروازہ کھلا اور اندر بجلی سی چمک گئی۔ ایک سرو قامت پچیس چھبیس سالہ حسینہ نے مخمور نظروں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔ کتھاریہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "آجایئے مسٹر جنیت۔" میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ کتھاریہ نے دروازہ بند کر دیا اور پلٹ کر کہا۔ "ان سے ملئے مسٹر جنیت۔ یہ ہیں مسز اندو کتھاریہ۔" میں نے اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا اس نے "آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" کہہ کر ہاتھ بڑھا دیا۔ میں اس کی ترقی پسندی پر خفیف ہو کر رہ گیا۔ آخر بادل ناخواستہ مصافحہ کیا اور مسکرا کر کہا۔ "آپ کے مزاج کیسے ہیں؟"

"فائن" کہہ کر اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ میں "شکریہ" کہہ کر بیٹھ گیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔ کتھاریہ کھڑا دیکھتا رہا۔ "سرجو!" اپنے مسکرا کر کہا۔ "کچھ میں تو مسز جنیت کی عمر پچیس تیس کے درمیان نظر آتی ہے لیکن ویسے یہ انیس بیس سال سے زیادہ نہیں ہیں۔۔۔۔!؟"

کتھاریہ نے ہنس کر کہا۔ "ہاں میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"سرجو بھائی آپ سے مذاق کر رہے ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا "میرا نام مسعود نعیم ہے مسز کتھاریہ۔"

"اوہ!" وہ ہنس دی۔ "تم بھی خوب ہو سرجو۔"

"ہیں ہی!" لیکن کیا یہ جنیت کی ٹرو کاپی نہیں ہیں۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"آپ کو معلوم نہیں۔" میں نے پلٹ کر کہا۔ "جنیت میری کاپی ہے۔ میں ایکٹر نہیں اوریجنل ہوں مسٹر کتھاریہ۔"
"آپ کی مراد ہے کہ اصل ہیرو۔" اندر نے پوچھا۔
"آپ کو کیا نظر آتا ہوں۔ ہیرو یا ویلن۔؟"
"سائیڈ ہیرو۔" اندر نے ہنس کر کہا۔
"پھر آپ مجھے صرف کتھاریہ کا نیا دوست سمجھئے۔ سائڈ ہیرو بننا میری توہین ہے۔" کتھاریہ" ایکسکیوزمی" کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے اندو کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ وہ مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

میں نے سلسلہ کلام جاری رکھنے کے خیال سے سگریٹ کا دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔ "سرجو بھائی کہاں چلے گئے؟" اس نے دوسرے کمرے کی طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "شاید کچن میں چائے کے لئے کہنے کو گئے ہیں۔"
"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ ہم نے ابھی چائے پی ہے۔" میں نے کہا۔
"اور سہی۔"
"سائیڈ ہیرو زیادہ چائے نہیں پیا کرتے۔"
"اور بھی کئی چیزیں پلائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ ....." وہ ہنسنے لگی۔ اسی وقت کتھاریہ واپس آگیا اور کہنے لگا۔ "چائے کے ساتھ کیا پسند کرینگے آپ؟" سوال مجھ سے تھا۔

"آپ زحمت کر رہے ہیں مسٹر کتھاریہ ...... کہیں سیر کو چلتے تو بہتر تھا----؟"
"چائے پی کر چلیں گے۔" اس نے کہا۔ "اندو کیا تم تیار ہو؟"
"اگر سینما چلو تو تیار ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ کتھاریہ نے میری طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے۔ میں بھی آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا؟" میں نے کہا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ اسی وقت ایک لڑکی چائے کی ٹرے لے کر آگئی۔ وہ حسن' شباب اور صحت کی مکمل تصویر تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ میری نظریں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ منجلی ساڑی سے اس کی رعنائیاں جھلک رہی تھیں۔ وہ ایک شراب تھی ناچشیدہ۔ ایک کلی تھی نودمیدہ۔ اندو کی تمام صباحتیں' تمام نزاکتیں اس سادہ حسن کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ مجھے کتھاریہ کی خوش قسمتی پر رشک آنے لگا۔ وہ اس میدان میں اگر مجھ سے آگے نہ تھا تو پیچھے بھی نہ تھا۔ اندو نے چائے بناتے ہوئے انکھیوں سے اس کو میری طرف دیکھتے پا کر کہا۔ "درگا گراموفون پر کسی گانے کا ریکارڈ تو رکھو ذرا۔" درگا نے ایک

منٹ میں اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اور متانانہ قدموں سے چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں غائب ہو گئی۔ ہم چائے پینے لگے۔ چند لمحوں بعد کمرے میں موسیقی کی لہریں ابھرنے لگیں۔ اور یہ سلسلہ کھانے تک چلتا رہا۔ کھانے کے دوران ان کے اندراز پذیرائی سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کے جانے پہچانے دوست ہیں۔ میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پر خلوص مہمان نوازی کتھاریہ کے خاندانی خصائل کی آئینہ دار تھی یا صوبہ گجرات کی دیرینہ روایات میں شامل تھی؟ ساڑھے آٹھ بجے کھانے سے فارغ ہو کر ہم قریبی سینما میں آخری شو دیکھنے چل دیئے۔ میرے انتہائی اصرار کے باوجود کتھاریہ نے مجھے ٹکٹ نہ خریدنے دیئے۔

گیلری میں آتے ہی مینجر نے ٹارچ کی لائٹ سے آخر صف کی درمیانی نشستوں کی طرف اشارہ کیا اور ہم بیٹھ گئے۔ اندو ہم دونوں کے بیچ والی سیٹ پر تھی۔ جس وقت ہم پہنچے کسی انگریزی فلم کا ٹریلر دکھایا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد پکچر شروع ہو گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد اندو کا سر میرے کندھے پر آ گیا۔ میں اس کو اتفاق سمجھ کر نظرانداز کرتا را لیکن جب سر کے علاوہ اس کا ہاتھ بھی میری گود میں آ گیا تو میری توجہ اسکرین سے ہٹ کر اندو پر مرکوز ہو گئی۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ میں نے کتھاریہ کی طرف دیکھا' وہ پکچر دیکھنے میں محو تھا۔ اندو کا ہاتھ میرے ہونٹوں پر چپک گیا۔

فلم ختم ہونے کے بعد انہوں نے مجھے اپنے گھر لے جانے پر بہت اصرار کیا۔ میں تھک چکا تھا۔ اسلئے میں نے دونوں کا شکریہ ادا کیا اور صبح پھر ملنے کا وعدہ کر کے ہوٹل چلا آیا دوسرے روز صبح کی گاڑیاں آتی رہیں اور ایک ایک کر کے خالی ہوتی رہیں۔ میرے لئے مایوسی کے سوا کسی میں کچھ نہ تھا۔ میری گھبراہٹ بڑھنے لگی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ را تھا کہ یشودھرا کہاں رک گئی۔ یہ تمام پروگرام اس نے سادھنا کے مشورے سے مرتب کیا تھا۔ اورینٹل ہوٹل کا قیام۔ میرا فرضی نام مسعود احمد اور اپنا سلطانہ مسعود سب کچھ انہی کا تجویز کردہ تھا۔ انہیں میرے بمبئی پہنچنے کے چوبیس گھنٹے بعد یہاں پہنچنا تھا اور اڑتالیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ پروگرام میں تبدیلی کا میرے پاس کوئی حل نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ واپس پور لوٹ جاؤں۔ لیکن لوٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ نہ معلوم وہ کب اور کس وقت یہاں پہنچ جائیں۔

فرنٹیر میل خالی ہو جانے کے بعد میں نے یارڈ میں ٹہلتے ہوئے کتھاریہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں ریفرشمنٹ روم کی طرف چل دیئے۔ چائے پینے کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹے تک میں کتھاریہ کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور دوپہر کو ہوٹل میں اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دے کر واپس چلا آیا۔ ریسپشن کاؤنٹر پر پہنچ کر خلافت ہاؤس۔ ٹیلیفون کیا۔ دوسری طرف ریسیور اٹھایا گیا اور آواز آئی۔ "ہیلو۔ جیلانی۔" میں نے ان کو آداب عرض کر کے کہا۔ "

"مہربانی فرما کر نفیس صاحب کو اروینٹل ہوٹل بھیج دیجئے۔" انہوں نے پوچھا "کون صاحب بول رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مسعود نعیم کہہ دیجئے۔"

جیلانی نے "بہتر ہے" کہہ کر ریسور رکھ دیا۔ میں نے اوپر آ کر کمرہ کھولا اور کپڑے تبدیل کر کے ان کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ نصف گھنٹہ نہیں گزرا تھا کہ نفیس صاحب مسٹر جیلانی کے ساتھ آ پہنچے۔ مصافحے معانقے کے بعد چائے سگریٹ سے تواضع کی اور یہ سلسلہ ایک بجے کتھاریہ کے آنے تک چلتا رہا۔ کھانے کے تھوڑی دیر بعد وہ دونوں رخصت ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی میں نے کپ بورڈ سے بوتل گلاس نکالے اور تین بجے تک دونوں پیتے رہے۔ تیسرے پیگ پر کتھاریہ کے چہرے سے نشے کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ میں نے ہاتھ روک لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھر جانے کے لئے اٹھ کر چلنے لگا تو اس کی لڑکھڑاہٹ دیکھ کر میں نے اس کو پھر بٹھا دیا۔ وہ ہنس کر کہنے لگا۔ "کچھ زیادہ ہو گئی نعیم، بہتر ہو گا نعیم تم مجھے گھر پہنچا دو۔" میں اس کی حالت دیکھ کر ہنس دیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ اس نے نشے میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "یونیفارم پہنے ہوئے نہ ہوتا تو تمہیں تکلیف نہ دیتا نعیم۔" میں نے کہا۔ اس میں کیا تکلیف ہے مسٹر کتھارہ یہ میں چل رہا ہوں۔" وہ بولا۔ "تم مائنڈ نہ کرنا مائی ڈیئر میں تمہیں صرف نعیم کہہ رہا ہوں ......" میں نے ٹائی کی گرہ لگاتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں سرجو بھائی آپ بڑے ہیں۔"

اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہاں میں تمہیں چھوٹا بھائی سمجھ کر ہی نعیم کہتا ہوں ...... مجھے تم سے محبت ہے۔ میرا کوئی چھوٹا نہیں۔ تمہیں میرے بھائی ہو۔ ہو نا؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "کوئی شک ہے کیا۔۔؟"

وہ سن کر مسکرایا۔ اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا میرے پاس آیا اور ہاتھ پھیلا کر بولا "آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔" میں نے کوٹ کا ایک بٹن لگایا اور اس کو سینے سے لگا کر کہا ...... "بس سرجو بھائی۔ اب تو خوش ہو؟ تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلنے لگا۔ سڑک پر آ کر میں نے ایک وکٹوریہ روکی اور اس کو تھام کر مہابیر مینشن لے گیا اوپری منزل پہنچ کر وہ کسی قدر سنبھلا اور بغیر سہارے کے آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اندو اس کی حالت دیکھ کر سمجھ گئی کہ پیے ہوئے ہے۔ بازو سے پکڑ کے بیڈ روم میں لے گئی اور مسہری پر بٹھا کر یونیفارم اتارنے لگی۔ میں اس کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ کتھاریہ یونیفارم کے نیچے سلیپنگ پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اندو نے اس کو لٹاتے ہوئے پوچھا۔ "کافی پیو گے سرجو؟"

اس نے بھاری آواز میں کہا "ہاں سوئی ضرور لیکن اس کو بھاگنے نہ دینا ...... یہ میرا

بھائی ہے۔ پہلے یہ کافی پیئے گا پھر میں کافی پیوں گا ..... پہلے یہ کھانا کھائیگا .... پھر میں کھانا کھاؤں گا۔ تم سمجھیں' پہلے یہ اس کے بعد میں۔"

اس نے ہنس کر کہا۔ "بس ڈارلنگ .... اب آرام کرو .... آؤ نعیم۔" سٹنگ روم کو جانے کی بجائے وہ میرا ہاتھ تھام کر پینٹری کی طرف لے گئی۔ اندر ایک کوچ پر درگا سو رہی تھی۔ آہٹ پاتے ہی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور اٹھتی ہوئی بولی۔ "صاحب گئے کیا اندوبائی----؟"

اندو نے کہا۔ "ہاں۔ لیکن سو رہے ہیں۔"

درگا نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ "چائے پئیں گے آپ؟" اندو نے میری طرف سے جواب دیا۔ "ابھی نہیں۔ ایک گھنٹے کے بعد۔"

درگا نے کہا۔ "اچھا ...." اندو پیچھے مڑی اور مجھے لئے ہوئے سٹنگ روم کی طرف لوٹی۔ میں نے چلتے چلتے بیڈ روم میں مسہری پر نظر ڈالی۔ کتھاریہ خراٹے لے رہا تھا۔ سٹنگ روم میں آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا۔ کھڑکیوں کے پردے کھینچے اور میری گردن میں جھول گئی۔ ہونٹ ملے' اس کا دباؤ بڑھنے لگا اور وہ مجھے لئے ہوئے صوفے پر گر گئی۔

ساڑھے چار بجے جب مجھے اسٹیشن جانے کا ہوش آیا تو اس نے کافی تیار کرا کے کتھاریہ کو جگا دیا اور مجھے پھر رک جانا پڑا۔ اس وقت تک کی پریشانیوں کے پیش نظر مجھے یہ گاڑی نہ دیکھنے کا کوئی افسوس نہ ہوا۔ کافی پینے کے بعد کتھاریہ کسی قدر سوبر ہو گیا۔ ساڑھے پانچ بجے کے قریب میں اٹھا پھر واپس آنے کا وعدہ کر کے ہوٹل چلا آیا۔

دو روز اور گزر گئے۔ میں صبح و شام تمام گاڑیوں پر پہنچتا رہا اور ہر مرتبہ مایوس ہو کر لوٹتا رہا۔ آخر اکتا کر میں نے یہ بے مصرف دوڑ بھاگ ترک دی اور سیرو تفریح میں وقت گزارنے لگا۔ بمبئی میں میرے لئے بے پناہ کشش تھی۔ اورینٹل ہوٹل بجائے خود مرکز حسن و کمال تھا جہاں بیک جنبش ابرو ہر سامان نشاط فراہم کیا جا سکتا تھا۔ ہر فلور پر کال گرلز کے کمرے تھے جو فلم اسٹارز' پلے بیک سنگرز اور کلاسیکل ڈانسرز کے ناموں کی آڑ میں ادارہ خدمت خلق چلا رہی تھیں۔ میری جیب میں ہر ایسے دروازے کی چابی تھی لیکن مجھے اس کے استعمال کی فرصت نہ تھی۔ جہاں "کھل جا سم سم" کہنے سے دروازہ کھلتا ہو وہاں چابی کون استعمال کرتا ہے۔ اور میں کہ مزاج لڑکپن سے شاعرانہ تھا ماحول کی رنگینیوں میں گم ہو کر رہ گیا۔

آج میری رخصت کا چھٹا دن تھا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر اٹھا ہی تھا کہ ایک ویٹر نے آ کر کہا۔ "آپ کا ٹیلیفون ہے۔" میں اپارٹمنٹ کا دروازہ بند کر کے کاؤنٹر پر آیا۔ مینجر نے ریسیور میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے ماؤتھ پیس میں "ہیلو مسعود بول رہا ہوں" کہا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "مسعود ڈارلنگ تمہاری سلطانہ بول رہی ہے۔ میں چار روز سے ہوٹل میجنک میں ہوں .... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ پریشان تو نہیں ہو۔۔۔۔۔۔؟" وہ اکسا ئٹمنٹ میں بولے چلی جا رہی تھی۔

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "آہ سلطانہ .... میری روح ...... پریشان کیا ...... یہ کیوں نہیں پوچھتیں کہ اب تک خود کشی کیوں نہیں کی ..... خیر میں آ رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ "نہیں نہیں ابھی نہ آنا۔ یہاں میرے ساتھ پوری فوج ہے۔ میں بذریعہ کار آئی ہوں۔"

"خوب" میں نے کہا۔ "میں یہاں تمام دن اسٹیشن کے چکر کاٹتا رہتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے میری جان میں مجبور تھی۔ ہز ہائی نس کے حکم سے۔ خیر شام کو میں تمہیں کلینک سے فون کروں گی اور تم مجھ سے مل سکو گے۔ میں تڑپ رہی ہوں نعیم۔ ارے معاف کرنا مسعود ڈیئر۔ تم مجھ سے محبت تو ....."

"ہاں سوئٹی۔" میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "تمہاری محبت ہی میری زندگی ہے۔ جس روز میں تمہاری محبت سے دست کش ہوا۔ میری روح میرے جسم سے دست کش ہو جائیگی۔ اور یہ تم خود بھی جانتی ہو' دوسری طرف سے ماؤتھ پیس کو بوسہ دینے کی آواز آئی اور میں ہنس دیا۔ اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔ "میں شام کو آٹھ اور ۹ بجے کے درمیان "مینڈوزا ہیلتھ ویز سے تمہیں فون کروں گی۔" اس وقت صرف سادھنا سوری۔ فرزانہ محمود۔ تمہاری کیا۔۔۔۔؟" وہ ہنس دی۔

"میری بھابی ....." میں نے ہنس کر کہا۔

"ہاں بس صرف وہی میرے ساتھ ہوں گی۔ میں ڈر رہی ہوں نعیم ..... مسعود۔"

"میں آٹھ بجے تمہارے پاس ہوں گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں ڈارلنگ ...... میرے فون سے پہلے نہیں ...... پلیز۔"

"اوکے ڈیئریسٹ۔"

"گڈ بائی مسعود۔"

"خدا حافظ ......" میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ نگاہیں ملتے ہی مینجر نے مسکرا کر دوسری طرف منہ پھرا لیا۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے اپارٹمنٹ کی طرف چل دیا۔ چائے پی کر تھوڑی دیر شام کے اخبار کا مطالعہ کیا۔ اور ساڑھے پانچ بجے کے قریب لباس تبدیل کر کے کتھاریہ سے ملنے چل دیا۔ فلیٹ کا دروازہ نصف سے زیادہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے صوفے پر اندو اور اس کے برابر میں ایک اٹھائیس تیس سالہ فربہ اندام گورا چٹا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ کمرہ ملی جلی آوازوں اور قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ میں نے دروازے پر ہاتھ مارا۔ اندو اور کتھاریہ نے بیک وقت مڑ کر اس طرف دیکھا۔ کتھاریہ نے صوفے سے

اٹھتے ہوئے کہا۔ "ارے تم ہو۔ اندر آ جاؤ"
میں اندر داخل ہوا تو اندو نے بھی اٹھ کر "جنیت" کہا سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی ایک بیس اکیس سالہ فتنہ قیامت نے اٹھتے ہوئے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور دیکھتی چلی گئی۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور سانس لینا بھول گیا۔ وہ زلزلتہ الارض کی شان نزول تھی۔ میں نے اس سے پہلے اتنے حسین خدوخال' اتنا گداز جسم اور اس قدر دل میں چبھنے والے مخروطی ابھار ایک جگہ کبھی نہیں دیکھتے تھے۔ وہ زبیدہ گریٹا گاربو اور مارلین ڈیٹرش کا مجموعہ تھی۔ اس میں اس طرح کھویا ہوا تھا کہ یہ سوچنا بھی گوارا نہ کیا کہ میرے پیچھے صوفے پر بیٹھا ہوا شخص اس کا شوہر بھی ہو سکتا ہے اور اس نامعقول حرکت پر بگڑ کر گھونسہ بھی لگا سکتا ہے۔ آخر اندو نے میری محویت سے دلی کیفیت کا اندازہ لگا کر مداخلت کی ضرورت محسوس کی اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔" جنیت مسٹر شلیندر دیوان سے ملو۔" میں ایک طویل سانس لے کر پیچھے مڑا۔ دیوان نے اٹھ کر ہاتھ ملایا اور مسکرا کر مزاج پرسی کی۔ وہ سوٹ پہنے ہوئے ہونے کے باوجود ناٹے قد اور بڑھے ہوئے پیٹ کے باعث کسی گور دوارے کے حلوے کا کڑاہ معلم ہوتا تھے جو بتدریج متھر کے چوبے جی میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ دیوان سے متعارف کرانے کے بعد اندو نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا "اور یہ ہے میری چھوٹی بہن۔ ششی کلا۔ اس دیوان کے بچے کی نصف بہتر۔" ششی کلا نے ہات بڑھا کر مصافحہ کیا اور مسکرا کر کہنے لگی۔ "بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر جنیت۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "مجھ سے مل کر .... یا جنیت سے .... مسز دیوان ـــــ؟"

اس نے میرے ہاتھ پر گرفت سخت کرتے ہوئے کہا۔ "آپ سے مل کر .... لیکن کیا آپ مسٹر جنیت نہیں ہیں؟"

"نہیں مسز دیوان .... میں جنیت نہیں ہوں۔ میرا نام مسعود نعیم ہے۔ یہ سرجو بھائی کی جدت ہے کہ ...."

"اوہ!" وہ کتھاریہ کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔" یہ سرجو بھائی تو عجیب چیز ہیں۔ مجھے بھی بے بی گاربو کہتے ہیں۔"

اندو نے پھر مداخلت کی۔ "بیٹھ جاؤ نعیم۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ششی کے ہاتھ سے ہاتھ نکالا اور کتھاریہ کے برابر بیٹھ گیا۔ ششی آگے بڑھ کر اپنے شوہر کے پاس بیٹھ گئی۔ دیوان نے جیب سے سونے کا سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "سگریٹ پیجیے مسٹر؟"

اندو نے کہا۔ "نعیم۔" میں نے ہاتھ بڑھا کر سگریٹ کیس اٹھایا اور سگریٹ نکال

لیا۔ ششی نے دو سگریٹ نکالے ایک دیوان کے منہ میں ٹھونسا دوسرا اپنے منہ میں لگا کر لائٹ دی اور ہنس ہنس کر کش لینے لگی۔ کتھاریہ نے مسکرا کر کہا۔ ”مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ سگریٹ سے محروم کر دیا گیا؟“ اس نے سگریٹ کیس کھول کر دیکھا، بند کیا، اور کتھاریہ کے ہاتھ میں دیتی ہوئی بولی۔ ”سب تمہارے۔“ سگریٹ کیس خالی تھا۔ دیوان اٹھ کر دوسرے کمرے میں سگریٹ لینے چلا گیا۔ ششی نے میری طرف دیکھا۔ ”آپ نے یہ نہیں پوچھا ہم کہاں رہتے ہیں؟“ میں نے مسکرا کر آنکھوں سے اپنے دل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”آپ کے رہنے کے قابل تو نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ آپ قلب گجرات میں رہتی ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی۔ اندو نے اس الجھے ہوئے جملے پر چونک کر کہا۔ ”احمد آباد۔ گجرات کے قلب میں تو نہیں ہے۔“

”اوہ! ...... بڑودہ سمجھا تھا میں۔“ میں نے ٹالنے کے خیال سے کہا۔ اس نے اشارہ نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ششی کی ہنسی اور ذومعنی جملے سے سمجھ گئی کچھ گھپلا ہے ضرور۔ کہنے لگی۔ ”اگر بڑودہ بھی ہے تو وہ رہنے کے قابل کیوں نہیں؟“

”میں سمجھتا ہوں کہ بمبئی سے کم درجے کا شہر ان کا شایان شان نہیں۔“ میرا جواب تھا۔ کتھاریہ نے بات ختم کرنے کے لئے کہا۔ ”ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔“ اندو مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ درگا کچن سے نکل کر کمرے میں آئی اس وقت دیوان بھی سگریٹ لے کر آ گیا۔ اندو اٹھ کر درگا کے ساتھ مرہٹی میں باتیں کرنے لگی۔ جو کھانے پکانے سے متعلق تھیں۔

ساڑھے سات بجے کے قریب کھانا میز پر چنا جانے لگا۔ میں نے کتھاریہ سے رخصت چاہی تو وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ ”کچوریاں نہیں کھلا رہے بھئی۔ بھاگتے کیوں ہو؟“

”کچوری سے بھی نہیں بھاگتا۔ لیکن مجھے آٹھ بجے ایک جگہ جانا ہے۔“

اندو نے کہا۔ ”ایک گھنٹہ لیٹ سہی۔ کھانے کے سامنے سے اٹھنا گناہ ہے۔“ میں ہنس دیا۔

ششی نے اندو کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”پیتے ہیں؟“

اندو نے ہنس کر کہا۔ ”پیتا نہیں انڈیلتا ہے۔ کتنی ہے تمہارے پاس؟“

”جتنی کہو۔ بمبئی کے وائن اسٹورز خالی تو نہیں ہو گئے۔ شیلندر!“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”ان سے نہ کہئے مسز دیوان میں لے آتا ہوں۔“ سب نے قہقہہ لگایا۔ دیوان بھی ہنس دیا۔ جیب سے چابی نکال کر ششی کو دیتے ہوئے بولا۔ ”میرے ٹرنک میں اسکاچ کی دو بوتلیں ہیں۔ ایک لے آؤ۔“ کتھاریہ نے ہنس کر کہا۔ ”اونٹ کے منہ میں زیرہ نہ ڈالو ششی دونوں نکال لاؤ۔“ ششی اٹھ کر اٹھلاتی ہوئی چل دی۔ اندو نے اس کی چال دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو مسکرا کر منہ لیا۔

کتھاریہ سب کچھ جانتے ہوئے انجان بن گیا۔
تھوڑی دیر کھانا شروع ہو گیا۔ ششی نے پانچ گلاسوں میں انڈیلی۔ سوڈا ملایا اور میری طرف دیکھ کر بولی۔ "ٹوسٹ پلیز۔"
"سرجو بھائی کی صحت کا جام۔" میں نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔
جام خالی کر کے سرجو نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "میری صحت کو کیا ہوا ہے؟" ایک مشترکہ قہقہہ لگا۔ اسی وقت میں نے اپنے پاؤں پر دباؤ محسوس کیا ...... سامنے بیٹھی ہوئی ششی کی طرف دیکھا۔ وہ گلاس کی آڑ میں مسکرا رہی تھی۔ میرے پاؤں پر اس کے سینڈل کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ تیسرے پیگ پر کتھاریہ اور دیوان نے ہاتھ روک لیا اندو بھی "بس" کہہ کر اٹھ گئی۔ ششی دوسری بوتل اٹھا کر کارک کھولنے لگی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "کافی ہو گئی مسز دیوان ...... مجھے بہت دور جانا ہے ...... کل دیکھیں گے۔" اس نے میز کے نیچے میرے پیر کو زوردار ٹھوکہ دیا اور کارک کھولتے ہوئے کہا۔ "میں کل کا انتظار نہیں کرتی جناب۔"
مجھے یہ خاندان ضرورت سے زیادہ ایڈوانسڈ نظر آیا۔ ساڑھے آٹھ بجے بمشکل پیچھا چھڑا کر نکلنے میں کامیاب ہو سکا۔ بلڈنگ سے نیچے اترتے ہی ٹیکسی پکڑی اور ٹیلیفون کے چکر میں پڑنے کی بجائے سیدھا مالا بار ہل کی طرف روانہ ہو گیا۔ کلینک کے مین گیٹ پر ہی ٹیکسی چھوڑ کر میں پیدل اندر داخل ہوا۔ پورٹیکو میں دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں نے بائیں ہاتھ سے سینے کے قریب فلیٹ تھام رکھی تھی۔ تاکہ مانوس چہرہ نظر آتے ہی ہیٹ کی آڑ میں منہ چھپایا جا سکے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے انکھیوں سے کاروں کی طرف دیکھا۔ یشودھرا کی پیکارڈ کھڑی ہوئی تھی۔ شاید وہ خود ہی ڈرائیو کر کے یہاں پہنچی تھی۔ ہال میں آتے ہی میں نے ایک نرس سے بیگم سلطانہ مسعود کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا "اگر آپ مسٹر مسعود ہیں تو تیسری منزل پر روم نمبر ۶۵ میں چلے جائیں۔"
"میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس نے لفٹ کی طرف اشارہ کیا۔ میں لپک کر لفٹ میں پہنچا۔ آپریٹر سلام کر کے ایک طرف ہٹ گیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دروازہ بند کیا اور تیسری منزل کا بٹن دبایا۔ لفٹ اوپر جانے لگی۔ میں نے روم نمبر ۶۵ کی سمت پوچھی تو سر جھکا کر بولا۔ میں ساتھ چل رہا ہوں۔"
لفٹ آپریٹر نے روم نمبر ۶۵ کی کال بیل پر ہاتھ رکھا۔ ایک نرس نے دروازہ کھول کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنا نام بتایا۔ وہ مسکرا کر پورا دروازہ کھولتے ہوئے بولی' تشریف لائیے۔ میں اس کے پیچھے چل دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک سائیڈ ڈور کھولا۔ سامنے یشودھرا بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سادھنا اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی مسکراتی ہوئی اٹھی اور بولی۔ "جگانا نہیں اس کو نعیم۔ ڈاکٹر نے مارفیا کا انجکشن دیا ہے۔"

میں نے غور سے یشودھرا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ "ویسے پوزیشن کیا ہے سادھنا دیوی؟" میں نے گیلری والے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا.......

"شام چار بجے آپریشن روم سے آئی ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ نے مجھے فون نہیں کیا۔"

"سات بجے کے بعد فون کرنے کا ارادہ تھا لیکن یشودھرا کچھ تکلیف محسوس کرنے لگی اس لئے ڈاکٹر نے اس کو سلا دیا۔"

"اب میں کس وقت بات کر سکوں گا۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں۔ ٹھہرو ڈاکٹر سے پوچھتی ہوں۔" اس نے یشودھرا کی مسہری کے سرہانے لگا ہوا بزر دبایا۔ تھوڑی دیر میں بغلی دروازے سے لیڈی ڈاکٹر اندر آئی۔ سادھنا نے مسکرا کر کہا۔ "میٹ مسٹر مسعود ڈاکٹر: اس نے مسکرا کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ اور مبارکباد دی۔ سادھنا نے کہا۔ ڈاکٹر یہ اپنی وائف سے بات کرنے کو بے چین ہیں۔"

"ڈاکٹر مسکرا دی۔" ظاہر ہے لیکن انہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ کم از کم تین گھنٹے۔ اگر خود جاگ اٹھیں تو اور بات ہے۔

سادھنا نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "اب تو انتظار کرنا ہی پڑے گا۔ پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تھینک یو ڈاکٹر" لیڈی ڈاکٹر مسکرا کر چل دی۔ سادھنا نے اپنی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور دونوں اس طرف چل دیئے۔ میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔" آپ بمبئی کب پہنچیں سادھنا دیوی؟ میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

آج چوتھا دن ہے۔ مجھے افسوس ہے تم بہت پریشان ہوئے ہو گے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ ہز ہائی نس نے ہمیں ٹرین سے نہیں آنے دیا۔ دو نوکرانیاں اور تین باڈی گارڈ کے ساتھ کر کے بذریعہ کار بھیجا ہے۔ ہوٹل میجسٹک میں قیام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب بتاؤ ہم تمہیں کس طرح ملتے اور کہاں ملتے۔"

"یہاں کس طرح پہنچیں؟"

"ہم دونوں دوپہر سے گورنر کے ہاں مہمان ہیں۔ یشودھرا نے تمہیں گورنمنٹ ہاؤس سے ہی فون کیا تھا۔"

"یہاں کب تک رہنا ہو گا آپ کو؟"

"بارہ گھنٹے اس کے بعد ہم گورنر ہاؤس چلے جائیں گے۔" ایک روز قیام کرنے کے بعد پھر ہوٹل .... دو تین روز بعد جب یشودھرا بالکل تندرست ہو جائے گی تو واپس ہو جائیں گے۔ اور یہ تو بتاؤ کہ "تم کب تک ٹھہرو گے؟"

"جب تک رخصت ختم نہ ہو جائے۔ آخری دن شام کی گاڑی سے بمبئی چھوڑ دوں گا۔ ہوٹل میں فون کر سکتا ہوں؟"

"نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔"

"تو پھر آپ مجھے فون کریں۔"

"مشکل ہے۔ وہ دونوں ہر وقت ہمارے ساتھ رہتی ہیں اور ان میں سے ایک انگریزی بھی سمجھتی ہے۔ پرمیلا .... شاید تم جانتے ہو۔"

"جی نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔" میں صرف راج کماریوں کو جانتا ہوں۔"

سادھنا منہ پر رومال رکھ کر ہنسنے لگی۔" تم بڑے شیطان ہو نعیم۔ میں نے جھک کر آداب عرض کیا۔ وہ ہنس دی۔ پھر بات بدلنے کے خیال سے بولی۔" یہ بتاؤ کھانا کھا کر آئے ہو یا نہیں؟"

میں نے کہا۔ "کھانا کھا چکا ہوں۔ کافی پی سکتا ہوں اگر ممکن ہو۔"

"ممکن کیوں نہیں ہے۔ یہاں ایک اشارے پر ہر چیز۔ جملہ پورا کئے بغیر اس نے جھک کر دیوار میں لگا ہوا بزر دبایا اور پلٹ کر مسکراتی ہوئی بولی۔ "نعیم یشو تمہیں دیکھ کر جلتی ہے۔" میں بھی ناخوش نہیں ہوں لیکن ----" اسی وقت ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی اور وہ بولتے بولتے رک گئی۔ نرس کی طرف دیکھ کر بولی۔ "کافی پیئیں گے ہم وہ سر جھکا کر واپس ہو گئی۔ میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ "آپ کچھ فرما رہی تھیں۔"

اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ہاں نعیم۔ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے .... اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے۔ وہ نہیں ہے جو ہونا چاہئے۔ کاش تم کسی راج محل میں پیدا ہوئے ہوتے۔"

"شکریہ" یور ایکسی لنسی۔ "میں نے سر جھکا کر کہا۔" لیکن مجھے خوشی ہے اپنے حالات پر۔ افسوس راج محل میں پیدا ہونے پر ہوتا اگر ٹھگنا اور بدشکل چیچک رو ہوتا۔ سادھنا بے ساختہ ہنس دی۔ اور بولی "تم واقعی خوبصورت شیطان ہو نعیم۔ تمہارے سوچنے کا انداز----!"

"اس وقت تک آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا .... کیا عرض کروں۔" میں ہنس کر خاموش ہو گیا۔

"میں سمجھ گئی۔ تم کہنا چاہتے ہو ...... جب تک میں خود محبت کر کے نہ دیکھوں۔"

"جی نہیں---- میں کیسے یقین کر سکتا ہوں کہ آپ نے کسی سے محبت نہیں کی ہو گی۔" وہ خاموش ہو گئی اور یشودھرا کی طرف دیکھنے لگی۔ میں اس کی آنکھوں میں کرب کی تحریر ابھرتے دیکھ کر چپ ہو گیا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور نرس کافی لے کر آ گئی اور آہستہ سے ٹرے رکھ کر چلی گئی۔ سادھنا نے پیالیاں سیدھی کیں اور کافی انڈیل کر ایک پیالی میری طرف سرکائی۔ میں نے یشودھرا کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر پیالی اٹھائی اور پھر نہ جانے کس طرح پیالی پھسل کر فرش پر گری اور چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گئی۔ میر ے ادہ

کہہ کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا پیالی ٹوٹنے کی آواز سے یشودھرا جاگ اٹھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے مضمحل چہرے پر ابھری۔ "اور نعی ای ایم" کہہ کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ سادھنا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بکھری ہوئی کافی اور پیالی کے ٹکڑوں سے بچتی ہوئی گیلری والے دروازے کی طرف چل دی۔ میں نے جھک کر یشودھا کا منہ چوم لیا۔ اس کی انگلیاں میرے بالوں میں پھنس کر رہ گئیں۔" "یشو میری جان۔" "میری چاندنی۔ میں نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیسی طبیعت ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں ڈارلنگ۔ کب آئے تم؟" اس نے جواب دیا۔

"واقعی ٹھیک ہو ...... یا مجھے تسلی دینے کے لئے کہہ رہی ہو؟"

"سچ ...... میں ٹھیک ہوں نعیم ...... بتاؤ کب آئے تم ......؟ میں نے کلائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ڈیڑھ گھنٹہ ہوا۔"

"اچھا بیٹھو...... بہت پریشان تو نہیں ہوئے؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "نہیں اب پریشان نہیں ہوں۔" وہ مسکرا دی۔

گیارہ بجے تک باتیں کرنے کے بعد میں نے اجازت چاہی۔ یشودھرا نے کہا۔ "کس طرح جاؤ گے، نعیم ...... یہاں ٹیکسی اسٹینڈ نہیں ہے۔" میں چکرا گیا۔ اس نے سادھنا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پیکارڈ کی چابی دے دو۔"

"میرے خیال میں یہ ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "آپ کی گاڑی پر دلاس پور کی پلیٹ ہے۔ ایک معمولی ہوٹل کے سامنے اس کا پارک کیا جانا غلط ہے۔ میں پیدل چلا جاؤں گا راستے میں ٹیکسی مل جائے گی۔"

سادھنا نے کہا۔ "یہی مناسب ہے ......"

یشودھرا نے کہا "صبح آؤ گے نا؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

دوسرے دن میں صبح دس بجے سو کر اٹھا۔ شیو اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا اور کپڑے پہن کر کلینک پہنچا۔ اس وقت یشودھرا ہشاش بشاش تھی۔ دوپہر کا کھانا کلینک میں یشودھرا اور سادھنا کے ساتھ کھایا۔ انہوں نے مجھے اسی دن دلاس پور لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔ وہ خود بھی تین چار دن بعد واپس ہونے والی تھیں۔ شام کو چار بجے چائے پی کر میں واپس ہونے لگا تو یشودھرا دروازے تک چھوڑنے آئی۔ میں نے اس کو الوداعی بوسہ دیا اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ نیچے پہنچنے کے بعد وہ دیر تک بالکنی سے ہاتھ ہلاتی رہی۔

شام کو میں کستھاریہ کے گھر پہنچا تو کستھاریہ کے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا

ہو کر

اور اندر شنی کے سوا کوئی نہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر دروازے پر آئی اور سرگوشی کے لہجے میں بولی۔ "نعیم فوراً" واپس ہو جاؤ۔ میں تم سے ملنے کے لئے تڑپ ہی ہوں۔ کسی ایسی جگہ کا نام بتاؤ جہاں سات بجے مل سکو۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اندر تو آنے دو۔" اس نے کواڑ تھام کر کہا۔ "نہیں۔ اندر آ گئے تو اندو باتھ روم سے آ جائیگی اور تم رک کر رہ جاؤ گے۔" میں اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور مجھے اندر کھینچ کر دروازہ بند کرتے ہوئے ایڑیاں اٹھا کر ہونٹ چوم لئے۔ ایک منٹ کچھ جذباتی سا رویہ اختیار کرتی رہی۔ پھر سنبھل کر بولی نہ بتاؤ کہاں؟ میں نے اپنے ہوٹل کا نام اور روم نمبر بتایا تو کہنے لگی۔ "نہیں۔ وہاں سرجو بھائی پہنچ جائیں گے۔ اچھا چرچ گیٹ اسٹیشن پر ہندو ریفر-شمنٹ روم میں میرا انتظار کرو۔ پلیز۔"

میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "تو پھر سات بجے کیوں؟ میں سیدھا چرچ گیٹ جا رہا ہوں۔ دس منٹ بعد تم بھی آ جاؤ۔ ممکن ہے ہم سنٹرل اسٹیشن پر ہی مل جائیں۔"

"او کے۔ گڈ بائی۔" اس نے دروازہ بند کر دیا اور میں تھاریہ سے ملے بغیر چل دیا۔ شاید وہ اس وقت گھر پر تھا بھی نہیں۔ میں ریل سے چرچ گیٹ پہنچا۔ تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد وہ بھی مل گئی۔ وہ مجھے کسی اچھے ہوٹل لے جانا چاہتی تھی لیکن میرے انکار پر چپ ہو گئی۔ ہم دونوں ٹیکسی لے کر الموڑا ہوٹل پہنچے۔ وہاں چوتھی منزل پر ہمیں ایک کمرہ مل گیا۔ منیجر نے سامان ساتھ نہ ہونے کا باعث پہلے کسی قدر پس و پیش کی لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ ہم اورینٹل ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور صبح یہاں منتقل ہو جائیں گے تو اس نے معذرت طلب کی اور ہمیں کمرہ دے دیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی وہ وارفتگی کی آخری منزل پر تھی۔ گریٹا گاربو کے ابھار میرے دل میں برے کی طرح پیوست ہونے لگے۔ ہاتھ پھیلاتے ہی وہ میری بانہوں میں تھی اور اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں میں شیرینی گھول رہے تھے۔ دوسرے لمحے ہم مسہری میں سما گئے۔ میرے خیال کے مطابق وہ نہ صرف واقف آداب جمال بلکہ نہایت رواں چلتا پرزہ ثابت ہوئی۔ میں نے اس کو آرٹ کی انتہائی بلندیوں تک پہنچایا اور جب بہشت کے دروازے کھٹکھٹا کر زمین پر لوٹے تو وہ دھنکی ہوئی روئی کا ڈھیر تھی۔

ہم صبح چار بجے تک کھاتے پیتے رہے اور ہفت افلاک کی سیر کرتے رہے۔ غرض یہ کہ شنی نے مجھے زندگی کی بعض ایسی لذتوں سے مانوس کیا جن سے میں قطعی ناواقف تھا۔

شنی کے جانے کے بعد مجھے یشودھرا کی ہدایت کا خیال آیا' اس کے کہنے کے مطابق تو مجھے کل رات ہی دلاس پور روانہ ہو جانا تھا' والٹ لینے کی بجائے دلاس پور میں ہی لائیڈس بنک کی برانچ میں والٹ حاصل کر لینا زیادہ مناسب اور آسان رہے گا۔ مہاراجہ از

خود مجھے دس دن کی چھٹی مرحمت فرمائی تھی اور اب ہفتے پندرہ دن میں بمبئی جانے کے لئے مزید چھٹی کا ملنا ایک محال سی بات تھی لیکن اب مناسب یہی تھا کہ میں مزید دیر نہ کرتا اور دلاس پور روانہ ہو جاتا چنانچہ میں نے کتھاریہ کو فون کر کے اپنی روانگی کی اطلاع دی۔ اس نے میرے اس طرح اچانک جانے پر بہت واویلا مچایا' وہ چاہتا تھا کہ وہ لوگ مجھے الوداعی دعوت دیں اور اس کے بعد مجھے اسٹیشن رخصت کرنے جائیں لیکن میں جانتا تھا کہ اس طرح میرا بھرم کھل جانے کا اندیشہ ہے اس لئے میں نے کتھاریہ کی ایک نہ سنی۔ کتھاریہ سے بات کرنے کے بعد میں نے نفیس صاحب سے بھی فون پر ہی رخصت چاہی اور پھر اسی دن شام کو دلاس پور روانہ ہو گیا۔

میں دوسرے دن شام کو دلاس پور پہنچا اور سیدھا اپنے کوارٹر کا رخ کیا۔ کوارٹر میں داخل ہوتے ہی میں نے سب سے پہلے اس بات کا اطمینان کیا کہ جیولری بکس اپنی جگہ موجود ہے' غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا اور کیپٹن دلیش لکھ سے ملنے چل دیا۔ وہ مجھے چھٹی ختم ہونے سے پہلے ہی دلاس پور میں دیکھ کر حیران ہوئے۔ لیکن میں نے یہ کہہ کر ان کی حیرت دور کر دی کہ میں سیروتفریح چھوڑ کر اس لئے یہاں آگیا ہوں کہ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

بمبئی سے میں ان کے لئے چند تحفے لایا تھا وہ ان کی خدمت میں پیش کئے اور پھر ان کی شراب کی پیش کش کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر رد کر دیا۔ میں ان پر مکمل بھروسہ کرتا تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ اس سنگین معاملے میں انہیں اپنا شریک کر لیتا۔ میری چھٹی ختم ہونے میں ابھی دو دن باقی تھے اور میں ان دنوں میں مکمل آرام کرنا چاہتا تھا۔ بمبئی میں بہت آوارگی کی تھی لیکن زندگی اس عیاشی اور بے فکری کے سوا بھی کچھ تھی۔ میں اپنی اور یشو کی آئندہ زندگی کے بارے میں منصوبہ بنانا چاہتا تھا۔

یشودھرا نے بمبئی جانے سے پہلے مجھے جیولری بکس اپنے ساتھ لے جانے سے منع کر دیا تھا کیونکہ اس کے خیال میں یہ خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اور اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ بمبئی میں سیف ڈپازٹ عرصے تک میں اس جیولری بکس کو جس میں کئی لاکھ کی مالیت کے زیورات تھے۔ اپنے گلے کا ہار نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

میں نے اپنے اردلی واسو کو ہدایت کر دی کہ وہ کسی کو میری آمد کے بارے میں نہ بتائے اور اگر کیپٹن دلیش لکھ پوچھیں تو کہہ دے کہ میری طبیعت خراب ہے اور میں سو رہا ہوں۔ اپنا کمرہ اندر سے بند کر کے گیارہ بجے رات تک میں پیتا رہا اور سوچتا رہا۔ سوچتا رہتا اور پیتا رہا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ آنے والے دن میرے لئے کیا لے کر آ رہے ہیں۔ یشودھرا کی محبت مجھے پر خطر اور انجان راہوں پر لے جا رہی تھی اور میں اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور تھا۔ اس مجبوری کی ایک وجہ یشودھرا کی دیوانہ بنا دینے والی محبت تھی اور

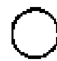
دوسری وجہ میری طبیعت کی ہنگامہ خیزی اور خطر پسندی۔

یشودھرا سے پہلے بھی میری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئی تھیں اور یشو کے بعد بھی میں نے نرملا' اور ششی جیسے معرکے سر کئے تھے۔ لیکن یہ سب عورتیں میرے لئے محض نتوحات کی حیثیت رکھتی تھیں جبکہ یشو میری زندگی کی وہ پہلی عورت تھی جس کا قرب حاصل ہونے کے باوجود میں اسے دیوی کا درجہ دیتا تھا۔ اس نے میری خاطر اپنی عزت اپنا عیش و آرام غرض یہ کہ اپنی ہر چیز میری محبت میں داؤ پر لگا دی تھی۔

میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ نہ جانے اس کی طبیعت اب کیسی ہو گی؟ اس کے کہنے کے مطابق ایک دو دن میں اسے ولاس پور پہنچ جانا چاہیے۔ آخر ہم دونوں کب تک اس طرح تمام دنیا سے چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے۔؟ یشودھرا کو باضابطہ طور پر اپنانے کا کوئی طریقہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان اصل خلیج تو مذہب کی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندو یہ کیونکر برداشت کر لیں گے کہ ان کی راجکماری کو ایک مسلٹا بیاہ کر لے جائے اور وہ دیکھتے رہیں۔ کرنل رگھبیر سنگھ کا معاملہ تو جیسے کل ہی کی بات تھی۔ لیکن ایک رگھبیر سنگھ کے ختم ہو جانے سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہز ہائی نیس' مہارانی اور اس کے علاوہ راجکماروں اور راجکماریوں کی ایک فوج میری دشمن ہو جائے گی۔ ریاست کی ہندو رعایا تو الگ رہی۔ پھر محل میں وجود اعلیٰ ہندو افسر کیا مجھے چھوڑ دیں گے؟

یہ سب کچھ سوچتے سوچتے میرا ذہن ماؤف سا ہو گیا۔ میں نے زندگی میں کبھی اتنی دیر تک کسی مسئلے پر اتنی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا لیکن اس مرتبہ میں حالات کی ایک ایسی بھول بھلیاں میں پھنس گیا تھا جس سے نکل جانا کچھ ناممکن سی بات تھی۔

ان ہی خیالات سے الجھتے الجھتے نہ جانے مجھے کب نیند آ گئی اور پھر دوسرے دن گیارہ بجے کے قریب کھلی۔ غسل سے فارغ ہو کر میں نے ناشتہ کیا' اپنا بہترین سوٹ نکال کر پہنا' یشو کی دی ہوئی تمام چیزوں سے بھرا ہوا جیولری بکس براؤن رنگ کے ایک تھیلے میں لپیٹا اور لائڈس بنک جا پہنچا۔ میری شخصیت' میرا لباس اور رکھ رکھاؤ دیکھ کر انگریز مینجر نے بہت اہتمام سے میرا استقبال کیا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں مہاراجہ آف ولاس پور کے باڈی گارڈ دستے میں سارجنٹ ہوں تو وہ مزید خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ میں نے اپنے نام سے ایک والٹ لیا اور اس میں یشو کی دی ہوئی تمام چیزیں رکھ کر والٹ کی چابی لے کر واپس راج محل چلا آیا۔



دوسرے دن میں حسب معمول اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ کیپٹن ویش مکھ کے لئے میں بمبئی سے جو تحفے لایا تھا۔ اس میں اسکاچ وہسکی کا ایک پورا کیس بھی تھا۔ شاید اسی

لئے انہوں نے رات مقدار سے کچھ زیادہ ہی پی لی تھی اور صبح ان کی طبیعت اس قدر خراب تھی کہ وہ ڈیوٹی پر حاضر نہ ہو سکے۔

میں ہز ہائی نس کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"ناگم۔ تم اس عرصے میں ہمیں کئی مرتبہ یاد آئے۔" مہاراجہ نے حقے کا کش لگاتے ہوئے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

"یہ سب کچھ حضور کا کرم ہے' عزت افزائی ہے۔ حضور کے چرنوں سے دور میں بہت بے چین تھا۔" میں نے ان کے قدموں کو چھوتے ہوئے کہا۔

"شاید اسی بیتابی کے سبب تم بمبئی سے راج محل آنے کے لئے دو دن بعد ہمارے حضور حاضر ہوئے ہو۔" مہاراجہ نے مجھے چبھتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا اور میں لرز کر رہ گیا۔ میرے راج محل لوٹ آنے کی خبر صرف چند ہی لوگوں کو تھی اور انہیں بھی میں نے منع کر دیا تھا کہ وہ میری واپسی کا ذکر مہاراج سے نہ کریں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ بمبئی میں میری نگرانی کی جا رہی تھی؟ کیا یشو کا اور میرا بھید کھل گیا؟ یہ تمام خیالات ایک لحظے کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن میں گھوم گئے اور میرا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔

"حضور۔ میری کیا مجال کہ میں یہاں پہنچتے ہی حضور کے قدموں کی دھول کو اپنی آنکھوں سے لگانے کے لئے حاضر نہ ہوتا۔ لیکن میری طبیعت بہت خراب تھی اور میں ایسے عالم میں حضور کو اپنی صورت نہیں دکھنا چاہتا تھا۔" میں نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے نیچی نگاہوں سے کہا۔

"خوب۔ تو یہ بات تھی' بمبئی سے واپسی پر طبیعت کی خرابی تو ظاہر سی بات ہے۔ ہمیں دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ ہمارا ٹائیگر ناگم دیش ناریوں میں بہت مقبول ہے۔ مہاراج نے کہا۔ میں نے دیکھا کہ وہ زیر لب مسکرا رہے تھے۔ اور یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ مہاراج میری طبیعت کی خرابی کا سبب کچھ اور سمجھے تھے اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ بمبئی میں میری نگرانی نہیں ہوئی ہے بلکہ یہیں کسی نے مہاراج کو میری آمد کی اطلاع دے دی ہے۔

اس دن مہاراج کے کمرے سے باہر آیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میرے خدا میں کن الجھے ہوئے معاملوں میں پھنس گیا تھا۔ رات کا کھانا میں نے کیپٹن کے ساتھ ہی کھایا اور کھانے کے بعد ہم کو نیک پیتے رہے اور غم غلط کرتے رہے۔

ڈیوٹی پر حاضر ہونے کے تیسرے دن یشودھرا' راجکماری سادھنا اور اپنی داسیوں کے ساتھ بذریعہ کار ولاس پور واپس پہنچ گئی۔ جس وقت وہ اور سادھنا کماری بالائی منزل کی طرف جانے کے لئے لفٹ کی طرف بڑھیں اتفاق سے اسی وقت میں سامنے کے کمرے سے ٹہلتا ہوا نکل رہا تھا۔ یشو کو دیکھ کر میرا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ ایک لمحے کے لئے تمام

اخلاقی آداب بھول کر میں اس کی طرف بڑھا لیکن پھر عقل نے میرے پیر روک لئے' میں نے اٹینشن ہو کر دونوں کو سلام کیا اور وہ سر کے اشارے سے میرے سلام کا جواب دیتی ہوئی لفٹ میں داخل ہو گئیں۔ میرا جی چاہا کہ لپک کر لفٹ میں سوار جاؤں لیکن یہ آداب کے خلاف تھا اس لئے میں دل مسوس کر رہ گیا۔ میرے لئے تو اتنا بھی بہت تھا کہ میں نے چند لمحوں کے لئے ہی سہی یشو کو اتنے قریب سے دیکھ تو لیا تھا۔ وہ مجھے کچھ کمزور سی نظر آئی۔ اور میرا دل اس کے لئے کٹ کر رہ گیا۔ میری خاطر وہ کیسے ذہنی اور جسمانی دکھ بھوگ رہی تھی' میرا جی چاہا کہ میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر کہیں اتنی دور لے جاؤں جہاں یہ خطرے اور یہ احتیاطیں نہ ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ میری بس میں نہ تھا اور میں کسی جھنجلائے ہوئے شیر ببر کی طرح رداہ داری میں ٹہلتا رہا۔

دو دن گزر گئے لیکن یشو سے نہ تو فون پر بات ہو سکی اور نہ ہی ملاقات کی راہ نکلی۔ تیسرے دن شام ساڑھے چار بجے کے قریب میں مہاراج کی قیام گاہ والی منزل پر سیکرٹری کے کیبن میں تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ یشودھرا مجھے اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی وہ سیدھی کیبن کے سامنے آ کر رکی' میں اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور جھک کر آداب بجا لایا۔

"بڑے ظالم ہو۔ ہم تمہاری وجہ سے اتنی مصیبتیں بھگتا کئے اور تم نے ہمیں پلٹ کر بھی نہ پوچھا۔" اس نے مسکرا کر شکایت کی۔

"تم راج محل کی راجکماری نہ ہوتیں پھر دیکھتیں کہ میں تمہیں کس طرح سینے سے لگا کر رکھتا۔ یہاں ہزار تو بندشیں ہیں اوپر سے مجھے الزام دیتی ہو۔ میں تو کب سے تمہارے درشن کو ترس رہا ہوں۔"

"اچھا سنو' جیولری بکس محفوظ تو ہے؟" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"ہاں--- میں نے اسے یہیں لائیڈس بنک کے والٹ میں رکھ دیا ہے۔ آخر کب تک اپنے کوارٹر میں رکھتا۔"

"چلو ٹھیک ہے یہاں ہی سہی۔ لیکن جیسے ہی موقع ملے تمام چیزیں بمبئی لے جانا۔ ان چیزوں کا ولاس پور میں رہنا خطرے سے خالی نہیں یشو کی پیشانی پر فکر کی لکیریں ابھر آئیں۔

"تم فکر نہ کرو۔ تمام فکریں میرے لئے چھوڑ دو۔" میں نے اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں چومتے ہوئے کہا۔

"اچھا' بھائی قاضی جی میری تمام فکریں سمیٹ کر بیٹھو' میں تو چلی۔" یہ کہہ کر اس نے ہونٹوں کا دائرہ سا بنا کر ایک ہوائی بوسہ میری طرف اچھال دیا۔ میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی' وہاں دور دور تک کسی کا نام و نشان بھی نہ تھا' میں تیزی سے اس کے قریب ہو

گا۔ "اب اتنا بے چین تو نہ کرو کہ میں یہیں تمہیں چوم لینے پر مجبور ہو جاؤں۔"

"کیوں اتنے بیتاب ہو؟" یشو کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"تمہیں میری بیتابی میں کبھی کمی بھی محسوس ہوئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اچھا تو سنو میں دس منٹ بعد دائیں جانب کے پانچویں کمرے میں تمہارا انتظار کروں گی۔

"خطرہ تو نہیں ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نعیم ٹائیگر بھی خطرے سے ڈرتا ہے۔" یشودھرا کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

"نعیم خطرے سے نہیں تمہاری بدنامی سے ڈرتا ہے۔" میں نے کہا۔

"دس منٹ بعد" اور بس اتنا کہہ کر وہ لچکتی ہوئی اسی کمرے کی جانب چلی گئی۔

یشودھرا کے جانے کے پانچ منٹ بعد مہاراج کے سیکرٹری مہتا صاحب واپس آ گئے۔ وہ کسی ضروری کام سے مجھے وہاں بٹھا کر گئے تھے۔ میں نے ان سے وقت گزاری کے طور پر ادھر ادھر کی چند باتیں کیں اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ مہتا صاحب سے رخصت ہو کر میں کیبن سے باہر نکلا اور بڑے نارمل انداز میں ٹہلتا ہوا یشودھرا کے بتائے ہوئے کمرے کی جانب بڑھا۔ اس کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر ہی سگریٹ سلگانے کے بہانے رکا اور کیبن کی طرف دیکھا' مہتا صاحب کسی سے فون پر بات کر رہے تھے اور میری خوش قسمتی سے ان کی پشت میری طرف تھی۔ راہداری میں کوئی اور بھی نہ تھا۔ میں اس لمحے کو غنیمت جان کر بے دھڑک دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک وسیع سٹنگ روم تھا اور یشودھرا سامنے ایک کوچ میں دھنسی ہوئی کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ رسالہ میز پر رکھ کر اٹھی۔ میں نے پھرتی سے دروازہ لاک کیا اور دوسرے ہی لمحے یشو میری بانہوں میں تھی اور میں اسے کچھ ایسی بے تابی سے پیار کر رہا تھا جیسے وہ اس کی اور میری پہلی خلوت ہو۔

ہم دونوں اپنی دنیا میں گم تھے کہ اچانک کسی نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔ اس کی آواز سنتے ہی ہم دونوں ایک دوسرے سے اس طرح الگ ہوئے جیسے ہمیں بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔

"اندر کون ہے؟" یہ ہرہائی نس کی آواز تھی' میں نے بوکھلا کر یشو کی طرف دیکھا وہ خوف سے لرز رہی تھی اور اس کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔

میرا فعال ذہن ہزارون میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلنے لگا۔ آج میرا خاتمہ یقینی تھا۔ اور چوہے کی طرح ما [illegible] جانے سے مجھے شدید نفرت تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا' فرار کی کوئی راہ نہ تھی [illegible] یشو [illegible] اشارہ کیا کہ وہ مہارانی کے سوال کا جواب دے دے ورنہ

وہ فوراً" مشکوک ہو جاتیں۔

"ماتا جی۔ اندر میں ہوں' ابھی دروازہ کھولتی ہوں۔ یشو نے کہا۔ اور اسی لمحے میری نظر ایک دیو پیکر الماری کی طرف گئی۔ ٹیک کی یہ بھاری بھرکم الماری یہاں اس لئے تھی کہ سٹنگ روم میں آرام کرنے والے راجکمار یا راجکماریاں اپنے کوٹ' کیپ یا سوئٹر وغیرہ تھوڑی دیر کے لئے اس لماری میں رکھ سکیں۔ میں ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس الماری کی طرف لپکا اور دوسرے ہی لمحے میں الماری کے اندر تھا۔ میں نے الماری کا وہ پٹ کھینچ کر بند کر لیا جس کے پیچھے میں کھڑا تھا اور دوسرا بھی کھینچ کر تقریباً" برابر کر لیا۔ بس ذرا سی جھری چھوڑ دی تاکہ مجھے سانس لینے میں وقت محسوس نہ ہو۔

اسی لمحے یشودھرا نے دروازہ کھول دیا' اور مجھے آوازوں سے اندازہ ہوا کہ مہارانی کئی اور راجکماریوں اور داسیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔

"سٹنگ روم کا دروازہ بند کرنے کی کیا ضرورت تھی یشو؟" ان کا لہجہ خاصا سخت تھا۔

"مجھے تو معلوم بھی نہ تھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے' شاید جب میں اندر آئی ہوں گی اسی وقت بے دھیانی میں دروازہ لاک کر دیا ہو گا" یشو نے کہا۔

"آئندہ ایسی بے دھیانی سے کام نہ لینا۔" مہارانی کے لہجے میں سرزنش تھی۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے ہیں کہ اس وقت میرا کیا عالم تھا۔ مجھے الماری کے اس خانے میں نہ جانے کب تک ساکت و صامت کھڑے رہنا تھا' میری وحشت کا یہ عالم تھا کہ میں سانس بھی آہستہ سے لے رہا تھا کہ یشودھرا کی حالت بھی مجھ سے کسی طرح بہتر نہ ہو گی۔

میں یہ سمجھا تھا کہ مہارانی دس پندرہ منٹ بعد وہاں سے رخصت ہو جائیں گی لیکن آج تو وہ جیسے قسم کھا کر بیٹھی تھیں کہ اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کر دیں گی۔ یہ ہلکے جاڑے کا موسم تھا لیکن اول تو کمرہ روشن آتشدان کی وجہ سے گرم تھا' پھر اوپر سے مجھ پر الماری میں کھڑے رہنے کی جو آفت نازل ہوئی اس نے مجھے سر سے لے کر پیر تک پسینے میں ڈبو کر رکھ دیا۔ میری ٹانگیں شل سی ہو گئیں اور میں اب ماؤف ذہن سے یہ سوچ رہا تھا کہ ہلے جلے بغیر میں کتنی دیر اور اسی طرح کھڑا رہ سکوں گا۔

میرے کانوں میں مہارانی اور سادھنا کماری کی باتوں کی آواز آ رہی تھی' کبھی کبھی یشودھرا کی آواز بھی کان میں آجاتی تھی۔ کہ اچانک میرے کانوں سے مہارانی کی آواز ٹکرائی۔

"اف یہاں تو بہت گرمی ہے۔ پرمیلا ذرا میرا یہ کوٹ اتارنا تو سہی۔" مہارانی اپنی داسی سے مخاطب تھیں۔

"ہاں واقعی بہت گرمی ہے۔ پرمیلا میرا کوٹ بھی الماری میں لٹکا دینا یہ راجکماری سادھنا کی آواز تھی۔ پھر چند لمحوں بعد الماری کا دروازہ کھلا اور مجھ پر بجلی سی گر پڑی۔

ایک زنانہ ہاتھ گرم کوٹ تھامے الماری میں داخل ہوا۔ میں سرک کر دوسرے پٹ کی آڑ میں ہو گیا۔ کوٹ ہینگر پر لٹکا کر آنے والی داسی نے جو یقیناً" پرمیلا ہی ہو گی۔ دروازے کا کھلا ہوا پٹ بند کیا اور چلی گئی۔ شکر ہے دروازہ پوری طرح بند نہیں ہوا تھا اور مجھے سانس لینے کے لئے ہوا مل رہی تھی۔ میری گھبراہٹ کی انتہا نہ تھی۔ یہ چند لمحے میرے لئے قیامت کی صدیاں بن کر گزرے اور قیامت کا سلسلہ جاری تھا۔ مہارانی ابھی تک باتیں کئے جا رہی تھیں۔ ان کی آواز جو ہمیشہ میرے لئے تقویت اور سکون کا باعث ہوا کرتی تھی اس وقت مجھ پر گراں گزر رہی تھی۔ یشودھرا کی ناعاقبت اندیشی نے مجھے چوہے دان میں بند کرا دیا تھا اور ان کی گھریلو باتوں کا ایک ایک جملہ میرے لئے موت کی سرگوشی اور چلنے والی کے قدموں کی آہٹ موت کے قدموں کی چاپ سے کم نہ تھی۔ ہرہائی نس کے نائیگر کی حالت خود ہرہائی نس کے خوف سے بیریم سلفیٹ کھائے ہوئے چوہے سے بدتر تھی۔ مجھے اپنی حماقت، گھبراہٹ حتیٰ کہ اپنی ذات پر غصہ آنے لگا۔ دل چاہتا تھا دھڑاکے سے الماری کے دونوں پٹ کھول کر باہر نکل پڑوں اور پستول تان کر۔ جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے، کہتا ہوا کمرے سے دندناتا ہوا نکل جاؤں۔ لیکن دوسرے لمحے ہی اس خیال کو جھٹک دینا پڑا۔ باہر نکل کر کہاں جا سکتا تھا۔ ایک بزر کے دباتے ہی راج محل کے اندرونی اور بیرونی تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور ہر دروازے پر بندوقوں اور سنگینوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا---- اور پھر؟---- یشودھرا کی بدنامی؟ کیا میری موت سے بھی اس کی تلافی ممکن تھی؟ میں اس کی بدنامی کے تصور سے کانپ اٹھا---- میرے لئے خاموشی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔

نصف گھنٹہ امید وبیم میں صدیوں کی طرح رینگ رینگ کر گزرا آخر میرے کانوں میں ہرہائی نس کی آواز آئی---- "چلو یشودھرا کھانے کا وقت ہو گیا۔ ہز ہائی نس ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" میں نے ان کے آخری الفاظ سن کر اطمینان کا سانس لیا۔ سب کے اٹھ کر چلنے کی آہٹ ہوئی اور میں پرمیلا کے الفاظ سن کر پھر لرز اٹھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آپ کا چسٹر وارڈ روب سے لے آؤں یور ہائی نس؟"

مہارانی نے کہا---- "نہیں---- یہیں رہنے دو۔" مجھے ان کے الفاظ سن کر اپنے بچ نکلنے کی امید ہونے لگی---- چند لمحوں میں کمرہ خالی ہو گیا اور میں نے دروازہ بند

ہونے کی آواز سنی۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد وارڈ روب سے باہر نکلا اور طویل سانس لے کر حواس مجتمع کر کے کمرے کے دروازے پر نظر ڈال کر سگریٹ سلگایا۔ اب مجھے کسی قدر اطمینان تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں بھی مجھے صرف اپنی جان کے خطرے کے سوا یشودھرا کی بدنامی کا ڈر نہ تھا۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ کر باہر نکلنے کے متعلق سوچنے لگا۔ میری گھڑی میں آٹھ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے اور یہ ہزہائی نس کے کھانا کھانے کا وقت تھا۔ کاریڈور میں کبھی کبھار کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دیتی اور پھر سکوت طاری ہو جاتا۔ سگریٹ ختم کر کے میں دبے پاؤں دروازے کے قریب آیا اور ہینڈل گھما کر کھولنا چاہا---- اور سہم کر رہ گیا۔ دروازہ مقفل کر دیا گیا تھا۔ پلٹ کر عقبی دروازے پر آیا اور اندر کا سیفٹی کیچ کھول کر ہینڈل گھمانے کی کوشش کی۔ ادھر بھی لاک تھا۔ میں مایوس ہو کر لوٹا اور سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ راہ فرار مسدود تھی۔ بڑی دیر تک سوچتا رہا لیکن کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔ کھڑکیوں پر چاندی کی مضبوط جالیاں تھیں۔ وینٹی لیٹر فرش سے بارہ فٹ کی بلندی پر تھے۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ رات کے وقت سٹنگ روم ویسے بھی بند رہتا تھا۔ اور اب رات ہی تو تھی۔ ایک ہلکی سی امید کی کرن نظر آتی تھی۔ اور وہ یہ کہ یشودھرا کسی نہ کسی وقت مجھے نکالنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ لیکن نصف شب سے پہلے اس کا بھی امکان نہ تھا۔ اور نصف شب کے بعد ہر کاریڈور کے سرے پر ایک مسلح گارڈ موجود ہوتا تھا اور پھر یشودھرا کس طرح آ سکتی ہے۔ تاوقتیکہ گارڈ کو خریدنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ لیکن کیا وہ ایسا کر سکے گی؟ سوچتے سوچتے میرا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ آخر گھبرا کر اٹھا۔ دونوں دروازوں کے سیفٹی کیچ چڑھائے اور ایک کے سوائے تمام بتیاں گل کر کے صوفے پر دراز ہو گیا۔ اب میں کم از کم صبح ہونے تک محفوظ تھا۔ میری ڈیوٹی صبح دس بجے سے شروع ہوتی تھی اور میں اس وقت یونیفارم میں تھا۔ لہٰذا اگر دس بجے تک بھی باہر نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں تو بچ نکلنے کے امکانات تھے۔ اس خیال سے مجھے کسی قدر اطمینان ہوا۔ صوفے کی پشت سے لگا ہوا ریشمین تکیہ لے کر سر کے نیچے رکھا اور سگریٹ سلگا کر لیٹا لیٹا پینے لگا۔ نیند سے آنکھیں بوجھل ہونے لگیں تو اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ گیارہ بجے راہداری اور گیلری کی بتیاں گل ہو گئیں اور ہر طرف خاموشی مسلط ہو گئی میں ٹہلتا ٹہلتا ملحقہ کلوک روم کی طرف چل دیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ بتی جلاتے ہی واشنگ بیسن کے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر چونک گیا اور گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں کون تھا جو دکھائی دیتا۔ آئینے کے فریم پر نظر پڑتے ہی مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور ہنسی آنے لگی۔ اسی وقت میری نظر کلوک روم کے بغلی دروازے پر پڑی۔ ہینڈل گھما کر کھولتے ہی چار فٹ کے فاصلے پر سامنے ایک دروازہ نظر آیا۔ میں نے غیر شعوری طور پر نیچے کی طرف دیکھا تو خوف سے لرز اٹھا اور گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرے سامنے چار فٹ کا چوکور خلا تھا

جس میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ خوف کا اثر زائل ہوتے ہی میں نے آگے جھک کر دیکھا تو تمام معاملہ سمجھ میں آگیا۔ یہ ایک خفیہ لفٹ تھی جس کے موٹے رسے دروازے سے ذرا ہٹ کر دونوں پہلوؤں میں نیچے تک جا رہے تھے۔ لفٹ گراؤنڈ فلور پر تھی۔ میں نے سیدھا ہو کر دروازے کے دائیں جانب فریم پر نظر ڈالی۔ فریم بالکل سپاٹ تھا۔ غور سے دیکھنے پر فریم ڈبل فولڈ فلیپر نظر آیا۔ میں نے اس کو دونوں ہاتھوں سے انگلیاں ڈال کر زور سے کھینچا تو فولڈ کھل گیا اور فریم پر پانچ بٹن دکھائی دیئے۔

میری خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ مجھے فرار کی تمام راہیں مسدود ہو جانے کے بعد ایک نئی شاہراہ کھلتی نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی اور بٹن پر انگلی دبا دی۔ نیچے گھڑگھڑاہٹ ہوئی اور لفٹ اوپر آنے لگی۔ میں نے احتیاطاً" پستول نکال کر سیفٹی کیچ چڑھا لیا۔ لفٹ میرے سامنے آ کر رک گئی۔ میں نے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور پانچویں فلور کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحوں میں لفٹ پانچویں منزل پر تھی اور میں اپنے سامنے بالکل اسی طرح کا دروازہ دیکھ رہا تھا۔ ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوا تو یہاں بھی کلوک روم جیسا ہی چھوٹا کمرہ تھا لیکن اس میں واشنگ بیسن اور آئینہ وغیرہ نہ تھا۔ میں نے لفٹ کو نیچے چلتا کیا اور دروازہ بند کر کے بڑے کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھولا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ جنوبی دروازے کے پہلو میں فرنچ ونڈو کے سامنے مسہری پر ایک عورت اس طرف پشت کئے ہوئے بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے باہر نکل کر ادھر ادھر نظر دوڑائی تمام کمرے میں اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ وسط میں صوفہ سیٹس اور ٹیبل وغیرہ تھے۔ میں تھوڑی دیر کھڑا رہا اور پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد دبے پاؤں شمالی دروازے کی طرف بڑھا۔ ہینڈل گھما کر دیکھا تو مقفل تھا۔ مایوس ہو کر اس طرف والے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ تمام کمرے میں قالین بچھا ہوا ہونے کے باعث میرے چلنے سے کوئی آہٹ نہیں ہو رہی تھی لیکن نہ معلوم کس طرح سونے والی کی نیند اچٹ سی گئی۔ وہ ذرا کلبلائی' لحاف سرکایا اور اس کی طرف کروٹ لی۔ میں چہرے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک کر رہ گیا۔ یہ راجکماری روپا تھا۔ اور مجھ سے اچھی طرح واقف تھی۔ یشودھرا کی پھوپھی زاد بہن ستائیس اٹھائیس سالہ بیوہ جو چار پانچ سال قبل شوہر کی موت کے بعد دلاس پور آ گئی تھی اور سال میں ایک یا دو مرتبہ چند دنوں کے لئے سسرال جاتی اور اپنے شوہر کے حصے کا چند لاکھ روپیہ فصلانہ لے کر چلی آتی۔ ماں کا پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے اب ماموں ممانی کے ساتھ رہتی تھی---- اس کا بیڈ روم کا جنوبی دروازہ ڈرائنگ روم میں اور ڈرائنگ روم کا راہداری میں کھلتا تھا۔ اس سے پچیس تیس قدم کے فاصلے پر یشودھرا کے ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ میں اس وقت بھڑوں کے چھتے میں گھرا ہوا کھڑا تھا۔ کچھ سوچ رہا تھا لیکن کیا سوچ رہا تھا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میرا دماغ شل ہو چکا تھا اور

جم کر رہ گئے تھے مجھے جنوبی دروازے کا درمیانی فاصلہ میلوں دور کی چیز نظر آ رہا تھا۔ چند منٹ انتظار کر کے چلنے کے لئے قدم اٹھایا۔ روپا کی آنکھیں بند تھیں۔ میں اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا سنبھل سنبھل کر اور رک رک کر بڑھ رہا تھا۔ مسہری کے سرہانے تک پہنچ کر میں نے طویل سانس لیا اور تیزی سے چند قدم بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ لاک تھا۔ میرا دماغ چکرا گیا۔ چند لمحے توقف کر کے پوری طاقت سے ہینڈل کو مروڑی دی۔ ہینڈل کسی قدر سرکا۔ میں نے اور طاقت سے مروڑا۔ ایک ہلکا سا تڑاخہ ہوا اور ہینڈل ٹوٹ کر میرے ہاتھ میں آ گیا۔

میں نے پلٹ کر مسہری کی طرف دیکھا۔ روپا چونک کر اٹھی اور تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال کر مسہری سے کود پڑی۔ میں اس کی طرف منہ کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کا بایاں ہاتھ حیرت کے انداز میں ہونٹوں پر آ گیا۔ آہستہ سے بولی۔ "تم ..... ناعم!"

میری زبان تالو سے چپک کر رہ گئی۔ بمشکل کہہ سکا--- یور ایکسی لینسی۔"

"یہاں کس طرح آئے تم؟"

میں نے کلوک روم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "لفٹ سے۔"

"لفٹ سے؟" اس کا ہاتھ پھر ہونٹوں پر آ گیا---- "تمہیں کس نے بتایا؟ کہاں جانا چاہتے تھے؟" اس نے ریوالور بستر پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"کہیں نہیں---- میں یہیں ...." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"یہاں؟ ...... میرے بیڈ روم میں؟" میں نے اثبات میں گردن ہلا کر نگاہیں جھکا لیں۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھرا کر بالوں کی لٹ درست کی اور ایک قدم آگے بڑھا کر بولی---- "کندھوں پر سر بھاری پڑ رہا ہے ناعم؟"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غمگین لہجے میں کہا---- "ہاں۔"

"اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔ "اچھا۔ ایسا ہے؟" تو جاؤ صبح کا انتظار کرو۔"

میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنا پستول اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ "صبح بہت دور ہے یور ایکسی لیسی۔ محبت کے مجرم انتظار نہیں برداشت کر سکتے۔ یہاں سے میرا زندہ لوٹ کر جانا آپ کی توہین ہے۔"

وہ مسکرا دی---- "تم الفاظ سے کھیلنا جانتے ہو ناعم---- خیر--- میں تمہاری اس جسارت کو معاف کر سکتی ہوں--- یہ لو چابی----" اس نے تکیے کے نیچے سے چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا---- جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ---" اس کی آواز میں لرزش تھی۔ میں نے اس کے دلی جذبات سے اس کے زخم کی گہرائی کا اندازہ لگا

لیا۔ اور مسکرا کا اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔ "رہنے دو یور ایکسی۔"

"تو پھر؟ اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ میں نے جواب دینے کے بجائے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔ وہ لرز کر رہ گئی۔ میں آگے بڑھا۔ "ہتھیلی پر سر لے کر آنے والے ناکام نہیں لوٹا کرتے۔" آپ میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔"

"اچھا۔" اس نے دبی آواز میں کہا۔ اور میرے چہرے پر نظر ڈال کر منہ پھرا لیا۔ میں نے دیکھا وہ اظہار مسرت سے گریز کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ میرے ہاتھ بے ساختہ اس کے عریاں شانوں پر پہنچ گئے۔ "روپا ..... میری جان۔ میں نے اس کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "تم نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔" اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ مسکرا کر میری طرف دیکھا اور "ناعم" کہہ کر دونوں بانہیں گلے میں ڈال دیں۔ ایڑیاں اٹھائیں اور ہونٹ میرے ہونٹوں میں پیوست کر دیئے۔ میں نے اس کو سینے سے لگا لیا۔ اور وہ ناگن کی طرح بل کھا کر میرے وجود میں سما گئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے میرا سر تھام رکھا تھا اور دوسرا مسلسل کمر پر پھرے جا رہا تھا۔ چند لمحوں میں اس کی سسکیاں نکلنے لگیں۔ میں نے اس کو پھولوں کی مالا کی طرح اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا۔ صبح کے پانچ بجے تک ہم بیڈ لیمپ کی انگوری روشنی میں طلسم ہوش ربا کے حسین مناظر سے گزرتے رہے۔ اور ہر منظر میں وہ مجھ پر چھائی رہی۔ اس کا انداز خود سپردگی' رم اور گریز سے قاصر' بیگانگی سے ناآشنا اور شدت جذبات سے وارفتگی کے حدود چھو رہا تھا۔ میرا چہرہ گردن اور شانے اس کے دانتوں اور ناخنوں سے زخمی ہو چکے تھے۔ اس نے تین چسکیوں میں برسوں کی پیاس بجھائی تھی۔ میرے جسم کی خراشیں غار ہائے الیورہ کی دیواروں کے منقش کام شاستر کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ سات بجے مجھے کلوک روم میں چھپا کر اس نے ناشتا طلب کیا اور چائے سے فارغ ہوتے ہی آخری بازی کا مطالبہ کر کے پھر بساط شطرنج پھیلا دی۔ میں اس کو کشت پر کشت دیتا رہا حتی کہ وہ مات کھا گئی۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بازی اور۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور بولی۔۔۔۔ "نہیں ٹائیگریس اب چھلانگ لگانے کے قابل نہیں رہی۔"

"اوکے۔۔۔۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس کرم فرمائی کے لئے ممنون ہوں۔"

"ٹائیگر۔ تم بہت شریر ہو۔"

اس نے ہنس کر میرے منہ پر الٹ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو مجھے تمہارے گلے میں پٹا ڈالنا ہے۔"

"پٹا پڑا ہوا ہے ڈیئریسٹ۔" میں نے کہا۔

"کس کا؟" اس نے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہز ہائی نس کا۔"

"اوہ-----" اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میں سمجھی تھی۔"

"کیا؟"

"کچھ نہیں پریتم..... تم میرے ہو ..... اور میرے ہی رہو گے۔" وہ مسہری سے اتری اور تیزی سے دوسرے کمرے کی طرف چل دی۔ چند منٹ بعد لوٹی تو اس کے ہاتھ میں موتیوں کی مالا اور ایک ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ مالا کی آب و تاب دیکھ کر میری گردن خود بخود جھک گئی۔ اس نے مسکرا کر میرے گلے میں ڈال دی۔ قمیص کے بٹن کھول کر اندر سرکائی اور دائیں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ میں نے اس کو اپنی بانہوں میں اٹھا کر چوم لیا۔ چند ہیجان انگیز لمحوں سے گزرنے کے بعد اس نے دروازہ کھول کر گیلری میں جھانکا اور مطلع صاف پا کر مجھے نکلنے کا اشارہ کیا۔ دوسرے لمحے میں کمرے سے باہر تھا۔ گیلری کے سرے پر پہنچ کر لفٹ کی طرف جا ہی رہا تھا کہ سامنے سے کنورا شیر سنگھ آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے قریب آتے ہی اس کو سیلوٹ کیا۔ اس نے سر کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا اور دیکھتا چلا گیا۔ میں تیزی سے بڑھ کر زینے کے قریب پہنچ گیا۔ میں اس کو سوال کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ محل کا یہ حصہ رنواس کہلاتا تھا اور میرے پاس یہاں آنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ کنورا ایشر سنگھ کے زد سے بچ نکلنے پر مجھے خوشی تھی لیکن اس کی چبھی ہوئی نظریں میرے دل میں بری طرح کھٹک رہی تھیں۔ مجھے خوف تھا کہیں وہ ہزہائی نس سے شکایت نہ کر دے۔ اس خیال کے ساتھ ہی مجھے روپا کی انگوٹھی یاد آ گئی۔ سیڑھیاں اترتے اترتے میں نے انگوٹھی اتار کر اندرونی جیب میں ڈال لی۔ گراؤنڈ فلور پر گیٹ حوالدار نے مجھے دیکھتے ہی اٹینشن ہو کر سلام کیا اور رسمی لہجے میں بولا۔ "آج بہت سویرے آ گئے سارجنٹ صاحب۔"

"ہاں۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ اور فوراً" موضوع بدل دیا۔ مسٹر مہتا تو نہیں آئے نا ابھی؟"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں صاحب بہادر۔" میں "اچھا" کہہ کر تیزی سے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ کیپٹن دلیش مکھ میرے بیڈ روم میں کرسی پر بیٹھے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں گئے تھے نعیم---- میں بیس منٹ سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"مسٹر مہتا سے ملنے گیا تھا سر۔ آپ نے چائے پی؟" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"واسو چائے بنا رہا ہے" انہوں نے کہا---- "مسٹر مہتا تو نو بجے سے پہلے کبھی نہیں آتے۔ ابھی تو سوا آٹھ ......"

"میرا خیال تھا آ گئے ہوں گے ......"

کیپٹن نے سر ہلایا---- "نہیں جی ...... راج محل نہیں گئے تم؟"

میں ہنس دیا---- "گیٹ حوالدار سے پوچھئے سر۔ راج محل کے سوا کہیں اور جاتا تو یونیفارم کیوں پہنتا؟"

کیپٹن مسکرا کر چپ ہو گئے۔ اسی وقت داسو چائے کی ٹرے لے کر آگیا۔ اور میز پر رکھ دی۔ مجھے اس کی عقلمندی پر خوشی ہوئی کہ مجھے دیکھ کر اس نے کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ رات کی غیر حاضری کے متعلق اشارہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اپنے افسر کی رازداری تو اس کا دھرم تھا۔ نو بجے کے قریب کیپٹن چائے پی کر چلے گئے ہیں۔ ڈیوٹی پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ شیو اور غسل سے فارغ ہو کر دھلی ہوئی وردی پہنی اور راج محل پہنچ گیا۔ چارج لے کر کیبن میں داخل ہوا اور سگریٹ پینے لگا۔ اسی وقت یشودھرا لفٹ سے باہر نکلی اور آہستہ آہستہ اس طرف آنے لگی۔ میں کیبن سے نکل کر کاریڈور میں آگیا۔ نگاہیں ملتے ہی ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری اور غائب ہو گئی۔ "نعیم" اس نے آہستہ سے کہا---- آٹھ بجے---- "میں نے سر جھکا لیا اور وہ نیچی نظریں کئے آگے بڑھ گئی۔ اس کی آنکھیں کسی قدر سرخ تھیں۔ معلوم ہوتا تھا رات بھر نہیں سو سکی ہے۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ کیبن میں آکر کرسی پر بیٹھ گیا اور سلگتا ہوا سگریٹ اٹھا کر پینے لگا۔ دو تین کش لئے تھے کہ آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں نے سگریٹ بجھایا اور باہر نکل کر ٹہلنے لگا۔ ایک گھنٹے بعد یشودھرا ڈرائنگ روم سے لوٹی اور مسکراتی ہوئی آہستہ آہستہ لفٹ کی طرف چلی گئی۔ اس وقت اس کا چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔

شام کو آٹھ بجے میں ہینگنگ برج پر کھڑا ہوا ندی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس میں آجکل بارہ فٹ سے زیادہ پانی تھا اور سطح آب پل سے چالیس پینتالیس فٹ نیچے تھی۔ بارش کے دنوں میں یہی ندی قیامت بنی ہوتی تھی اور پانی پل سے چار پانچ فٹ نیچے رہ جاتا تھا۔ میں انہی خیالات میں محو تھا کہ پل کے سرے پر درختوں کے نیچے کار آنے کی آواز سن کر چونکا اور تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ یہ پیکارڈ ہی تھی۔ گاڑی نے درختوں کے نیچے یوٹرن لیا۔ سڑک پر آتے ہی اگلا دروازہ کھلا اور یشودھرا نے باہر جھانک کر دیکھا۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور اندر داخل ہو کر وہیل سنبھال لیا۔ باغ کی ویران سڑکوں کے چند چکر کاٹے اور آخری سرے پر جنگل کی جانب جنگلے کے قریب گاڑی روک کر انجن بند کر دیا۔

یشودھرا نے میرے کندھے پر سر رکھ کر کہا---- "میں رات بھر نہیں سو سکی نعیم تم وہاں سے کس طرح نکلے۔"

"شکر کرو ڈیئر زندہ نکل آیا..... تم نے تو کچھ نہ کیا۔" میں نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ وہ آبدیدہ ہو گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرا آنا بہت خطرناک تھا پریتم---- ایک ہی راستہ تھا۔ لیکن میں کسی طرح اس کو اختیار کرنے کی جرات نہ کر سکی۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔
"اس میں روپا دیوی کو اعتماد میں لینا پڑتا تھا۔ اور میں ان کو رازداں نہیں بنا سکتی تھی۔"
"کیوں؟_____"
وہ روتے روتے ہنس دی۔ "اتنے بھولے تو نہ بنو نعیم۔"
"اچھا میری جان____" میں نے اس کو چوم لیا ..... "خیر میں نکل آیا اور تمہارے پاس ہوں۔"
"کیسے؟ .... مجھے نہیں بتاؤ گے؟"
"صبح آٹھ بجے کسی نے گیلری کی سمت والا دروازہ باہر سے کھولنا چاہا۔ میں نے سیفٹی کیچ چڑھا رکھا تھا۔ نہ کھلا تو وہ چکر کاٹ کر کاریڈور والے دروازے پر گیا۔ اس دوران میں گیلری والا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا____" میں نے جھوٹ بولا۔
"اوہ ...... نعیم ...... لیکن میں مر گئی۔"
"میں بھی مر گیا______ یشو۔" میں نے اس کو بھینچتے ہوئے کہا۔ "آؤ پھر دونوں بہشت میں داخل ہو جائیں۔"
"نہیں پریتم ...... ابھی نہیں۔ میں صرف اتنا ہی جاننے کے لئے بے چین تھی۔ واپس چلو۔"
"جو حکم یور ایکسی لینسی۔" میں نے سیلف دباتے ہوئے کہا۔ انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ یشودھرا کا تمام وزن میرے اوپر آ گیا۔ گاڑی سڑک پر آتے ہی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔
دو تین روز گزر گئے۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ ایشر سنگھ نے ہزہائی نس سے میری شکایت نہیں کی۔ اس دوران میں کئی مرتبہ ہزہائی نس کے سامنے آ چکا تھا اور اگر کوئی بات ہوتی تو وہ کسی نہ کسی انداز میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔ یشودھرا اب پوری صحت مند تھی۔ شام کو چار بجے سے کچھ دیر قبل وہ دیوان ہال تک آئی اور آٹھ بجے باغ میں پہنچنے کا اشارہ کر کے لوٹ گئی۔ ساڑھے آٹھ بجے ہم ڈیلائٹ کارنر کے رومان پرور ماحول میں چٹکی ہوئی چاندنی کے تقاضے پورے کر رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد پھر پیکارڈ پھر راج محل کی طرف لوٹ رہی تھی۔ میں صدر دروازے سے تقریباً" چار فرلانگ کے فاصلے پر گاڑی سے اتر گیا۔ پونے دس بجے بنگلے پر پہنچ کر کھانا کھا رہا تھا کہ کیپٹن ڈیش مکھ پہنچ گئے۔ میں نے ان کو دیکھتے ہی الماری سے وسکی کی نئی بوتل نکلوائی اور پھر ہم رات کے گیارہ بجے تک پیتے رہے۔ آواز ملا ملا کر "اندھے کی لاٹھی تو ہی ہے تو ہی جیون اجیارا ہے۔" گاتے رہے۔ کیپٹن نشے میں بالکل سنگل بن چکے تھے۔ آخر سوا گیارہ بجے جب وہ بنگلے جانے کو تیار ہو رہے تھے۔ کسی نے درواز کھٹکھٹایا۔ واسو دوڑ کر دیکھنے گیا اور فوراً" واپس آ کر بولا۔ "کوئی

آپ کو بلا رہا ہے سارجنٹ صاحب۔" کیپٹن نے اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئے۔ میں نکل کر دروازے پر آیا۔ ایک سوٹیڈ بوٹیڈ آدمی کھڑا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ میں اس سے واقف نہ تھا۔ دیکھتے ہی "گڈ ایوننگ سارجنٹ ناعم" کہہ کر اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے مصافحہ کر کے کہا۔ "فرمایئے کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

بولا۔ "میں کیمپ سے آ رہا ہوں۔ کرنل سوڈھی کی طبیعت خراب ہے وہ آپ سے فوراً ملنا چاہتے ہیں۔"

میں نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ "کرنل مجھ سے ملنا چاہتے ہیں ..... کیوں؟ ..... کوئی خط دیا ہے انہوں نے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ مجھے اس کی بات میں وزن نظر نہیں آیا۔ کچھ سوچ کر میں نے کہا "خیر اندر آیئے۔" اس نے سڑک کی طرف اشارہ کر کے کہا--- "میری گاڑی کھڑی ہے---- آپ تیار ہو کر آ جایئے۔ میں گاڑی میں بیٹھا ہوا ملوں گا۔" اس کی ہچکچاہٹ سے مجھے مزید شبہ ہوا۔

"بہتر ہے۔" میں نے کہا ...... "آپ کا نام؟"

"آپ مجھے ....." اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔ "آنند پرکاش کہہ سکتے ہیں۔"

"اپنے نام پر اٹکنے کے کیا معنی مسٹر؟" میں نے گرج کر کہا اور بائیں ہاتھ سے کوٹ کا کالر پکڑ کر اسے اندر گھسیٹ لیا۔ اس نے سیڑھیوں میں پیر پھنسانے کی کوشش کی لیکن میں نے زور سے جھٹکا دیا اور وہ منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ حاضری میں گھسیٹ کر میں نے گھونسہ تانتے ہوئے ڈپٹ کر کہا---- "سچ بتاؤ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" اس نے جواب دینے کے بجائے جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن جبڑے پر گھونسہ پڑتے ہی وہ دیوار کی طرح گر گیا۔ کیپٹن میری آواز سن کر اندرونی دروازے میں آ چکے تھے۔ "کون ہے یہ نعیم؟" انہوں نے پوچھا۔ میں نے جھک کر اس کی دائیں جیب سے پستول نکال کر کیپٹن کے ہاتھ میں دیا اور بیرونی دروازے کی کنڈی چڑھا کر اس کو گردن سے پکڑ کے اٹھایا۔ وہ لڑکھڑانے لگا۔ کیپٹن نے اس کا بازو پکڑا اور دونوں گھسیٹ کر اندر لے آئے۔ کیپٹن نے اس کو کرسی پر بٹھا کر واسو کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ پانی کے چند گھونٹ لے کر پوری طرح ہوش میں آ گیا۔ کیپٹن نے گھونسہ تان کر کہا۔ "سچ بتاؤ تم کون ہو۔ ورنہ ناک توڑ ڈالوں گا۔" جواب دینے کے بجائے وہ کرسی سے لڑھک کر نیچے گر گیا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ میں نے کیپٹن کی طرف دیکھا۔ کیپٹن نے میری طرف---- "اس کو چھوڑیئے سر۔ واسو سنبھال لے گا۔" میں نے کہا۔

"باہر ایک کار کھڑی ہے۔ اس کو دیکھتے ہیں۔ کون کون ہے اس کے ساتھ۔"

کیپٹن نے واسو کو چابیاں دیتے ہوئے کہا۔ "واسو دوڑ کر میرے بنگلے پر جاؤ اور پرب سے کہو کہ میرا پسٹل اور اسٹین گن لوڈ کر کے لے آئے ...... جلدی کرو۔" واسو چابیاں

لے کر پچھلے دروازے سے ہوا ہو گیا۔ میں نے کیپٹن کو مختصر الفاظ میں اس شخص کا بیان اور اپنا خیال بتایا۔ کیپٹن نے سرگوشی کے لہجے میں انگریزی میں کہا۔

"میں شرط لگاتا ہوں یہ برٹش کیمپ کا آدمی نہیں۔۔۔۔ یہیں کا ہے......"

"میرا بھی یہی خیال ہے سر۔"

اور میرا خیال بالائے خیال یہ ہے کہ یہ ...... اودھر آؤ۔" میں نے ادھر آنے کے بجائے سر جھکا کر کان ان کے منہ کے قریب کر دیا۔ "یہ کہ" انہوں نے کہا۔ "یہ سسرال کی طرف سے پہلا گُڈ ول مشن ہے۔"

اگر ایسا ہے تو ...... پھر سر؟"

"سر کو اس تصویر سے باہر رکھو۔ چند لاتیں لگاؤ اور باہر پھینک دو۔"

"اور کار جو باہر کھڑی ہے۔"

"اچھا تو اکیلا نہیں ہے؟ .... خیر تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ میں اس سے بات کرتا ہوں۔" میں دوسرے کمرے میں جا کر سگریٹ پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں واسو اور پرب آ گئے۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ایک شخص بنگلے کی طرف سے گاڑی کی جانب جاتا ہوا نظر آیا۔ شاید وہ اسی کا پتا لگانے آیا تھا۔ کار کا اگلا دروازہ کھول کر وہ سوار ہوا اور بغیر ہیڈ لیمپ چلائے ویسٹرن گیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر آیا۔ اور جھک کر اندر دیکھا۔ کیپٹن اس کے سامنے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے۔ "آ سکتے ہو نعیم۔" میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ کیپٹن نے کہا۔ "اس نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ خود بھی نہیں جانتا اس کو بھیجنے والا کون ہے ...... اسے صرف تمہیں بلانے کو بھیجا گیا تھا۔"

"مقصد کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ کہتا ہے اس کو کچھ معلوم نہیں۔ لیکن یہ جھوٹ ہے تمہارا کوئی دشمن .... لیکن کون ہو سکتا ہے؟" انہوں نے آنکھ دبا کر کہا۔

"کیا کہہ سکتا ہوں سر .... بہت سے ہیں ..... اور کوئی بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے بھی مصلحت آمیز جواب دیا۔

"خیر یہ تمہارا مسئلہ ہے تلاش کرتے رہنا ...... یہ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔" انہوں نے پھر آنکھ ماری اور اس کی طرف دیکھا۔ "جاؤ دفع ہو جائے لیکن یاد رکھنا اگر دوسری بار میرے سامنے لائے گئے تو ......" انہوں نے انگلی سے ٹرائیگر دبانے کا اشارہ کیا۔ وہ کرسی سے اٹھا اور کیپٹن کو سلام کر کے لڑکھڑاتا ہوا چل دیا۔ میں نے کیپٹن کی طرف دیکھا۔ کیپٹن نے بوتل اٹھا کر ایک پیگ گلاس میں ڈالا اور گھونٹ لے کر بولے۔۔۔۔ "برخوردار کھیل شروع ہو گیا ہے اور اب ..... اوہ مائی گاڈ۔ (مائی گاڈ) .... سگریٹ دو نعیم۔"

میں نے سگریٹ اور لائٹ دی۔ انہوں نے ایک کش لے کر گلاس خالی کیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر میری طرف دیکھا۔ "معلوم ہے میں نے اس کو چھوڑا کس لئے؟"

"آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں سر۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مصلحت یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھنے دیا جائے۔ پردے کے پیچھے سے ہم ہر گولی کے جواب میں دس گولیاں چلا سکتے ہیں۔ پردہ اٹھ جانے کے بعد ہماری کوئی مجال نہیں کہ نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکیں ...."

"لیکن سر یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ پس پردہ ہے کون؟"

"میں نے قصداً" یہ جاننے کی کوشش نہیں کی---- ورنہ کچھ مشکل تو نہ تھا۔ میں نے اس کو یہ تاثر دیا ہے کہ ہم اس کو تمہارے کسی ساتھی کا بھیجا ہوا آدمی سمجھتا ہیں--- کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا جناب۔"

"اچھا چلتا ہوں۔ تم اس سلسلے میں زبان بند رکھو گے نعیم .... داسو کو بھی سمجھا دینا بالکل ذکر نہ کرے ......"

"بہتر ہے سر۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیپٹن مجھے ہوشیار رہنے کی تاکید کر کے رخصت ہو گئے۔

دوسرے دن ساڑھے بارہ بجے کے قریب روپ ہز ہائی نس کے ڈرائنگ روم سے نکل کر کاریڈور میں آئی۔ میں اس کو دیکھتے ہی کیبن سے نکل کر دربار ہال کے سامنے آیا اور اندرونی حصے پر اچٹتی سی نظر ڈال کر دروازے کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آ کر رک گئی۔ میں نے سلام کیا اور اٹینشن کھڑا رہا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "ٹائم سات بجے---- پولو گراؤنڈ-----" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ میرا ذہن رات کے واقعے کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ کس کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ کہیں اشیر سنگھ تو نہیں؟ لیکن .... وہ تو میرے متعلق زیادہ نہیں جانتا--- سوائے اس کے کہ اس روز پانچویں منزل کی گیلری سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا---- یہ قابل اعتراض تو ہے۔ پھر وہ گھور کر خاموش کیوں ہو گیا۔ نہ جواب طلب کیا نہ ہز ہائی نس سے شکایت کی ...... شاید وہ اس سے زیادہ جانتا ہے اور .... کہیں ایسا تو نہیں کہ ----" کسی نے پیچھے کی طرف میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو مسٹر مہتا تھے۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "صاحب جی' مہتا صاحب ---- حکم؟"

انہوں نے ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یاد فرما رہے ہیں۔" میں ہال سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اندر مہارانی اور مہاراجہ بیٹھے تھے اور ان کے

سامنے کیپٹن دلیش مکھ کھڑے ہوئے مراٹھی میں کچھ کہہ رہے تھے۔ سلام کرتے ہی ہز ہائی نس نے میری طرف دیکھا۔ "ٹائیگر رات کو کسی سے جھگڑا ہوا تمہارا؟" انہوں نے سوال کیا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ ہز ہائی نس نے غور سے سنا اور بولے---- "لیفٹیننٹ بھی یہی کہتا ہے---- لیکن کون تھا وہ؟"

"کیمپ کا کوئی آدمی تھا یور ہائی نیس۔" میں نے جواب دیا۔

"گرفتار کیوں نہیں کیا؟" ہز ہائی نس نے پوچھا۔ میں اس سوال سے چکرا گیا۔

"مجھے کچھ کریک معلوم ہوا یور ہائی نیس۔" میں نے کہا۔ "دوسرے اس کے جبڑے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے اس کو کافی سمجھا۔ کیپٹن صاحب نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔"

"کیمپ کا آدمی رات کے گیارہ بجے راج محل میں کس طرح داخل ہو سکتا ہے لیفٹیننٹ؟" ہز ہائی نس نے کیپٹن سے پوچھا۔

"آ سکتا ہے یور ہائی نس ..... سب یہیں کے تو ہیں۔ ایک دوسرے سے رشتہ داریاں اور تعلقات ہیں۔ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں----"

"تم نے کرنل سوڈھی سے فون کر کے نہیں پوچھا؟" ہز ہائی نس نے مجھ سے سوال کیا۔

"یور ہائی نیس---- مجھے اس شخص کے بیان پر خود ہی یقین نہیں تھا تو آدھی رات کو کرنل سوڈھی کو کیا تکلیف دیتا۔"

مہارانی نے مسکرا کر کہا---- "یہ تو ٹھیک ہے--- لیکن تم ..... کیا تم خطرہ محسوس نہیں کرتے؟"

"نہیں یور ہائی نیس۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "وہ کوئی چیز نہیں ہے۔"

"اور اگر راج محل کا کوئی آدمی اس کی پشت پناہی کر رہا ہو تو؟ جیسا کہ ہمارا خیال ہے۔"

"ممکن تو ہے یور ہائی نیس۔" میں نے جواب دیا۔ "آپ کی ذرہ نوازی سے مجھے عزت ملی ہے تو چند جلنے والے بھی پیدا ہو جانا بالکل فطری ہے لیکن یور ہائی نس کیا مجھے ان سے خوف زدہ ہو کر آپ کے احکام سے گریز کرنا چاہئے---- وہ کیا ہیں؟" ہز ہائی نیس' مہارانی کی طرف دیکھ کر ہنس دیئے۔ کیپٹن بھی مسکرا دیئے۔ "اوکے ٹائیگر---" ہز ہائی نس نے کہا۔ "اپنی حفاظت کرو۔"

"میرا فرض صرف آپ کی حفاظت کرنا ہے---- یور ہائی نیس میری حفاظت کے لئے آپ کا سایہ کافی ہے۔"

ہز ہائی نیس کیپٹن کی طرف مخاطب ہو گئے۔ "لیفٹیننٹ' کیا واقعی اس کا جبڑا ٹوٹ گیا

ہے؟" کیپٹن نے اثبات میں سرہلا کر کہا "یور ہائی نس' وہ دو مرتبہ بے ہوش ہوا اور بولنے سے قاصر تھا۔ اس لئے ......"

"اوکے---- ٹیلیفون نعیم----" انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے لپک کر ٹیلیفون اٹھا لایا اور ٹیبل پر رکھ دیا۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر ڈائل میں انگلی گھمائی اور پھر سوچ کر ریسیور رکھ دیا۔ "کوئی فائدہ نہیں---- وہ ہمارا نہیں' کوئی باہر کا بلایا ہوا آدمی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے کسی ہسپتال میں داخل نہیں کیا گیا ہو گا۔"

کیپٹن نے کہا۔ آپ کا خیال درست ہے یور ہائی نس۔ لیکن میں ڈھونڈ نکالوں گا اگر ...... حکم ہو۔"

"کیا ضرورت ہے---- وہ مسکرائے۔ اگر ٹائیگر کا جبڑا ٹوٹا ہوتا تو ڈھونڈتے---- اس کا ٹوٹا ہے---- اور یہی سزا کافی ہے۔" ہز ہائی نس ہنس دیئے۔ ہز ہائی نس نے کہا۔ "اچھا لیفٹنٹ----" ہم سلام کر کے باہر نکل آئے۔ ہال میں آتے ہی کیپٹن نے میری کمر تھپکی۔ "بولنا جانتا ہے ٹائیگر۔ خدا کی قسم بات بنانا تجھ سے مجھ کو بھی سیکھنا پڑے گا۔" میں نے جھک کر درباری سلام کیا---- "ڈیڈی ٹائیگر آپ کا بچہ ہے۔ آپ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے۔"

"جیو صاحبزادے۔" انہوں نے ہنس کر کہا اور اے ڈی سی چیمبرز میں داخل ہو گئے۔ مہتا صاحب نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ میں اپنی کیبن میں چلا آیا۔

ساڑھے تین بجے کے قریب یشودھرا لفٹ سے نکل کر دروازے میں کھڑی کیبن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے کھڑکی کے شیشے میں دیکھا اور کیبن سے نکل کر کاریڈور میں آیا۔ اس نے رومال پیشانی کو لگایا اور نیچے گرا دیا۔ میں تیزی سے بڑھ کر لفٹ کے قریب پہنچا۔ وہ لفٹ میں داخل ہوئی اور بٹن پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "نعیم رات کو کچھ گڑ بڑ ہوئی کیا؟" میں نے اثبات میں سرہلایا---- بولی "یونیفارم بدل کر چھ بجے کے بی کی حویلی کے قریب پہنچ جاؤ۔ میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" میں "بہتر ہے" کہہ کر زینے کی طرف دیکھنے لگا۔ سیڑھیوں پر کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ شاید یشودھرا نے بھی محسوس کی۔ کیونکہ اس نے بٹن دبا دیا اور لفٹ اوپر جانے لگی۔ اسی وقت بنارس خان کا چہرہ نمودار ہوا۔ لفٹ نے نصف فاصلہ طے کیا تھا کہ وہ اوپر پہنچ گیا اور مسکرا کر سلام کیا۔ وہ یشودھرا کا چہرہ نہ دیکھ سکا لیکن کمر سے نچلا حصہ اس کے پہنچنے تک نظر آ رہا تھا۔ مجھے پسینہ آ گیا۔ وہ بھی سمجھ گیا اور کچھ کہے بغیر کیبن کی طرف چل دیا۔ دوسرے لمحے میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور پلٹ کر چلنے لگا۔ اتفاقیہ طور پر میری نظر فرش پر پڑ گئی۔ یشودھرا کا رومال ابھی تک پڑا ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے جھک کر اٹھایا اور پتلون کی جیب میں ٹھونس کر کیبن کی طرف چل دیا۔ چارج لیتے وقت بنارس خان کئی بار میری طرف دیکھ

کر مسکرایا۔ لیکن اس نے زبان سے ایک لفظ نہ کہا۔ میں نے بھی کئی مرتبہ لفٹ کے قریب جانے کا عذر پیش کرنے کا ارادہ کیا لیکن زبان پر نہ لا سکا۔ اور مصافحہ کر کے چلا دیا۔ بنگلے تک پہنچتے پہنچتے مجھے دونوں اپائنٹ منٹ یاد آئے۔ ساتھ ہی چھ بجے اور سات بجے کے ٹائم کا خیال آیا۔ اتنے ٹائٹ پروگرام سے عہدہ برآ ہونے کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ میرے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ گھوڑے پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سائیکل کی سواری باڈی گارڈز کے لئے ممنوع تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ دونوں جگہ پہنچنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ انہی خیالات میں غرق بنگلے پہنچ کر لباس تبدیل کیا۔ کھڑے کھڑے چائے پی اور پستول جیب میں ڈال کر کیپٹن کے بنگلے پہنچا۔ سلام کرتے ہی کہا۔۔۔۔ "ڈیڈی مجھے آپ کی کار کی ضرورت ہے۔" کیپٹن نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا۔ مسکرائے اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بادل ناخواستہ صوفے پر ٹک گیا۔ "چائے پیو گے؟" انہوں نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا۔ "ابھی پی کر آیا ہوں سر۔"

"ہولے "وسکی؟" میں نے کہا۔۔۔ "کار ڈیڈی۔ کار۔"

فرمایا۔۔۔ "سوری۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تھینک یو سر۔" انہوں نے ہاتھ کی آڑ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔ میں پھر بیٹھ گیا۔۔۔ اور برا سا منہ بنا کر کہا۔ "مجھے دیر ہو رہی ہے سر۔"

"ریس نہ کھیلو زندگی کے ساتھ نعیم۔۔۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر کیا کروں سر؟"

"کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"ریس کورس۔۔۔"

"وہ کہاں ہے؟۔۔۔ بمبئی؟ ...... پونا؟ کلکتہ؟"

"واپسی پر بتاؤں گا کیپٹن۔"

"اور اگر واپس نہ آئے؟"

"تو سمجھ لیجئے گا یہی جواب تھا۔"

"ہم!۔۔۔ پرب" انہوں نے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دی۔ پرب دوڑتا ہوا اندر آیا۔ "کیا کیا پکا رہے ہو؟"

"مچھلی۔ گردے۔ پسندے۔۔۔"

"جو کچھ تیار ہو۔ سب کا سب لے آ۔ جو کچھ تیار ہوتا جائے۔ سب کا سب لاتے جاؤ۔۔۔ اور الماری میں جو کچھ ہے سب نکال کر میز پر لگا دو۔"

"سر میں نے ہنس کر کہا۔ میں چوبے جی نہیں ہوں کہ حلوے کی کڑھائی میں سر رکھ کر مر جانے کو ہبکنٹھ باشی ہو جانا سمجھوں۔"

"نہیں نا؟---- لیکن پھر بھی---- کھا پی کر مرنا بہتر ہے۔" انہوں نے پرب کی طرف دیکھ کر کہا۔ پرب نے وسکی کی بوتل گلاس اور کاجو نکال کر میز پر رکھے اور کچن کی طرف چلا گیا۔

"تو سر۔ میں آپ کے نظریہ حیات سے متفق نہیں ہوں۔ میرے خیال میں زندہ رہنا بہتر ہے۔ خوراک کا نعم البدل تو شاعری بھی ہو سکتی ہے اور محبت بھی----"

"ڈیڈی کی کار میں محبت نہیں کی جاتی۔"

"میں آپ کی کار اس لئے نہیں مانگ رہا سر۔ بلکہ اس لئے کہ مجھے ایک دوست کو شان دکھانا ہے۔"

"ڈیڈی کے سر کی قسم کھاؤ اور لے جاؤ۔ پٹرول زیادہ نہیں ہے۔ ڈلوانا ہو گا۔"

"منظور ہے سر۔"

"کیا منظور ہے؟"

"ڈیڈی کے سر کی قسم بھی اور پٹرول کا خرچ بھی سر۔"

"اچھا پھر آؤ شروع کریں۔" انہوں نے گلاسوں میں انڈیلی اور میں نے ایک گلاس اٹھا لیا۔ "پیتے پلاتے ساڑھے پانچ بج گئے۔ میں نے آخری پیگ حلق میں انڈیلا اور اٹھتے ہوئے کہا۔ "چابی سر!" انہوں نے چابی نکال کر میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "چلا سکو گے؟" میں ہنس کر باہر نکلنے لگا تو بولے---- "یاد رکھو نعیم تم میری کار میں کلچ پلیٹ ڈلوانے لے جا رہے ہو۔" میں ہنستا ہوا چل دیا

خان بہادر کی حویلی کے قریب اموزمنٹ پارک کے دروازے پر کار چھوڑ کر میں پیدل چلتا ہوا حویلی کے پھاٹک پر پہنچا تو چھ بجنے میں تین منٹ تھے۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور سڑک پر ٹہلنے لگا۔ چند منٹ بعد پانی دروازے کی طرف سے پیکارڈ آتی ہوئی دکھاء دی میں تیزی سے بڑھ کر پھاٹک سے آگے نکل گیا۔ قریب پہنچتے ہی گاڑی رک گئی۔ اور یشودھرا نے اگلا دروازہ کھولا۔ میں نے وہیل سنبھالا اور دروازہ بند کر کے گاڑی بیک کی' ٹرن لیا اور روانہ ہو گیا۔ پانی دروازے سے مین روڈ پر آتے ہی یشودھرا نے کہا۔ "امین پور روڈ۔" میں نے اسپیڈ بڑھائی اور نیشنل گارڈن کی طرف ٹرن لیا۔ شہر سے نکلتے ہی۔ یشودھرا نے کہا۔ "نعیم' بنارس خاں نے مجھے دیکھ تو نہیں لیا؟"

میں نے کہا۔ "چہرہ نہیں دیکھ پایا لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا۔ کہ میں لفٹ کے قریب کھڑا ہوا کسی عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ آپ نے رومال بھی تو نہیں اٹھایا۔"

"اوہ!" اس نے چونک کر کہا۔ "کیا اس نے رومال بھی دیکھ لیا؟"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "خیر وہ اعتماد میں لئے بغیر بھی قابل اعتماد ہے۔"

"میں دو ہزار روپے کا چیک لیتی آئی ہوں۔ کل صبح کیش کرا کے بنارس کو......."

اس نے پرس کھول کر چیک نکالتے ہوئے کہا۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے یشو......"
"اس کی زبان بند رکھنے کی ضرورت ہے اور تمہیں ایک رازداں دوست کی بھی ضرورت ہے۔ رکھ لو۔" اس نے چیک میری جیب میں ٹھونس دیا۔ "ڈیلائٹ کارنر" کے قریب پہنچتے ہی میں نے بیک ویو مرر سے پیچھے کا جائزہ لے کر گاڑی سڑک سے اتار دی۔ وہ میرے چہرے کی طرف دیکھکر مسکرا دی۔ "نہیں پریتم ---- میں ایک خاص بات کہنے کے لئے تمہیں لائی ہوں۔"
"وہ بھی کہتی رہئے۔" .... میں نے ہنس کر کہا۔ گاڑی جھاڑیوں کے درمیان بیک کی اور انجن بند کر دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے بال پکڑ لئے اور کہا---- "ذرا سنجیدہ ہو ڈیئر۔ اور مجھے رات کا واقعہ بتاؤ میں نے سنا ہے ....."
"تم نے صحیح سنا ہے ڈیئر....... لیکن یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں۔"
"چھوٹی بھی نہیں ---- کون ہو سکتا ہے یہ نعیم؟"
"معلوم نہیں جانِ من۔ مجھے شک ہے کہ کنور ایشر سنگھ ...." "کیا وہ کچھ جانتا ہے؟"
"شاید .... کیوں؟"
"اس نے مجھے اس روز پانچویں منزل پر گیلری سے گزرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"
"اوہ---- تو تم پانچویں منزل پر کیوں آئے تھے۔"
"میں تمہیں اطلاع دینا چاہتا تھا کہ کنج قفس سے نکل آیا ہوں۔" "تم نے پہلے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"
"قصداً" نہیں کیا---- اب وجہ پیدا ہوئی تو بتا رہا ہوں۔ بہرکیف میں نے ہنس کر اس کے ہاتھ بالوں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ یہ اتنا اہم مسئلہ تو نہیں جس کے لئے اصل پروگرام ..... اور ..... اس حسین ماحول کے تقاضوں کو نظرانداز کر دیا جائے۔"
"نہیں ڈیریسٹ ..... نہیں .... میں بہت پریشان ہوں ...... کچھ سوچنا چاہتی ہوں ...... چلو واپس چلیں ...... کل ......" میں نے ہونٹوں سے اس کا منہ بند کر دیا۔ اور اس وقت ہٹایا جب وہ گرمی آغوش سے پگھلنے لگی---- اور تاب مقاومت سے محروم ہو گئی---- ہوش میں آنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ سوا سات بج چکے ہیں---- روپا پولو گراؤنڈ پہنچ چکی ہو گی اور ...... اور اس کے بھی کچھ مطالبات ہوں گے---- یشودھرا میک اپ درست کر رہی تھی کہ میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر لی اور فل اسپیڈ سے کے پی کی حویلی کی طرف دوڑا دی۔ پھاٹک پر پہنچ کر میں نیچے اتر گیا اور اموزمنٹ پارک کی طرف چل دیا۔ کیپٹن کی کار میں سوا ہوا اور جب پولو گراؤنڈ پہنچا تو آٹھ بجنے میں چند منٹ

تھے۔ پولو گراؤنڈ اس وقت مکمل تاریکی میں ڈوبا تھا۔ میں نے لائٹ آف کر کے انٹرنس گیٹ کے قریب گاڑی روک دی اور اندر نظر دوڑائی تمام گراؤنڈ خالی پڑا تھا۔۔۔۔ کسی کار کا نشان تک نہ تھا۔ شاید وہ واپس جا چکی تھی۔ مزید اطمینان کرنے کے لئے میں نے ہیڈ لیمپ روشن کر کے پورے گراؤنڈ کا چکر لگا اور واپس ہونے لگا تھا کہ شہر کی طرف سے ایک کار کی چندھیا دینے والی روشنی ونڈ اسکرین پر پڑی۔ میں نے گاڑی آہستہ کر کے بائیں جانب لے لی۔ آنے والی گاڑی کی روشنی اور رفتار بھی کم ہوئی اور قریب آتے ہی رک گئی۔ روپا کو دیکھ کر میں نے بریک لگایا۔ اس گاڑی کے شیشے رنگین نہ تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے مسکرا کر کہا۔۔۔۔ "معاف کرنا نائیم مجھے دیر ہو گئی۔"

"میں نے کہا کوئی بات نہیں ڈیئر...... لیکن اب؟ آپ کی گاڑی تو چلتا پھرتا نگار خانہ ہے۔"

وہ ہنس دی۔ "ہاں اور تم ٹھہرے رنگین شیشوں کے عادی۔" میں نے چونک کر کہا۔ "عادی؟ کیسے بھلا؟"

وہ کر ہنس دی۔۔۔ "گھبراؤ نہیں میری جان۔۔۔۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔" میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ "کیا یہ دونوں گاڑیاں یہیں پڑی رہیں گی؟" میں نے سوال کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔۔۔۔ میں نے سگریٹ نکال کر اس کے چہرے کی آڑ میں لائٹر جلایا۔ وہ ہنس دی۔ میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "فرمایئے نا؟" مسکرا کر کہنے لگی۔۔۔۔ "تم ہی کچھ بتاؤ نا نائیم۔"

"مجھے نعیم کہو۔ نائیم نہیں۔ ہاں کیا بتاؤں؟"

"کہاں چلیں؟"

"مدہو ساگر۔ لیکن یہاں آنے کا کیا مقصد تھا؟"

"میرا خیال کچھ آگے پوُر دھن کنج کی بارہ دری ہے۔ اس کی سیر کریں گے۔"

"نان سینس۔ آیئے میرے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ میں اس گاڑی کو ورکشاپ میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ آپ ساون بھادوں سرتیا کے کنارے چند منٹ انتظار کریں تو میں پیدل آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا اور چند منٹ میں ہم مدہوساگر کے اس پار ہوں گے۔" روپا نے اثبات میں سر ہلا کر دروازہ بند کر دیا اور ٹرن لینے کو آگے بڑھی۔۔۔۔ میں نے وہیل سنبھالا اور تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہریجنوں کے علاقے میں سڑک سے کچھ ہٹ کر دائیں جانب پیپ کے نیچے ایک کار کھڑی ہوئی دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔۔۔۔ لیکن میں تیزی سے گزر رہا تھا اس لئے تفصیل سے نہ دیکھ سکا۔ مین بازار میں پہنچ کر گاڑی سروس کے بہانے ورکشاپ میں چھوڑی اور سرتیا کی طرف پیدل چل دیا۔ چکر بچانے کے لئے گھاٹ کی طرف جانے والی پگڈنڈی اختیار کی اور دس منٹ بعد گھاٹ کے قریب تھا۔ سڑک

یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ میں درختوں کی آڑ سے نکل کر سیڑھیوں پر آیا تو سامنے ہی روپا کی کار کھڑی دکھائی دی۔ میں نے لپک کر سڑک پر پہنچا۔ روپا نے دروازہ کھولا اور میں ادھر ادھر نظر دوڑا کر اندر داخل ہوا۔ وہ بائیں طرف سرک گئی اور میں نے وہیل سنبھال لیا۔ گاڑی چند قدم چلی ہو گی کہ پیچھے سے کسی کار کی ہیڈ لائٹ بیک ویو مرر پر پڑی۔ میں نے گیئر بدلنے کے بجائے رفتار کم کرتے ہوئے پیچھے کی طرف دیکھا۔ یہ گاڑی وہی معلوم ہوتی تھی جو شہر کے مضافات میں کھڑی دکھائی دی تھی---- میں سوچ میں پڑ گیا۔

روپا نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "کیا بات ہے ٹائیگر؟"

میں نے ہاتھ سے پیچھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ٹائیگر کے پیچھے شکاری کتے لگ گئے ہیں شاید۔"

"کیا؟" اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا ...... "ایک گاڑی تو ہے ٹائیگر۔"

"تمہیں رات کا واقعہ نہیں معلوم کیا؟"

"نہیں---- کیا ہوا تھا رات کو؟"

"چھوڑو---- اس وقت کی فکر کرو۔ ..... میں نے اسپیڈ بڑھا کر گیئر بدلا .... گاڑی پیچھے چلی آ رہی تھی۔

"کون ہو سکتا ہے یہ نعیم؟"

"اگر میں کہوں 'کنور ایشر سنگھ' تو تمہیں تعجب ہو گا؟" میں نے تیسرا گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں---- اس کی یہ مجال نہیں میرا پیچھا کر سکے۔"

"کر رہا ہے ..... اور شاید اکیلا نہیں ہے ...... بولو کیا کہتی ہو؟"

"گاڑی روک دو۔" اس نے ڈیش بورڈ کی پاکٹ کھول کر اعشاریہ 32 کا لانگ بیرل ریوالور نکالا۔ اور اپنے الفاظ دوہرائے۔ روک دو گاڑی نعیم۔"

میں ہنس دیا۔ "کیا واقعی شوٹنگ کے لئے تیار ہو ڈیئر؟"

"گاڑی روکو نعیم ...... یہ مذاق نہیں ہے۔"

میں نے اسپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔--- "مدھو ساگر کے پل پر روک دیں گے---- وہاں گولی کی آواز سننے والا بھی کوئی نہ ہو گا اور لاشیں غائب کرنے میں بھی آسانی ر ہے گی۔ ہمیں بھی اور انہیں بھی----"

"او کے------ چلتے رہو ...... تمہارے پاس پستول ہے؟"

میں نے کوٹ کی اندرونی جیب سے پستول نکال کر اس کی گود میں ڈال دیا---- بولی "ٹھیک ہے۔ لیکن تم گاڑی سے نہیں اترو گے------ میں------"

"تم اکیلی انہیں ہینڈل کر سکو گی؟"

"شاید اس کی نوبت ہی نہ آئے ....."

"اچھا میں تمہارے فائر کا انتظار کروں گا۔"----- میں نے اسپیڈ اور بڑھائی----- اور بڑھائی حتیٰ کہ سوئی ساٹھ اور پینسٹھ کے درمیان لرزنے لگی۔ میں انکھیوں سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا وہ بالکل نارمل تھی----- پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے اور بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ پل قریب آنے لگا۔ میں نے رفتار کم کرنی شروع کر دی۔ نصف پل گزرتے ہی اس نے میرے پیر پر پیر رکھ کر کلچ دباتے ہوئے کہا۔ "روک دو۔" میں اس کی جرأت دیکھ کر حیران تھا۔ "چھوڑو روپ۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اسپیڈ بڑھا کر نکل جاتے ہیں----- پھر کبھی دیکھیں گے۔"

"ڈر گئے کیا؟" اس نے کہا۔

"ڈرنے والا ہوتا تو ٹائیگر نہیں بن سکتا تھا روپ ڈیئر...... لیکن تم سے ملنے کے بعد مجھے زندگی سے دلچسپی ہو گئی ہے۔"

"دلچسپی ہو گئی ہے تو۔" ......وہ ہنس کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "تو پھول توڑنے کے لئے کانٹے ہٹانا ہی پڑیں گے۔" میں نے گاڑی روک دی----- اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "سنو نعیم۔ تم اس وقت تک سامنے نہ آنا۔ جب تک کہ میں تمہارا نام لے کر نہ پکاروں۔" میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ انجن بند کیا اور اپنا پستول اٹھا کر دروازے کی طرف سرکنے لگا۔ وہ میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو مسکرا دی----- لیکن اس کی مسکراہٹ میں غم کی جھلک تھی۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی----- وہ مجھ سے مل کر خوش ہوئی تھی لیکن اس خوشی کے لمحات بہت ہی مختصر تھے۔ ہمارا تعاقب کرنے والی کار آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ اترنے لگی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ "روپ جانے دو' ابھی وقت ہے۔ آؤ نکل چلیں۔" وہ میری طرف دیکھ کر پھر مسکرائی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے----- منہ پھراتے ہوئے بولی۔ "یہ میری غیرت کا سوال ہے نعیم۔ یہ میری محبت کے امتحان کا وقت ہے۔ تمہیں کھو کر میں زندہ نہیں رہ سکتی۔" اس کے الفاظ سن کر میں سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ وہ ایک ہی زقند میں لیشودھرا سے آگے نکل رہی تھی۔ پچھلی کار دس گز کے فاصلے پر رک گئی۔ اس میں دو آدمی سوار تھے۔ بائیں جانب والے نے گاڑی ٹھہرتے ہی دروازہ کھولنا چاہا تھا کہ روپا نے اس کی کنپٹی پر پستول رکھ کر کہا۔ "کون ہو تم؟"

"یور ایکس لینسی آپ؟" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں' میں" روپا نے گرج کر کہا ----- "ایشر سنگھ کہاں ہے؟" وہ تو نہیں ہیں راج کماری۔"

"پھر تم نے ہمارا پیچھا کس لئے کیا؟" وہ خاموش تھا۔ روپا گرج کر بولی-------

"جواب دو' ورنہ تمہارا بھیجا اڑا دوں گی۔"

"ایشر سنگھ نے سارجنٹ نعیم-----" فائر کی آواز نے اس کا جملہ پورا نہ ہونے دیا۔ وہ سیٹ پر ڈھیر ہو گیا----- ڈرائیور نے ہاتھ جوڑ لئے----- "راجکماری میں بے قصور ہوں۔"

"شاید----- لیکن میرا فیصلہ یہ ہے ......" اس نے دوسرا فائر کیا اور اس نے وہیل پر سر ٹکا دیا۔ میں گاڑی سے اتر کے اس کے قریب آ گیا۔ "تھینک یو روپ۔" میں نے گاڑی کے اندر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اب ٹائیگر؟" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ میں نے کوٹ اتارا اور روپا کی کار کی پچھلی سیٹ پر پھینکا۔ قمیص' جوتا' پتلون بھی اتارا اور صرف انڈرویئر میں دوسری کار کے پاس پہنچا۔ وہ دونوں ختم ہو چکے تھے۔ اگلی سیٹ کے سامنے خون ہی خون تھا۔ میں نے ڈرائیور کی لاش کو بائیں طرف دھکیلا اور وہیل سنبھالا----- "کار بڑھاؤ روپ" میں نے کہا۔ وہ لپک کر گاڑی میں سوار ہوئی اور پل پار کر گئی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آہستہ آہستہ پل عبور کر کے سڑک پر رک گیا۔ پچاس قدم کے فاصلے پر جا کر روپا نے گاڑی کو ٹرن دے کر بیک کیا اور شہر کی طرف رخ کر کے کھڑی کر دی۔ اس اثناء میں میں نے آہستہ آہستہ بائیں جانب گاڑی موڑ کر پل کے برابر میں اتاری اور ڈھلان میں کھڑی کر کے باہر نکل آیا----- روپا میرا مقصد سمجھ گئی اور دوڑتی ہوئی میرے قریب آ کر بولی۔ "ٹھیک ہے ٹائیگر----- بسم اللہ کے دھکیل دو۔" گھبراہٹ اور پریشانی کے باوجود مجھے ہنسی آ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر ہینڈ بریک کھولا۔ دروازے پر دونوں ہاتھ رکھ کر زور لگایا۔ گاڑی تیزی سے لڑھکنے لگی۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے لمحے ایک دھماکہ ہوا اور گاڑی جھیل کی تہہ میں پہنچ گئی۔ میں سڑک پر آیا اور اپنے جسم پر نظر ڈالی۔ پاؤں خون آلود تھے۔ ہاتھوں میں بھی خون لگا ہوا تھا۔ سیٹ کے نیچے سے گاز نکال کر حتی الامکان دھبے دور کئے اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر کپڑے پہننے لگا۔ روپا ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے فائرنگ کی جگہ گاڑی روک کر غور سے سڑک دیکھی اور پھر چل دی۔ میں نے گاز جھیل میں پھینکی اور جس وقت گاڑی پل عبور کر کے سڑک پر آئی میں کپڑے پہن چکا تھا۔ ساون بھادوں سریتا کے گھاٹ پر آ کر میں نے منہ ہاتھ اور پاؤں دھوئے' پونے دس بجے میں ورکشاپ سے کیپٹن کی گاڑی لے کر راج محل پہنچ چکا تھا۔ بنگلے میں کیپٹن مسہری پر لیٹے ہوئے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں نے سلام کر کے کار کی چابی ان کو دی تو مسکرا کر بولے۔ "ارے تم تو بالکل سوبر ہو نعیم۔"

میں نے کہا۔ "تھوڑی سی اور پلا دیجئے سر۔"

کتاب رکھتے ہوئے بولے۔ "الماری میں سے نکال لو اور پیتے رہو جتنی چاہو۔" چند پیگ پی کر میں نے کسی قدر سکون محسوس کیا اور ساڑھے دس کے

رخصت طلب کر کے اپنے بنگلے پہنچ گیا۔

تمام رات بے چینی میں گزری۔ صبح اٹھا تو کسلمند تھا۔ شیو اور غسل سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے تک ذہن بوجھل تھا۔ نو بجے یونیفارم پہنی اور معمول سے بیس منٹ پہلے ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔ راج محل میں حالات بالکل معمول پر تھے۔ کسی قسم کا کوئی تذکرہ' کوئی کانا پھوسی' کوئی اشارہ ایسا نہ تھا جو رات کے واقعے کی ہلکی سی نشان دہی کرتا ہو---- آخر میں نے ان خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا اور بڑی حد تک مطمئن ہو گیا...... ساڑھے تین بجے جس وقت ہز ہائی نیس سہ پہر کی چائے پینے میں مصروف تھے۔ روپا کاریڈور سے گزری اور میرے قریب آ کر لفٹ میں آؤ۔" کہتی ہوئی تیزی سے نکل گئی۔ میں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ لفٹ کے پاس پہنچ کر وہ پلٹی اور زینے کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "تائیگر سات بجے کہاں مل سکتے ہو۔"

میں نے جواب دیا۔ "روپ' ابھی ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے۔ کنور ایشر چوٹ کھایا ہوا ناگ ہے۔"

مسکرا کر بولی---- "فکر نہ کرو۔ میں اس کا سر کچل سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے۔ ہمیں ایک دن یہاں سے فرار تو ہونا ہے---- پھر------"

"جذباتی فیصلہ نہ کرو روپ۔ تمہیں بہت کچھ چھوڑنا پڑے گا اور حاصل کچھ نہ ہو گا۔"

وہ پھر مسکرا دی۔ "خیر تم ملنے کی جگہ بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"مدھو ساگر۔" میں نے کہا۔

اس نے سر ہلا کر کہا۔ "نہیں----- پنور دھن کنج۔ سات بجے۔ تم اپنی گاڑی نہ لانا۔"

میں نے بہتر ہے کہا اور کیبن کی طرف چلا آیا۔ چار بجے کے قریب جب میں بنارس خاں کو چارج دے کر چلنے والا تھا۔ کنور ایشر سنگھ دربار ہال سے نکل کر دروازے پر آیا۔ میں نے اور بنارس خاں نے اس کو سیلوٹ کیا۔ اس نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا اور مجھ کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے ساتھ ہال میں آیا تو بولا "سارجنٹ نعیم میں آج شام کو سورت جا رہا ہوں۔ کیا تم میری گاڑی ڈرائیو کرنا پسند کرو گے؟"

میں جل کر رہ گیا۔ دل چاہتا تھا صاف انکار کروں لیکن مصلحتاً مسکرا کر کہا---- "کنور صاحب میرے لئے اس سے بڑی عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے ساتھ باہر کی سیر کروں۔" اس نے غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "ویل ڈن سارجنٹ' تم سے اسی جواب کی امید تھی---- ویسے ہم صبح سات بجے واپس آ جائیں گے---- تمہیں کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے......" وہ پھر مسکرایا اور بولا......

یہ میرا نجی دورہ ہے۔"
"ٹھیک ہے کنور صاحب۔" میں نے کہا۔ "آپ صرف ہز ہائی نس کے کان میں بات ڈال دیں۔ کیونکہ ان کی اجازت کے بغیر تو باڈی گارڈز راج محل کمپاؤنڈ سے باہر بھی نہیں نکل سکتے۔"
"اچھا سارجنٹ .... میں ان سے کہہ کر تمہیں فون کرواں گا ..... تم تیار رہنا۔"
میں نے ہنس کر کہا۔ "جناب میں آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔"
وہ مسکراتا ہوا سیکرٹری کے چیمبر کی طرف چل دیا اور میں اس کی حماقت پر دل ہی دل میں ہنستا ہوا زینے کی طرف چل دیا۔ مجھے معلوم تھا وہ ہز ہائی نس سے ان کے باڈی گارڈ کا اردلی مانگنے کی بھی جراٴت نہیں کر سکتا۔ جہاں تک رات کے واقعے کو ہضم کر کے بیٹھ جانے کا تعلق تھا وہ بڑا کامیاب ایکٹر تھا۔ لیکن ایک کار اور دو آدمیوں کا اس طرح غائب ہو جانا اتنا غیر اہم نہ تھا کہ آسانی سے نظرانداز کر دیا جائے۔ شاید وہ ان کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا تھا۔
چھ بجے میں کپڑے پہن کر جانے کو تیار ہو رہا تھا کہ پرب آ گیا اور کہا "صاحب بہادر کپتان صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے۔" میں کوئی سوال کئے بغیر اس کے ساتھ ہو لیا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی کیپٹن نے میرے سلام کا انتظار کئے بغیر کہا۔۔۔۔۔ "کہیں جا رہے تھے ٹائیگر؟"
میں نے جھوٹ بولا۔ "آپ ہی کے پاس آ رہا تھا سر۔"
وہ ہنس دیئے۔ "جھوٹ ...... میرے پاس تم پستول لے کر کبھی نہیں آتے۔" میں نے ہنس کر اپنے سینے پر نظر ڈالی۔ کوٹ کی اندرونی جیب میں پستول کا ابھار کسی قدر نظر آ رہا تھا۔ کیپٹن نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے پرب کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لے آؤ۔" پرب باورچی خانے کی طرف چل دیا۔ "کہاں جا رہے تھے تم؟" وہ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "کوئی اپائنٹ منٹ تو ......"
میں نے جواب دیا۔ "قریب قریب ایسا ہی ہے سر۔"
"تیزی سے نہ دوڑو نعیم۔"۔۔۔۔۔۔ وہ پرب کو آتے دیکھ کر بولتے بولتے رک گئے۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی اور الماری سے بوتل اور گلاس نکالے۔ پلیٹوں میں دو بھنی ہوئی مرغابیاں تھیں۔ انہوں نے گلاسوں میں انڈیلی اور کہا۔ "ہاں شروع کرو۔" میں نے گلاس اٹھا کر "آپ کی صحت کے نام" کہا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔ جام چلتے رہے۔ پلیٹیں خالی ہوتی رہیں پرب لاتا رہا۔ پونے سات بج گئے۔ مجھے بار بار گھڑی پر نظر ڈالتے دیکھ کر انہوں نے تیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "کیا بے چینی ہے صاحب؟"
میں نے کہا "کچھ نہیں سر۔ غالباً آپ کی سروس بک میں لکھا جا رہا ہے۔"

"عذاب ثواب کی حد تک گوارا ہے لیکن مجھے خطرہ ہے اگر سروس بک چھن گئی تو کیا ہو گا------ میں لینڈ لارڈ فیملی سے نہیں ہوں------ اور میری راتیں بھی رنگین نہیں گزرتیں۔"

"آپ کا فرزند ارجمند ایک ایسا ٹائیگر ہے جس کے گلے میں ہیروں کا پٹہ پڑا ہوا ہے ڈیڈی۔ اور کچھ؟"

کیپٹن نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا۔ اور ہنس دیئے۔ "میرا بھی ایسا ہی کچھ خیال تھا۔ لیکن کیا میں ....."

میں نے ان کا قطع کلام کر کے کہا------ "آپ لینڈ لارڈ کے باپ ہیں ...... اگر اپنے تحفظ کے لئے آپ کا یہاں آنا ضروری نہ سمجھتا تو میں آپ کو استعفیٰ دلا چکا ہوتا۔"

"چلو اچھا ہوا۔ اب تمہاری زندگی کے سوا اور کوئی فکر نہیں رہی۔"

"شکریہ ڈیڈی------ اب اجازت ہے۔"

"اجازت نہیں ہے۔ آج نہ جانے کیوں میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اگر تم چلے گئے تو پھر پلٹ کر نہ آ سکو گے------"

"آپ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ مجھے جانے ہی دیں!"

"آج نہیں------ کل------ چلو گلاس لبریز کر دو اور بے ہوش ہونے تک پیتے رہو۔ آج میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں جانے دوں گا۔" ان کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ میں نے کوٹ اتار کر مسہری پر رکھ دیا۔ اور دونوں گلاس بھر دیئے ...... رات کو گیارہ بجے واسو مجھے بلانے آیا تو مجھ میں دو قدم چلنے کی سکت نہ تھی۔ کیپٹن نے اس کو ڈانٹ کر بھگا دیا اور صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہیں پڑ رہو ٹائیگر۔" پھر انہوں نے جھک کر میرے جوتے اتارے۔ اور میں صوفے پر دراز ہو گیا۔

صبح آٹھ بجے چائے پینے کے بعد اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔ نہ معلوم۔ روپا کتنی پریشان ہوتی ہو گی اور اب اس کا رد عمل کیا ہو گا۔ بغیر سلگا سگریٹ میری انگلیوں میں دبا ہوا تھا اور مجھے اس کے جلانے کا ہوش نہ تھا۔ "آپ نے رات مجھے روک کر اچھا نہیں کیا------"

"رات کی بات بھول جاؤ اور عیش کرو۔" کیپٹن نے کہا۔

سہ پہر کو ٹھیک اسی وقت روپا پھر کاریڈور میں آئی۔ میں اس کو دیکھ کر آہستہ آہستہ ڈٹ کی طرف چلنے لگا۔ وہ تیزی سے بڑھ کر میرے قریب پہنچ گئی اور بولی "نعیم بہت اچھا ہوا کل شام تم نہیں آئے۔ میں بارہ دری میں پہنچی تو وہاں پہلے سے کئی آدمی موجود تھے۔"

"مجھے ایک بزرگ نے باہر نکلنے سے روک دیا تھا پرتیا۔"

"ہیں!" اس نے چونک کر کہا۔ "کون ہیں وہ؟"

"ہیں میرے روحانی بزرگ ...... انہوں نے کہا کہ اگر کہیں گئے تو قتل ہو جاؤ گے ...... میں تمہاری فکر میں رات بھر بے چینی سے ٹہلتا رہا ڈیئر۔"

"ہم بڑی شکل سے ان لوگوں کو ڈاج کرنے میں کامیاب ہوئی نعیم۔ کوئی اور طریقہ سوچو میری جان۔ میں تڑپ رہی ہوں اور آج------ ضرور ملنا چاہتی ہوں۔ فون ہے تمہارے بنگلے میں؟"

میں نے نفی میں گردن ہلائی......" ہوتا تو بھی کیا۔ ایکس چینج میں ہر کال سنی جاتی ہے۔ فون پر بات کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے ہزہائی نیس کے سامنے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال دینا۔ وہ مسکرا دی۔ میں نے پوچھا۔ "کل باہر جانے سے پہلے تم نے کسی کو بتایا تھا تم کہاں جا رہی ہو؟" وہ سوچ میں پڑ گئی----- میں نے زینے کی طرف دیکھا۔ بنارس خان کے آنے کا وقت ہو رہا تھا اور وہ گفتگو ختم نہیں کر رہی تھی۔ مجھے چونکتا دیکھ کر لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "ہاں نعیم میں نے جمنا سے ذکر کیا تھا۔"

"کون ہے وہ؟"

"میری خدمت گار-------- لیکن وہ قابل اعتماد ہے۔"

"فوراً" نکال دو اسے۔ ان حالات میں اعتماد اور رحم دونوں الفاظ بے معنی ہیں۔ مدہوساگر پر تمہارا طرز عمل بہت صحیح تھا۔ تم نے ایک سیکنڈ بھی ضائع نہ کیا------ عورت اتنی جلدی اتنے خطرناک فیصلے پر نہیں آ سکتی۔"

وہ ہنس دی------- "تم عورت کے متعلق کچھ نہیں جانتے میری جان..... اچھا تمہارا بنگلہ کیپٹن لیشونت سے کون سے نمبر پر ہے؟ میں نے ہنس کر آہستہ سے اس کو لفٹ میں دھکیل دیا۔" ایسا غضب نہ کرنا۔ روپ ڈیئر...... اچھا خدا حافظ۔"

"اچھا ڈیئریسٹ---- تم سلامت رہو ہزار برس۔" اس نے بٹن دبایا اور لفٹ پر جانے لگی----- میں ہزار برس سلامت رہنے کی بددعا دینے والے شاعر کی چالاکی پر غور کرتا ہوا کیبن کی طرف چل دیا۔

دو ماہ گزر گئے۔ میں موقع محل دیکھ کر جنگلہ پھلانگتا رہا۔ سفید اور رنگین شیشوں والی کاریں بدلتا رہا اور ان دونوں کاروں کو تصادم سے بچاتا رہا۔ روپا میری تھی۔ میں اس کا نہ تھا۔ اس کی قوت خرید یشودھرا سے کہیں زیادہ تھی لیکن میں بکنے والی چیز نہ تھا۔ یشودھرا کی ملکیت تھا۔ وہ خود میری طرف بڑھی تھی۔ اس نے مجھے ذرے سے آفتاب بنایا تھا۔ اور روپا کماری محض ایک اتفاقیہ حادثے کی نتیجے میں میری زندگی میں آئی تھی------- اس وقت جبکہ میں بزعم خویش مسٹر نوروز بن چکا تھا۔ اور پھر ویسے بھی اس میں اور یشودھرا میں' برانڈنیو اور سیکنڈ ہینڈ کا بنیادی فرق تھا۔ اس کی پہلی سسکی پر اس کی زندگی بھر کی چیخیں قربان کی جا سکتی تھیں۔ لیکن روپ نذر' بیباک اور تموّل میں یشودھرا سے کہیں بڑھ کر ہونے

کے باعث جس تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اس سے میں خطرہ محسوس کرتا تھا جو عورت ایک منٹ میں دو خطرناک اور مسلح آدمیوں کو شوٹ کر کے پیشانی سے پسینہ پونچھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کرے وہ دل شکستہ ہونے پر کیا نہیں کر سکتی؟ -------- یہ خیالات اکثر مجھے پریشان کرتے۔ لیکن میں جس وادیِ رنگین میں قدم رکھ چکا تھا۔ اس میں واپسی تو درکنار پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی فرصت نہ تھی اور میں ہرچہ بادا بادا ماکشتی درآب انداختیم کہہ کر آگے ہی آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا------ ساحل دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا۔ اور میں انجام سے بے نیاز وقت کا ہر مطالبہ پورا کر رہا تھا------ دونوں کے قصرِ ناز ایک ہی منزل پر تھے------ اور شاید روپا کو یشودھرا سے میری وابستگی کا کچھ علم بھی ہو لیکن یشودھرا کو میرے اس ایڈونچر کی ہوا تک نہ لگی تھی۔

لیکن ایک دن' جبکہ میں دوپہر کو کیبن میں بیٹھا ہو اور دو تین ہلکے پھلکے شاعروں کی خوراک جتنا لائٹ ریفرشمنٹ کر رہا تھا۔ سادھنا دیوی ہز ہائی نیس کے ڈرائینگ روم سے نکل کر کاریڈور میں آئیں۔ میں ان کو دیکھ کر ہاتھ پونچھتا ہوا کیبن سے نکلا اور سلام کیا۔ وہ رک گئیں اور ادھر ادھر دیکھ کر بولیں------ "نعیم شام کو چار بجے ڈیوٹی سے آف ہو کر گیرج سے میری گاڑی نکلوا کر پورچ میں منگا لینا۔ مجھے کے بی کے ہاں جانا ہے۔ یہ لو چابی۔" انھوں نے پرس سے چابی نکال کر میرے ہاتھ میں دی۔

"بہتر ہے یور ایکسی لینسی۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "آپ کے ساتھ اور کون ہو گا؟"

انھوں نے سرگوشی کے لہجے میں کہا---- "جس کا تمہیں انتظار ہے وہ نہیں ہو گی------ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں---- اور وہ اس کے سامنے نہیں پوچھ سکتی۔"

"بہتر ہے ...... سادھنا دیوی------" میں نے سر جھکا کر کہا اور میری دھڑکنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور ہر دھڑکن اپنی جگہ خطرے کا الارم تھی۔

"میں نے ہز ہائی نیس سے اجازت لے لی ہے ٹائیگر۔"

"ضرورت نہیں تھی------ آپ مجھے کہیں بھی لے جا سکتی ہیں------ آف ہونے کے بعد۔"

"خیر..... احتیاط کے طور پر یہ ضروری تھا۔"------

"آپ بہتر سمجھ سکتی ہیں---- لیکن یشودھرا کو لے آتیں تو میں بھی بہتر سمجھ سکتا تھا۔"

"کہہ رہی ہوں نہیں---- نہیں------ نہیں------" وہ مسکرا کر چلی دیں۔ میں کیبن میں آ گیا------ اور کھانے کے بجائے سگریٹ سلگا کر سوچنے بیٹھ گیا۔

ساڑھے چار بجے سادھنا کی گاڑی آ گئی۔ میں نے ان کو اطلاع دی۔ وہ لفٹ سے نیچے آئیں اور میں نے ان کو سوار کرا کے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ میں اس وقت بھی یونیفارم میں تھا۔ گیٹ سے نکلتے ہی انہوں نے کہا ----- "شہر سے دور کہیں ایسی جگہ چلو جہاں کوئی نہ ہو۔"

"میں نے کہا۔ نیشنل میوزیم چلیے۔"

"بولیں نہیں۔ پنور دھن کنج چلو۔"

میں نے کہا ----- "کس طرف ہے وہ؟"

"چلو میں گائیڈ کرتی ہوں۔" ---- انہوں نے اگلی سیٹ پر آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں ہر موڑ اور چوراہے پر ان سے اشارے لیتا ہوا پنور دھن کنج میں لے آیا۔ یہ لیموں سنگترے اور نارنگی وغیرہ پھل دار درختوں کا شاداب اور چہچہاتا ہوا باغ تھا۔ عین وسط میں بارہ دری تھی ---- میں دو تین مرتبہ روپا کے ساتھ یہاں آ چکا تھا لیکن قصداً" انجان بنا ہوا تھا ----- مجھے سادھنا کماری کے تیوروں سے محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا موضوع گفتگو روپا کماری ہو گی۔ بارہ دری کے قریب دو تین مالی بیٹھے ہوئے بیڑی پی رہے تھے۔ گاڑی دیکھتے ہی جھک جھک کے سلام کرتے ہوئے ادھر ادھر ہو گئے۔ میں نے گاڑی روک کر دروازہ کھولا اور نیچے اتر کے کھڑا ہو گیا۔ سادھنا باہر آتے ہوئے بولیں۔ "آؤ" ---

بارہ دری میں داخل ہوتے ہی انہوں نے سنگ مرمر کے بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ نعیم۔" میں نے بیٹھنے کے بجائے سگریٹ سلگایا ----- "میں ٹھیک ہوں۔" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچا ----- میں خاموشی سے ان کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا اور سگریٹ کا کش لیا۔

"تم مجھے کیا سمجھتے ہو نعیم؟" انہوں نے سوال کیا۔

میں نے ہنس کر کہا۔ "راجکماری سادھنا دیوی۔"

بولیں۔ "اور کچھ؟"

"اپنی ہمدرد، رازداں، بڑی سالی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "لیکن آج آپ کو ان سوالوں کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"میں تمہارا ہر راز جانتی ہوں، جہاں تک یشودھرا کا تعلق ہے۔ لیکن میں نے سنا ہے ---- خدا کرے غلط ہو ---- کہ ایک ودھوا راجکماری کو بھی تم سے دلچسپی ہے ---- یا پھر تمہیں اس سے دلچسپی ہے یا -----"

"یا مجھے راجکماری سے دلچسپی ہے ---- اور اس میں آپ بھی شامل ہیں ----"

وہ مسکرا دیں ---- "دلچسپی سے میرا مطلب ہے محبت۔"

"اچھا اچھا محبت۔" ---- میں نے ہنس کر کہا ---- "تو کون ہے وہ ودھوا

راجکماری؟"

"روپا کماری دودھوا نہیں کیا؟"

"ہیں---- لیکن کیا واقعی---- آپ دھرم سے کہہ رہی ہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہیں----"

"نہیں---- میں نے آنکھ سے نہیں دیکھا۔ کانوں سے سنا ہے اور اسی لئے میں تم سے تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔"

میں ہنس دیا۔ "میں سمجھتا ہوں آج آپ کچھ بیمار ہیں سادھنا دیوی۔"

"کیوں؟ تو کیا میں نے غلط سنا؟"

"انسان ہزار غلط باتیں سنتا ہے۔ شکایت یہ ہے کہ آپ نے یقین بھی کر لیا۔" میں نے مغموم سا منہ بنا کر سر جھکا لیا۔

"مجھے افسوس ہے لیکن یقین نہ ہونے کے باوجود میں تصدیق کئے بغیر نہ رہ سکی۔ اگر اس افواہ میں صداقت کا شائبہ بھی ہے تو....." وہ خاموش ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"سادھنا بہن!" میں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "آپ نے یہ الفاظ کہہ کر مجھے ختم کر دیا...."

"تم قرآن کی قسم کھا کر کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔ مجھے یقین آ جائے گا....."

"کیا یشودھرا بھی یہ افواہ سن چکی ہے۔ سادھنا بہن؟"

"نہیں۔ اسی لئے میں تم سے جاننا چاہتی ہوں کہ اگر غلط ہے تو میں اس کو قسم کھا کر مطمئن کر سکوں---- وہ کان میں بھنک پڑتے ہی پہلے میرے پاس آئے گی۔"

"میں بھی جانتا ہوں---- لیکن سادھنا دیوی آپ مجھے قسم دلانے سے پہلے ایک بات سن لیں اور وہ یہ کہ جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے وہ جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔ اور میں اپنی صداقت کے ثبوت میں قسم سے زیادہ مستحکم چیز پیش کرنا چاہتا ہوں---" سادھنا نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا۔ میں نے سگریٹ پھینک کر جیب سے فاؤنٹین پن اور نوٹ بک نکالی۔ اور ایک صفحے پر انگریزی میں دو تین لائن کا نوٹ لکھا جس کا مفہوم تھا:

"میں نعیم احمد ملک بدرستی ہوش و حواس اعتراف کرتا ہوں کہ میرے لئے میری زندگی میں کوئی دلکشی نہیں رہی اور میں ہر پہلو پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہوں۔ میری موت کی ذمہ داری میری ذات کے سوائے کسی پر عائد نہیں ہوتی۔ دستخط سارجنٹ نعیم' اے ملک آف باڈی گارڈز یونٹ ولاس پور اسٹیٹ۔" مسکرا کر نوٹ بک سادھنا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "جس روز میرا جھوٹ اور یشودھرا سے بے وفائی ثابت ہو جائے آپ اس نوٹ کو میری جیب میں ڈال کر چلی جائیں۔ اگر چند قدم چلنے کے بعد آپ کو پستول کی آواز اور میرا جسم گرنے کا دھماکا نہ سنائی دے تو پلٹ کر

پ خود شوٹ کر دیں آپ۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ نوٹ پڑھ چکی تھی۔ اٹھنے کے
ہوئے نوٹ زمین پر پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ "مطمئن کرنے کا یہ طریقہ خوب ہے نعیم----
اگر یشودھرا کو دکھا دیا جائے تو تمہارے گولی چلانے سے پہلے وہ صدمے سے مرجائے گی۔"
"یہ اس کو دکھانے کی ضرورت نہیں ہے مسز ڈیئر۔ میرے آپ کے درمیان ہے۔
اپنے پاس رکھیے اور اس کی بنیاد پر اس کو اطمینان دلایئے---- اگر وہ اس قسم کی کوئی خبر
نے۔" انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے نوٹ اٹھا کر ان کے پرس میں ٹھونس
---- اور کہا "چلیے" اور اگر آپ نے نوٹ ضائع کرنے کی کوشش کی تو" میں نے پستول
نکل کر اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔ "وہ دھماکہ آپ اسی وقت سن لیں گی۔" وہ کانپ اٹھی اور
آگے بڑھنے یا پستول چھیننے کی کوشش کرنے کے بجائے ہاتھ جوڑنے لگی۔ اس کی آنکھوں
میں آنسو تیر رہے تھے۔ میں نے پستول ہولسٹر میں ڈال کر ان کے ہاتھ چومتے ہوئے
کہا---- "یور ایکسی لینسی یہ آپ کو زیب نہیں دیتا۔ اگر محبت کے رشتے میں ذرا سا بھی
شک پیدا ہو جائے تو میں یشودھرا کا محبوب نہیں ایک ادنیٰ سارجنٹ باقی رہ جاتا ہوں۔"
وہ مسکرا کر میرے رخسار پر ہلکا سا چانٹا لگا کر بولیں---- "تم بہت برے ہو نعیم
...... ذرا سی بات کا ......"
"آپ کو کیا معلوم میں یشودھرا کو کیا سمجھتا ہوں سادھنا دیوی۔ اس کے دل میں شک
یا شکایت پیدا ہونے سے پہلے میرے لئے مرجانا' امر ہو جانا ہے۔"
"مجھے یقین ہو گیا نعیم---- آؤ چلتے ہیں---- لیکن وعدہ کرو اس بات کو بھول جاؤ
گے۔"
"آپ نے مجھے زخمی کر دیا ہے سادھنا دیوی---- لیکن خیر۔"---- میں نے ان
کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔ "میں زخم کھا کر بھی مسکرانا جانتا ہوں۔"
کے بی کی حویلی میں ایک گھنٹہ رہنے کے بعد سادھنا کماری باہر آئیں۔ کے بی اور دو
تین خواتین ان کے ساتھ ڈیوڑھی تک پہنچانے آئیں۔ میں نے گاڑی سیڑھیوں کے قریب
کھڑی کر کے ان کو سیلوٹ کیا اور پچھلا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ حویلی کی دو سن رسیدہ
خواتین نے ان کو بیار کی طرح تھام کر سوار کرایا اور میں نے گاڑی باہر نکالی۔ راستے بھر
میں خاموش رہا۔ راج محل پہنچنے کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور کھانا کھائے بغیر کیپٹن
کے بنگلے پہنچ گیا۔ اس وقت ساڑھے سات بج رہے تھے۔ میں نے حقیقت کو دھاندلی سے
جھوٹ ثابت کر کے سادھنا سے پیچھا چھڑا لیا تھا---- لیکن یہ سودا مجھے بہت مہنگا پڑا تھا۔
میں نے اپنی زندگی رہن در رہن کر دی تھی---- میں بے حد پریشان تھا۔ ڈرائنگ روم
میں کیپٹن آرام کرسی پر دراز بیچو ان کی مثال ہوئے۔ میں دبائے دھوئیں کے بادل نکال
رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ میں سلام کرنا بھی بھول گیا اور قریب پہنچ کر کہا۔ "ڈیڈی

آج میں بہت پریشان ہوں۔" انہوں نے منہ سے حقے کی نے نکالتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چہرہ بتا رہا ہے نعیم---- لیکن تمہاری پریشانی کا علاج بھی شاید ختم ہے۔"

میں نے جیب سے دو تین نوٹ نکال کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "منگوایئے سر، کسی سے، پلیز۔" کیپٹن نے پرب کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "روپے لے کر سائیکل پر بیٹھو اور دس منٹ میں فرام روز کاکا کے وائن اسٹور سے دو بوتلیں وسکی، چار سوڈا، دو پونڈ کاجو..... لے کر ہوا کی طرح واپس آؤ۔"

میں نے نوٹ اس کو دیتے ہوئے کہا۔ "جاتے ہوئے واسو کو بھیجتے جاؤ۔" وہ سائیکل لے کر روانہ ہو گیا۔ کیپٹن نے میری طرف دیکھ کر کہا----- "الماری کھول کر دیکھو نعیم شاید کچھ بچی کھچی، جھوٹی کوئی مل جائے تو------" میں نے اٹھ کر الماری کھولی۔ بوتل میں دو تین پیگ پڑے ہوئے تھے۔ میں نے مسکرا کر ان کو دکھائی تو ہنس کر کہا۔ "لے شیخ آنکھ میچ کے پی جا ثواب ہے۔ جو کچھ بچی کھچی مری جھوٹی شراب ہے۔

میں نے کہا۔ "سر پھر تو بیٹھنے کا تکلف بھی حرام ہے۔" وہ ہنس کر بولے۔ "شروع ہو جاؤ۔" میں نے بوتل منہ سے لگا کر نیٹ ہی انڈیل لی اور کاجو کی مٹھی بھر کر چباتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں پرب پہنچ گیا اس نے تمام چیزیں میز پر رکھ کر کھانا چنا اور ہم رات کے دس بجے تک کھاتے پیتے رہے۔ خاصی پینے کے بعد میں گنگنانے لگا۔ کیپٹن نے تھوڑی دیر سن کر کہا--- "تم تو اچھا گا سکتے ہو نعیم۔ ذرا آواز اونچی تو کرو۔" اور جب میں نے آواز اونچی کی تو "واہ واہ کہہ کرتا تالیاں بجانے لگے اور پھر خود بھی گانے میں شامل ہو گئے۔ گانا ختم ہوا تو بولے۔" تم نے تو سماں باندھ دیا نعیم۔ سب غم ڈھل گئے۔ اور گاؤ۔"

میں نے کہا--- "نیند آ رہی ہے سر۔ کل پھر ریہرسل کریں گے۔"

بولے "اچھا--- اب تو پریشان نہیں ہو؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "پریشان کہاں تھا سر۔ پینے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"جم جم، نت نت، صاحبزادے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بوتل کا نفع میرے لئے کم تو نہیں۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "ڈیڈی بیٹا تو سر سے پیر تک باپ کا نفع ہوتا ہے۔ کل آپ وسکی کا پورا کیس منگا لیں----" میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنے نوٹ پکڑ میں آئے نکال کر ان کے تکیے کے نیچے رکھ دیئے۔ انہوں نے مسکرا کر دیکھا اور مسہری پر دراز ہو گئے۔ میں اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا دوسرے کمرے کی طرف چل دیا---- پرب نے مجھے مسہری پر لٹا کر [illegible] ہاتھوں میں تھام لیا۔

ایک ہفتے میں دو تین مرتبہ میں نے آفیشل طریقے پر سادھنا اور یشودھرا کو ڈرائیو کیا

اور روپا کو خوبصورتی سے ٹرخاتا رہا۔ ایک بار کیپٹن کے ہاں ڈنر پارٹی کا انتظام کا بہانہ ' یا دوسری مرتبہ ہزہائی نیس کے ساتھ حاضر رہنے کا۔ مجھے معلوم تھا وہ کسی انداز میں میرے متعلق دریافت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن آٹھویں یا دسویں دن وہ شام کو پونے چار بجے کاریڈور سے گزری۔ میں نے سلام کیا وہ لفٹ کی طرف چلتی رہی کیبن اور زینے کے درمیان پہنچتے ہی اس نے پرس سے دو چابیوں کا گچھا نکال کر میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "رات کو ایک بجے گیٹ کے قریب والے گیسٹ ہاؤس کا تالا کھول کر اندر چلے جانا۔ یہ دوسری چابی جس کے کمرے میں لگے اس میں ایک سرنگ ہے جو خفیہ لفٹ کے دروازے پر پہنچتی ہے وہی لفٹ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"آپ نے پہلے سے یہ بات کیوں نہ بتائی؟" میں نے پوچھا

وہ بولی---- "چابیاں نہیں تھی---- ڈپلی کیٹ بنوائی ہیں اور میرا دل جانتا ہے---- کس طرح!---- خیر لیکن چوتھے فلور پر نہ پہنچ جانا---- وہ ہزہائی نیس کا کمرہ ہے اور وہ کبھی کبھی ...... لیکن نو بجے تک اکثر وہاں بیٹھتی ہیں۔" میں نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور کیبن کی طرف چل دیا۔

شام کو کیپٹن کے بنگلے پر پھر پینے پلانے کا پروگرام تھا۔ ہم حسب معمول گیارہ بجے تک پیتے رہے اور جب بہت پی گئے تو بستروں میں پہنچ گئے۔ میں ان چابیوں کا استعمال کر کے پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ گیسٹ ہاؤس کے کمرے گیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر تھے اور سنتری کی نظروں سے صرف اس وقت اوجھل ہوتے تھے۔ جب وہ سردی یا بارش سے بچنے کے لئے کیبن میں کھڑا ہو۔ اور یہ گرمی کا موسم تھا۔ سنتری کے کیبن میں جانے کا امکان نہ تھا۔

دوسرے روز ڈیڑھ بجے کے قریب روپا کیبن کی طرف آتی دکھائی دی---- میں سلام کر کے اس کے پیچھے ہو لیا اور پتلون کی جیب سے چابیاں نکال کر لفٹ کے قریب پہنچتے ہی کہا۔ "جب تک سنتری رازداں نہ ہو ان کا استعمال ناممکن ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا---- "ہاں میں نے صبح تک کھڑکی سے دیکھا۔ وہاں ہر وقت سنتری ہوتا ہے---- اچھا ہوا تم نہ آئے۔"

"آیا اور تین گھنٹے روشوں کی آڑ میں چھپا رہا۔ لیکن وہاں سے سنتری اس وقت ہٹتا ہے جب دوسرا آ جائے۔"

"تو پھر اس کا مقصد کیا ہے؟"-----

میں مسکرا دیا۔ "ممکن ہے ہزہائی نیس نے ایام جوانی میں اپنی آسائش کے لئے بنوایا ہو---- انھیں کون روک سکتا ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے گھوم کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی لفٹ میں داخل ہو گئی اور بولی۔ "او کے ٹائیگر آج ساڑھے

سات بجے میرتیا گھاٹ پر----"

"نہیں روپ ڈیئر---- جھیل پر نہیں---- وہاں----"

"تین مہینے ہو گئے۔ اب کیا رکھا ہے نعیم----"

"ممکن ہے خفیہ نگرانی کی جا رہی ہو------"

"اوہ----- تم گھاٹ پر تو پہنچو---- دیکھا جائے گا----"

میں "بہتر ہے" کہہ کر اس سے رخصت ہو گیا---- وہ اوپر چل دی۔ شام آسمان پر بادل چھا گئے۔ میرا باہر جانے کا ارادہ متزلزل ہونے لگا۔ لیکن ساڑھے سات یہ سوچ کر کہ آج بھی وعدہ پورا نہ کیا تو روپا ناراض ہو جائے گی' پستول جیب میں ڈالا چل دیا۔ شہر سے باہر جنگل پر تاریکی کا تسلط تھا۔ گھنے درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزر ہوئے ہر قدم پر سانپ کا خطرہ تھا۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا۔ پستول ہاتھ میں لے لیا آہستہ آہستہ آہٹ لیتا ہوا گھاٹ پر پہنچا۔ پگڈنڈی سے گھوم کر سیڑھیوں کی طرف آ رہا کہ سفید ساڑی میں ملبوس ایک عورت چبوترے سے اٹھی اور "شیکھر؟" کہہ کر میرے میں بانہیں ڈال دیں---- یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ میں گھبرا گیا۔ ایک ہاتھ اس کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بری طرح چمٹی ہوئی "شیکھر' شیکھر" کہے جا تھی۔ ویرانہ' تنہائی اور اندھیرے کے باوجود اس کے گداز جسم کی گرمی اور جذبات کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس کی کمر تھپتھپا کر آہستہ سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا سندری' میں شیکھر نہیں ہوں۔" میری آواز سنتے ہی وہ اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی میرا چہرہ دیکھنے لگی۔ میں ہنس دیا۔ اسی وقت پچھلی جھاڑیوں میں ہلکی سی آہٹ ہوئی اور ٹا کی روشنی ہمارے چہروں پر پڑی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سفید کرتے اور دھوتی میں ملبو ایک نوجوان چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ مجھ سے نگاہیں ملتے ہی اس نے لڑکی کی طر دیکھ کر کہا---- "یہ کیا رمنی؟" رمنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ گم صم کھڑی تھ نوجوان نے اوپر سے نیچے تک میرے سراپا کا جائزہ لیا اور میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کانپ گیا۔ "آپ۔ آپ---- سرکار آپ کون ہیں؟" وہ بمشکل کہہ سکا۔ میں نے پس والا ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال کر کہا---- "گھبراؤ نہیں---- تمہاری رمنی میری نہیں---- میں اپنی رمنی کی تلاش میں آیا تھا شیکھر...... یہ اندھیرے میں مجھے شیکھر بیٹھی...... اور کچھ نہیں۔ آؤ سنبھالو اسے۔" وہ میرے لہجے میں مطمئن ہو کر مسکرا دیا جب میں نے چلنے کے لئے قدم اٹھایا تو میرے پیروں میں گر پڑا..... اور "سرکار' سرکار" رٹ لگانے لگا۔ میں نے اس کا بازو تھام کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "احمق نہ بنو شیکھر" ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ میں مسکرا کر سڑک کی طرف چل دیا۔ چند قدم چلا تھا کہ اس نے ٹارچ میری طرف کر کے راستہ دکھانا شروع کر دیا۔ میں نے پلٹ کر کہا---- "نہیں

روشنی نہ کرو۔" اس نے ٹارچ بجھا دی اور جھپٹ کر میرے قریب آ گیا۔ "سر' آپ اپنا تعارف...."

"میں نے کہا تو' میں بھی تمہاری طرح اپنی----"

"یہ تعارف نہیں سر۔" اس نے کہا۔

"پھر کبھی سہی---- اب ہم ایک دوسرے کو پہچان سکتے ہیں۔" میں نے چلتے چلتے کہا۔ وہ سر جھکا کا لوٹ گیا---- میں سڑک پر پہنچ کر ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ چند منٹ توقف کر کے سگریٹ نکالا اور سلگانے سے پہلے لائیٹر سے رسٹ واچ دیکھی۔ سوا آٹھ بج رہے تھے۔ میں کافی دیر سے پہنچا تھا۔ اور بہت ممکن تھا کہ روپا آئی ہو اور انتظار کر کے لوٹ گئی ہو۔ تاہم یہاں تک پہنچنے کے بعد میں اس کا انتظار کئے بغیر نہیں جا سکتا۔ سگریٹ ختم ہونے تک درخت کی آڑ میں رہ کر دونوں طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر آہستہ آہستہ جھیل کے پل کی طرف چلنے لگا۔ بیس منٹ گزر گئے پل قریب آ گیا تھا لیکن روپا کی گاڑی کا نشان تک نہ تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا---- روپا پر بھی اور اپنے آپ پر بھی۔ لیکن اس پیچ و تاب میں بھی لوٹنے کے بجائے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا---- حتیٰ کہ پل کا پہلا سرا آ گیا۔ میں پل پر چلنے لگا۔ پل کی سڑک پر کوئی فٹ پاتھ نہ تھی۔ صرف ہر سو گز کے فاصلے پر پیدل چلنے والوں کو دو رویہ ٹریفک سے بچنے کے لئے چار فٹ لمبے اور چار فٹ چوڑے پلیٹ فارم بنا دیئے گئے تھے اور جھیل کی طرف حفاظتی جنگلہ لگا ہوا تھا۔ پل خالی پڑا تھا۔ روشنی بھی برائے نام تھی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد پہلے پلیٹ فارم پر ہی میں سڑک کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ چند ہی منٹ میں کھلی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے نیند آنے لگی---- سگریٹ جلانے کی کوشش تیز جھونکوں نے کامیاب نہ ہونے دی تو اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سوا نو بجے کے قریب شہر کی طرف سے ایک کار کی روشنی دکھائی دی۔ میں پلیٹ فارم پر کھڑا ہو کر اس کو اپنی طرف آتی ہوئی دیکھنے لگا۔ گاڑی پل پر پہنچتی تو میں اس کو پہچان کر سڑک پر بائیں جانب پہنچ گیا۔ گاڑی میرے قریب، پہنچ کر رک گئی۔ روپا نے آئم وری سوری" کہہ کر دروازہ کھولا اور میں اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ اس نے تیزی سے اسٹارٹ لیتے ہوئے کہا---- "تمہیں بہت انتظار کرنا پڑا نعیم ...... مجھے افسوس ہے۔ لیکن کچھ رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں---- انہیں-----"

"کیا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آج پھر میرا تعاقب کیا گیا---- اور اب کہیں ٹھہرنے کے خیال سے نہیں' صرف تم کو لے جانے کے لئے آنا پڑا ہے---- کدھر سے چلیں؟" میں نے کوئی جواب نہ دیا اور سوچنے لگا---- پل عبور کرتے ہی میں نے گاڑی رکوائی۔ روپا کو اٹھا کر اپنی سیٹ پر بٹھایا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔ پٹرول تو کافی ہے نا؟ روپا نے اثبات میں سر

بلایا۔ میں نے گیئر بدل کر ایکسی لیریٹر پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرتی ہوئی گھاٹی سے گزرنے لگی---- پہلے ہی موڑ پر سامنے سے ایک جیپ آتی دکھائی دی جس میں ڈرائیور کے علاوہ تین آدمی اور بیٹھے تھے اور سب مسلح فوجی تھے۔ روپا نے گھبرا کر کہا۔

"بیک کرو نعیم۔" میں نے گاڑی روک کر بیک ٹرن لیا۔ پھر بیک کی اور ٹرن لے کر تیزی سے شہر کی طرف دوڑا دی۔ اس دوران میں جیپ سڑک پر رکی کھڑی رہی۔ فوجی باتیں کرتے رہے لیکن کسی نے کوئی فائر نہ کیا۔ شاید اس لئے کہ روپا مجھ سے بری طرح لپٹی ہوئی تھی۔ گاڑی کی اسپیڈ بڑھتے ہی اس نے جذباتی لہجے میں کہا---- "سنو نعیم۔ شائد ہمارا وقت قریب ہے----" اس کی آواز بھرانے لگی۔ "وعدہ کرو ساتھ مریں گے۔"

میں نے بغیر اس کی طرف دیکھے جواب دیا۔ "نہیں---- یہ تمہاری تذلیل ہے۔"

"ہو گی---- میں اس کو عزت سمجھتی ہوں----" اس نے تیزی سے کہا۔

میں نے کہا۔ "وہ صرف مجھے اڑانا چاہتے ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ اور اگر کہنا چاہتے تو اب تک کار کو چھلنی کر چکے ہوتے۔"

"ہاں۔" اس نے کہا---- "لیکن میں راج کماری ہوں نعیم۔ دیشیا تو نہیں کہ اپنے محبوب کو---- میں تمہارے بستر میں رہ چکی ہوں۔ تمہاری قبر میں بھی رہنا چاہتی ہوں۔"

"ہوش میں آؤ روپ---- میں اپنا بچاؤ کرنا چاہتا ہوں---- تم علیحدہ ہو جاؤ اور لاشیں گنو---- ان میں اگر ایک میری بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے---- یہ بھی ممکن ہے جہیل میرے لئے آغوش مادر ہو جائے۔ میں تیراکی کا پرائز ہولڈر ہوں----" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور سسکیاں لینے لگی---- پل پر گاڑی آتے ہی بولی---- "اچھا ڈریسٹ تو پھر ایسا کرو میں نیچے اتر کے انہیں روکتی ہوں۔ تم گاڑی لے کر نکل جاؤ۔" میں نے گاڑی پل کے بیچوں بیچ کھڑی کر دی۔ اس نے پستول ہاتھ میں لیا اور دروازہ کھول کر پیچھے کی طرف چل دی۔ میں نے جھک کر جوتوں کے تسمے ڈھیلے کرنے شروع کر دیئے۔ تعاقب کرنے والی گاڑی ڈیڑھ سو گز کے قریب فاصلے پر رک گئی---- میں جھک کر سیٹ کی آڑ میں ہو گیا۔ روپا بمشکل چالیس پچاس قدم پہنچی ہو گی کہ سامنے سے ایک اور کار تیزی سے پل پر آنے لگی۔ اب فرار کی دونوں راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ میں نے جوتے اتار کر بائیں ہاتھ میں لئے اور گاڑی سے نکل کر قریبی پلیٹ فارم کی طرف دوڑا۔ دو گولیاں میرے کان کے پاس سے گزر گئیں---- یہ فائر جیپ سے کئے گئے تھے۔ شہر کی طرف سے آنے والی گاڑی چالیس پچاس قدم کے فاصلے پر آ کر رکی دو آدمی نیچے اترے اور میری طرف دوڑے ان کے ہاتھوں میں پستول تھے---- میں پلیٹ فارم پر پہنچ چکا تھا۔ اگلے آدمی کو پستول سیدھا کرتے دیکھ کر جنگلے پر جھک گیا---- گولی میرے سر پر سے گزر گئی---- جیپ کی طرف سے دوسرا فائر ہوا تو تمام گولیاں جنگلے پر اس جگہ پڑیں جہاں ایک ثانیہ قبل میرا سر تھا---- لیکن میں سر کے بل جھیل میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

پانی میں ایک چھپاکا سا ہوا اور میں تیزی سے نیچے جانے لگا۔ پندرہ بیس فٹ گہرائی میں پہنچنے کے بعد چھلانگ کا زور ختم ہوا۔ میں نے جوتے چھوڑ دیئے۔ پستول منہ میں دبایا اور پلٹی کھا کر دونوں ہاتھوں سے پانی کاٹتا ہوا تیزی سے اوپر آنے لگا۔ میں نے جس وقت سطح آب سے سر ابھارا پل کے نیچے تھے۔ دو تین آدمی جنگلہ تھامے جھک کر جھیل میں جھانک رہے تھے۔ میں پلٹا اور پل کے قریب پہنچ کر نچلے حصے کے جوڑ میں انگلیاں پھنسا دیں۔ اوپر سے فوجیوں کے بولنے اور جھلا کر ایک دوسرے کو سخت سست کہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ روپا کے چیخنے چلانے کی کوئی آواز نہ تھی۔ شاید انہوں نے کسی طرح اس کو گرفت میں لے لیا تھا۔ اور وہ بے بس ہو چکی تھی۔ اوپر سے کسی نے کہا۔ "کہیں نظر نہیں آتا شاید۔ کپڑوں اور جوتوں نے ابھرنے ہی نہیں دیا۔" کسی نے کہا۔ "اچھا تیراک ہے حوالدار صاحب۔ غوطہ لگا کر کہیں دور نکل گیا ہوگا۔"

"تو گھاس کھا گیا ہے وناٸیک۔" یہ حوالدار کی آواز تھی۔ "حوالدار بھی سالا تیراک ہے لیکن پچاس فٹ اونچے پل سے فل سوٹ میں چھلانگ لگا کر تین مہینے میں بھی اوپر نہیں آ سکتا۔"

"تو پھر گیا پیندے میں۔"

"اوپر آتے آتے سانس ٹوٹ گیا ہوگا۔ دو سیر پانی پیٹ میں پہنچنے کے بعد تیس مار خاں بھی اوپر نہیں آتا۔ گیا سالا جہنم میں۔" حوالدر نے گالی دے کر کہا۔ اسی وقت کسی نے کہا۔ "وہ رہا۔ اسی طرف آ رہا ہے۔" میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی پل کے دروازے سے تیس چالیس گز کے فاصلے پر ایک تربوز یا خربوزہ لہروں پر ہلکورے کھاتا ہوا آہستہ آہستہ اسی طرف بڑھ رہا تھا اور ابتدائی تاریخوں کے چاند کی ہلکی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔

"ہاں وہی ہے۔"

حوالدار نے کہا۔ "اڑا دو اور کھیل ختم کرو۔"

دوسرے لمحے تین چار بندوقوں کے ایک ساتھ چلنے کی آواز آئی اور تربوز ---- غائب ہو گیا۔ "اچھا بیٹے ٹائیگر اب اگلے جنم میں ملنا۔" حوالدار نے قہقہہ لگا کر کہا۔

میں نے دائیں ہاتھ کی انگلیاں درز میں پھنسائیں اور بایاں ہاتھ نکالا۔ تھوڑی دیر بعد پل پر ان کے چلنے کی آہٹ ہوئی اور پھر جیپ کے اسٹارٹ ہو کر چلنے کی آواز آئی۔ کار کی

حیرت زدہ ہو گیا۔ "کب آئے صاحب؟" اس نے پوچھا۔

"کافی دیر ہوئی۔" میں نے جواب دیا۔ "تم کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ کون تھا۔۔۔۔؟"

"کھاکر۔ وہ کل خاندیش جا رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"چائے بناؤ واسو۔" میں نے کہا۔ "اور دیکھو الماری سے سگریٹ بھی نکال دو۔" واسو سگریٹ کا پیکٹ دے کر باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔ میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سگریٹ سلگایا اور لمبے لمبے کش لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چائے آگئی اور میں نے پیالی میں انڈیل کر پینی شروع کر دی۔ واسو ٹرے لے کر جانے لگا تو میں ے پوچھا۔ "کیپٹن صاحب نے تو مجھے نہیں بلایا تھا واسو۔؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ "اچھا اب سو جاؤ۔"

مجھے بستر پر لیٹے ہوئے چند منٹ گزرے ہونگے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے بیڈ سوئچ دبا کر لائٹ کی اور بستر سے اٹھنے لگا تھا کہ واسو نے دروازہ کھول دیا۔ پرب اندر داخل ہو اور سلام کر کے بولا۔ "سارجنٹ صاحب کپتان صاحب بہادر نے کافی منگائی ہے اور کہا ہے پینی ہو تو آجاؤ۔" میں نے واسو کی طرف دیکھا وہ کافی کاٹن لینے چل دیا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ "پینے کی تو کئی چیز ہیں پرب' کپتان صاحب اس وقت کیا پینے کو بلا رہے ہیں؟"

بولا "کرنل صاحب بہادر بیٹھے ہیں۔ دونوں نے وسکی پی اور اب کافی کے لئے یہاں بھیجا ہے۔"

میں نے کہا۔ "پھر ٹھیک ہے کافی لے جاؤ۔ کرنل صاحب کے سامنے میں سلیپنگ سوٹ میں نہیں جا سکتا۔" پرب کافی لے کر چلا گیا۔ میں بتی بجھا کر پھر بستر دراز ہو گیا۔

صبح ساڑھے سات بجے غسل اور شیو سے فارغ ہو کر چائے کا انتظار کر رہا تھا کہ کیپٹن ڈیش مکھ اندر داخل ہوئے میں نے اٹھ کر سلام کیا اور ٹیبل کے قریب ایک کرسی گھسیٹ کر ان کو بٹھایا۔ واسو نے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ دی۔

"رات کو تم آئے کیوں نہیں نعیم۔؟" انہوں نے بیٹھتے ہی کہا۔

"کرنل صاحب کی وجہ سے سر۔" میں نے جواب دی۔ "سلیپنگ سوٹ میں ان کے سامنے آنا مناسب معلوم نہیں ہوا۔"

"شام کو کہیں گئے تھے۔؟"

"شہر گیا تھا سر..... نو بجے کے قریب واپس آگیا۔"

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔ "میں نے ان کو تمہارے کہیں نہ جانے کا کہا تھا۔"

"کیا انہوں نے میرے متعلق پوچھا تھا سر؟"

کیپٹن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میری سمجھ میں نہیں آیا' کیوں پوچھا انہوں نے۔"

"سر کرنل صاحب تو میرے متعلق زیادہ نہیں جانتے۔"

"یہ تمہارا خیال ہے ...... تمہارے متعلق کون کتنا جانتا ہے یہ تم کیسے جان سکتے ہو۔ خاموش پانی ہمیشہ گہرے ہوتے ہیں۔"

میں نے ہونٹوں سے پیالی ہٹا کر کہا۔ "بجا ہے سر۔"

"وہ میرے پاس بہت کم آتے ہیں نعیم ...... آج رات کے سوا دس بجے اچانک آ جانا مجھے پریشان کر رہا ہے۔ سچ بتاؤ کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہے؟ ...... میرا مطلب ہے۔ تم کہیں دیکھے تو نہیں گئے؟"

"سر میں کسی ایسی جگہ نہیں گیا جہاں دیکھا جا سکتا۔" میں نے وثوق سے کہا۔ "اور کسی ایسی شخصیت کے ساتھ نہیں گیا جس کے ساتھ دیکھا جان خطرناک ہو۔"

کیپٹن مسکرا دیئے۔ "تو پھر فکر کی کوئی بات نہیں نا؟"

"فکر کیا ڈیڈی۔ ہمیں کوئی امر ہونے کی تمنا تو نہیں---؟"

"کرنل صاحب کی دعوت کر ڈالیں؟" انہوں نے موضوع بدلا۔

"ضرور کیجئے سر' لیکن میں سروس کے سوا تو کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"پھر جانے دو۔ مجھے خاک لطف آئے گا۔"

"کر ڈالئے ڈیڈی۔ کھلایا پلایا رائیگاں نہیں جاتا۔ اور پیسہ روپیہ تو۔ آپ جانتے ہی ہیں۔"

وہ ہنس دیئے۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سو کا ایک نوٹ نکال کر چپکے سے ان کی جیب میں سرکا دیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد وہ چلے گئے۔

دس بجے میں راج محل پہنچ گیا۔ چارج لینے کے بعد ہال میں گیا۔ اڈی کانگ اور ان کے سیکرٹری کا چیمبر خالی تھا۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور ہال میں ٹہلنے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ دونوں بیک وقت کہاں گئے۔ یہ نہ صرف خلاف معمول بلکہ خلاف قانون بھی تھا۔ ان میں سے ایک کو ضرور ہونا چاہئے تھا۔ کئی منٹ گزر گئے۔ میں اپنے کیبن کی طرف چلنے لگا۔ اسی وقت مسٹر مہتا صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ جواب دینے کے بجائے حیرت زدہ ہو کر میری طرف دیکھنے لگے۔ میں مسکرا دیا۔ "کیا بات ہے مسٹر مہتا؟" میں نے پوچھا۔ "آپ کی طبیعت کچھ ...." وہ میری بات کاٹ کر بولے۔ "ہاں مسٹر نعیم ..... کچھ ایسا ہی ہے۔" وہ چلنے لگے تو میں ان کے ساتھ ساتھ چیمبر تک پہنچ گیا۔ اور جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے لگے تو پھر پوچھا-- "یہ ہوا مسٹر مہتا ---؟" پلٹ

کر رہے۔ "کچھ نہیں ٹائیگر ذرا یونہی۔" بات ادھوری چھوڑ کر میز سے ایک فائل اٹھا لی اور ورق گردانی کرنے لگے۔ میں اکتا کر کیبن کی طرف چل دیا۔

گیارہ بجے کاریڈور میں کچھ زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ساتھ ساتھ میری گھبراہٹ بھی بڑھنے لگی۔ میری توقع کے خلاف روپا ابھی تک دکھائی نہیں دی تھی۔ حالانکہ اسے دس بجے کسی نہ کسی بہانے کاریڈور میں آ کر رات کے حادثے کے انجام کی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ شاید اسے میرے بچ نکلنے کی کوئی امید نہ رہی ہو گی۔ میں پریشان تھا اور پریشانی کی صورت میں جس چیز کے دامن میں پناہ لے سکتا تھا۔ وہ یہاں دستیاب نہ تھی۔ میں خود کو مصروف رکھنے کے لئے سگریٹ سے سگریٹ سلگا کر پیئے چلا جا رہا تھا۔ بارہ بجے کے قریب سادھنا لفٹ سے اتر کے اس طرف آتی دکھائی دی۔ میں سگریٹ ایش ٹرے پر رکھ کر کیبن سے باہر نکلا اور قریب آتے ہی اس کو سلام کیا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ "ٹھیک تو ہو نا نعیم؟"

میں نے کہا۔ "آپ کی نگاہ کرم چاہئے دیدی رانی۔"

وہ نیچی نگاہیں کر کے مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ اس کے شفقت آمیز طرز تکلم سے میری دل کو تقویت پہنچی۔ میں اس کو ہز ہائی نس کے ڈرائنگ روم کے داخلے کی گزر گاہ میں جاتے دیکھتا رہا۔ ساڑھے تین بجے ہز ہائی نس نے مجھے اندر طلب کیا۔ مسٹر مہتا نے حکم پہنچاتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہیں کہیں جانا پڑے گا۔ ٹائیگر۔ ہز ہائی نے بل مین منگانے کا بھی حکم دیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے ...... مسٹر مہتا ..... شکر ہے تم نے بولنا تو پسند کیا۔" وہ مسکرا دیئے اور دروازے تک ساتھ آئے۔ میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر مہاراج کو سلام کیا۔ یہاں اس وقت مہارانی اور سادھنا دیوی بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے ان کو بھی سلامی دی۔ "ہرہائی نس اور سادھنا' مدھو ساگر بھون جانا چاہتی ہیں ٹائیگر۔" مہاراجہ نے کہا "اور تم ان کے ساتھ جا رہے ہو۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "جو حکم یور ہائی نس۔"

"چائے پی چکے ہو؟" مہارانی نے پوچھا۔ میں نے سر جھکا دیا۔ انہوں نے ہنس کر کہا۔ "ارے پاگل ہو ٹائیگر۔ نہیں پی تو اسموکنگ روم میں جاؤ۔" اور انہوں نے بزر دبایا۔ ایک داسی اندر داخل ہوئی اور انہوں نے مرہٹی میں اس کو اسموکنگ روم میں چائے پہنچانے کو کہہ کر مجھے اس کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔ "جلدی نہیں ہے ٹائیگر۔" ہز ہائی نس نے کہا۔ "تم اطمینان سے چائے پی سکتے ہو۔" میں نے سر جھکا کر اظہار تشکر کیا اور چل دیا۔ بالکنی میں پہنچتے ہی داسی پلٹی اور مسکرا کر بولی۔ "کیا بات ہے ٹائیگر شری حضور تم کو کیپٹن رلیش کھہ سے بھی زیادہ سمان دیتا ہے۔"

"میں شری حضور کا ٹائیگر ہوں۔ کیپٹن صرف ایک آفیسر ہے۔" میں نے ہنس کر کہا ...... وہ بھی ہنس دی اور اسموکنگ روم کا دروازہ کھول کر پلٹتی ہوئی بولی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔ کیا کیا کھاؤ گے ٹائیگر؟"

"جو کچھ تم کھلاؤ۔ لیکن پہلے نام۔"

وہ جواب دیئے بغیر تیزی سے چل دی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگایا۔ تھوڑی دیر میں وہ ٹرے لے کر آ گئی اور میز پر رکھ کر بولی "میرا نام ساوتری ہے۔ کیوں؟"

میں نے "اچھا نام ہے" کہہ کر کھانا شروع کر دیا۔ وہ کھڑی دیکھتی رہی۔ میں نے چائے کی پیالی اٹھائی تو بولی۔ "کس طرح اچھا نام ہے ٹائیگر ----؟"

"ایک دیوی کا نام ہے جس کی میں عزت کرتا ہوں۔"

"تم دیوی کی عزت کرتا ہے ٹائیگر؟ تم تو ماڈرن ہے نا؟"

میں نے ہاتھ سے پیالی رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔ ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی۔ "تم برا مان گیا ٹائیگر ----؟"

"معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ساوتری۔ لیکن ...... خیر۔ اچھا یہ بات یہیں ختم کر دو۔ میں ناراض نہیں ہوں۔"

"اچھا تو چائے پیو۔" میں نے مسکرا کر پیالی اٹھا لی اور خالی کر کے رکھ دی۔ "بس ...... لو اب چلتے ہیں۔"

وہ "آ بھار" کہہ کر ہنس دی۔ میں کرسی سے اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ایک بار پھر کہا۔ "ناراض تو ہیں ٹائیگر؟" مہارانی نے ہز ہائی نیس کی طرف دیکھا۔ "جائیے" ہز ہائی نے کہا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

پورچ میں ہل مین کھڑی ہوئی تھی۔ شوفر نے مہارانی کو دیکھتے ہی دروازہ کھول کر سلام کیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ مہارانی نے کہا۔ "تم ڈرائیو کرو گے نعیم۔" میں نے سر جھکا کر اگلی سیٹ پر جگہ لے لی۔ ڈرائیور سلام کر کے پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے دروازہ بند کر کے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ابھی تک مجھے معلوم نہ تھا کہ مدھو ساگر پیلس جانے کا مقصد کیا ہے۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی ہز ہائی نیس نے سادھنا سے مرہٹی میں باتیں شروع کر دیں۔ ایک مرتبہ جب روپا کا نام لیا تو میرے کان کھڑے ہوئے اور میں نے پوری توجہ سے سننا شروع کر دیا۔ "اس کا دل کمزور ہے ...... لیکن ایسا بھی کیا کہ بچے سے ڈر کر ...... ہوش کھو بیٹھے اور جاگنے پر بھی باؤلی باؤلی باتیں کرتی رہے۔"

سادھنا نے کسی اوٹ پٹانگ سی نسائی بیماری کا نام لے کر کہا۔ "ممکن ہے اس کا اثر ہو؟"

ہر ہائی نیس نے کہا۔ "ممکن ہے۔"

گاڑی پھاٹک کے قریب پہنچتے ہی گارڈ فال ان ہو گیا۔ سلامی دی اور گاڑی پورچ میں رک گئی۔ میں نے بڑھ کر لفٹ کا دروازہ کھولا وہ دونوں اندر چلی گئیں۔ میں زینے کی طرف چلنے لگا۔ ہر ہائی نس نے کہا۔ "ہمارے ساتھ آؤ۔" میں سر جھکا کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا اور بٹن دبایا۔ اوپری منزل پر لفٹ رکتے ہی ایک گارڈ نے سلامی دی۔ اور آگے آگے چلنے لگا۔ میں مہارانی اور سادھنا دیوی کے پیچھے تھا۔ جھیل کی بارہ دری کی طرف ایک پانچ کمروں والے فلیٹ میں دروازے پر ایک نرس نے استقبال کیا۔ میں دروازے پر رک گیا۔ ہر ہائی نیس نے کہا۔ "اندر آؤ۔ ٹائیگر۔"

میں بادل نخواستہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ دل میں ہزاروں وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ سادھنا دیوی تھیں۔ روپا کے حیرت' استعجاب یا خوشی کے معمولی سے اظہار پر وہ تمام صورت حال سمجھ سکتی تھیں اور ...... اور میرا پروانہ اجل ان کے وینٹی بیگ میں تھا۔ میں کانپ اٹھا۔ درمیانی کمرے میں لیڈی ڈاکٹر نے مہارانی اور راجکماری سادھنا کا استقبال کیا۔ اور تیسرے کمرے میں لے گئی۔ یہاں کھڑکی کے قریب روپا ایک مسہری پر بے خبر سو رہی تھی ...... ہر ہائی نیس ایک صوفہ کرسی پر بیٹھ گئیں اور سادھنا کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے لیڈی ڈاکٹر کی طرف مخاطب ہوئیں۔ اس نے کہا "راجکماری نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے یور ہائی نیس۔ اس وقت مارفیا کے زیر اثر ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو جگاؤں۔"

"جگا سکتی ہو تو ضرور جگاؤ۔" انہوں نے کہا۔ "کب سے سو رہی ہیں؟"

"ہم نے ایک بجے دودھ وغیرہ پلانے کی کوشش کی تھی یور ہائی نس۔ پینے کی بجائے چیخنے اور رونے چلانے لگیں تو مارفیا دے کر سلا دیا۔"

"کیا سبب ہو سکتا ہے اس کا ڈاکٹر؟" سادھنا نے سوال کیا مجھے جھرجھری آ گئی۔

"شاک۔ ڈر گئی ہیں شاید۔"

مہارانی نے کہا۔ "جگاؤ دیکھیں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے روپا کا شانہ ہلایا۔ روپا دیوی' روپا دیوی کہہ کر آوازیں دیں۔ تھوڑی دیر میں وہ کلبلائی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا "ہر ہائی نیس آپ کو دیکھنے آئی ہیں۔ ذرا دیکھئے تو ....." روپا نے مہارانی اور سادھنا کے چہروں پر نظر ڈالی اور دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ سادھنا نے اٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ مہارانی نے اس کے سر پر ہاتھ پھرا کر کہا۔ "روپا۔ روپا کیا ہے۔ ہوش میں آؤ ذرا۔" روپا کی سسکیوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ میں لرز کر رہ گیا۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خوف کی جگہ محبت اور ہمدردی نے لے لی۔ مجھے اپنی زندگی بے حقیقت نظر

آنے لگی۔ منہ پھرا کر آنسو پونچھے اور دروازے سے سرک کر ہرہائی نیس کے عقب میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر رو کر شاید روپا کا دل ہلکا ہوا اور اس نے سادھنا سے علیحدہ ہو کر مہارانی کی طرف دیکھا۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کی زبان سے بے ساختہ "تم؟" نکلا۔ میں سرک کر دروازے کے قریب آڑ میں ہو گیا۔ اس نے ایک دم بات سنبھالی۔ "آپ۔ یور ہائی نیس!" کہا اور مہارانی کے گلے میں بانہیں ڈال کر پھر سسکیاں لینے لگی۔ سادھنا نے گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ میں دروازے میں کھڑا ہوا تھا ...... وہ پھر روپا کی طرف مخاطب ہو گئی۔

ہرہائی نیس نے روپا کی کمر تھپک تھپک کر اس کو پیچھے سرکایا اور محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "کیا ہوا روپا۔ اتنا گھبرانے کی کیا بات ہو گئی؟" اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے رات کو بہت ڈراؤنا خواب دیکھا۔ اس وقت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ...... جیسے ......" اس نے پھر مہارانی کے کندھے پر سر رکھ دیا اور خاموش ہو گئی۔

اس نے ان کے کندھے سے سر اٹھا کر آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔ "بھوک نہیں ہے یور ہائی نیس۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی میرے دل کو مٹھی میں لے کر کھینچ رہا ہے۔"

"ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ روپ۔ کوئی بات نہیں ڈیئر۔ اب میرے ہاتھ سے کچھ کھا لو ......" انہوں نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ "ڈاکٹر سے کہو نعیم کہ کچھ فروٹ جوس اور دودھ وغیرہ لائے۔" میں نے دوسرے کمرے میں جا کر ڈاکٹر کو مہارانی کا پیغام دیا اور چند منٹ میں ایک نرس تین چار گلاس ٹرے پر لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ مہارانی نے اپنے ہاتھ سے اٹھا اٹھا کر روپا کو جوس اور دودھ وغیرہ پلایا اور پیار سے پوچھا۔ "اب کیسا محسوس کر رہی ہو۔"

"بہت بہتر ہوں یور ہائی نیس۔" اس نے کہا۔ "لیکن میں اکیلی نہیں رہوں گی۔ تم آج میرے پاس ٹھہر جاؤ سادھنا دیدی۔"

سادھنا نے ہنس کر کہا۔ "اچھا۔" مجھے اس کے مطالبے میں خطرے کا سگنل نظر آنے لگا۔ کہیں وہ سادھنا سے اپنی محبت کی داستان نہ بیان کرنا شروع کر دے۔

ہرہائی نیس نے کہا۔ "تمہارے پاس کئی لڑکیاں ہیں روپ۔ سادھنا کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے اور پھر کل تک تو تم آ ہی جاؤ گی۔" روپا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ مہارانی نے اس کے سر پر ہاتھ پھرایا اور اٹھ کھڑی ہوئیں اور ساتھ ہی میری جان میں بھی جان آئی۔

ہرہائی نیس اور سادھنا کو اوپر پہنچا کر میں نیچے آیا اور پیلس سے نکل کر بنگلے کی طرف چلنے لگا۔ سڑک عبور کر کے سو سوا سو قدم پر روشوں سے گزرتے ہوئے سڑک کے

موڑ پر میجر ہاشمی دو جوانوں کے ساتھ جو سفید کپڑوں میں ہونے کے باوجود تن و توش سے فوجی معلوم ہوتے تھے' کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے...... میں نے ان کو دیکھتے ہی "ہیلو میجر" کہہ کر انگوٹھے سے پی کیپ اوپر اٹھائی۔ ہاشمی صاحب انگریزی طرز کا سلام کب پسند کرنے والے تھے۔ یہ تو ان کے جذبہ ایمانی کی توہین کے مترادف تھا۔ مسکرا کر بولے۔ " صاحب بہادر و علیکم السلام۔ جنت القام دوزخ الحرام۔"

میں نے چلتے چلتے ہنس کر کہا۔ "مجھے اتنی فرصت کہاں ہاشمی صاحب۔ "دونوں جوانوں نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ایک نے کسی وجہ سے اتنا لمبا سانس لیا کہ اس کے سینے میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے چلتا ہوا بنگلے پہنچ گیا۔ یونیفارم اتارنے کے بعد چائے پیتے پیتے میں نے ہاشمی صاحب کی اس ملاقات کے معنی پر غور کیا تو اس کے سوا اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی کہ شاید انہوں نے مجھے ان دو اجنبیوں کو دکھانے کے لئے ہی زحمت فرمائی تھی۔

شام کو کھانا کھانے کے بعد میں نے جان ہیگ کی بوتل کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھی اور کیپٹن کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ کیپٹن اس وقت دٹلری کمانڈر میجر سعید حسن برنی کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے سیلوٹ کیا تو مسکرا کر بولے۔ "میجر برنی یہ ہے میرا فیورٹ سارجنٹ نعیم------"

میجر نے گلاس میز پر رکھ کر کہا۔ "یو مین ٹائیگر' کیپٹن------؟"

کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "تو پھر آپ اس کو جانتے ہیں میجر...... بیٹھ جاؤ ٹائیگر۔"

میں "تھینک یو سر۔" کہہ کر قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کیپٹن نے اپنے سگریٹ کیس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اسموک ٹائیگر۔"

میں نے شکریہ ادا کر کے کہا۔ "سر آپ کے سامنے کیسے پی سکتا ہوں۔" میجر نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں دو تین منٹ میں اس فرضی ڈسپلن سے بور ہو کر اٹھنے لگا تو کیپٹن نے ہاتھ سے اشارہ کر کے روک دیا اور بولے۔ "میجر برنی کا تعلق یوپی سے ہے ٹائیگر۔ شاید تم متعارف نہیں ہو ان سے...... تمہارے تو ہم زبان اور ہم وطن ہیں۔"

میں نے کہا۔ "مجھے خوشی ہوئی سر۔" میجر نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم کہاں کے رہنے والے ہو سارجنٹ نعیم؟"

میں نے کہا۔ "پنجاب کا سر۔"

مسکرا کر بولے۔ "پھر تو تم دسکی کے نام سے ڈرتے ہو گے۔ پنجابی بڑے راسخ الاعتقاد ہوتے ہیں۔"

کیپٹن ہنس دیئے۔ میں نے میجر سے کہا۔ "سر یہ آپ نے صحیح فرمایا میں واقعی دسکی کے نام سے بھاگتا ہوں۔ جان ہیگ پیتا ہوں۔"

میجر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "خوب بھئی ------ مان گئے تمہیں۔" کیپٹن بھی ہنس دیئے اور میجر کی طرف دیکھ کر بولے۔ "یہ شیطان پیتا نہیں ہے۔ انڈیلتا ہے۔"

میجر نے ایک گلاس منگایا اور اس میں چار انگل وسکی انڈیل کر کہا۔ "اٹھا لو ٹائیگر اور پی جاؤ ------ ڈی آر فرینڈز ناؤ۔"

میں نے کیپٹن کی طرف دیکھا اور انہوں نے اپنا پسندیدہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔ "لے شیخ آنکھ میچ کے پی جا ثواب ہے......" میں نے گلاس اٹھا کر پینی شروع کر دی اور پیتے پیتے دونوں کی نگاہ بچا کر جیب سے بوتل نکال کر ہاتھ میں لے لی اور گلاس خالی کر کے بوتل بھی اس کے پاس رکھ دی۔ میجر نے میز کی طرف دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر بولا۔ "یہ کہاں سے آئی کیپٹن؟" کیپٹن نے کندھے اچکا دیئے۔ میں نے کہا۔ "پیچھے سر ------ میں نے آپ کو شعبدہ دکھایا ہے۔ یہ اصلی والی نہیں شربت ہے۔" کیپٹن نے پرب کو بلا کر کہا ------ "پیچ کس لا کر کھول ڈالو پرب۔"

بوتل کھل گئی۔ میجر بنی سمجھ گئے۔ ٹائیگر صرف سارجنٹ نہیں ------ کچھ اور بھی ہے۔ دو دو پیگ پینے کے بعد سینیر جونیئر کا امتیاز ختم ہو گیا اور میجر صاحب دوستانہ انداز میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

ساڑھے دس بجے وہ کیپٹن سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔ ہم انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے۔ اندر آ کر میں نے کیپٹن سے رخصت طلب کی تو بولے۔ "بیٹھ جاؤ ------ بنی کے سامنے میں تم سے کھل کر بات نہیں کر سکا ------ ابھی کوئی زیادہ وقت تو نہیں ہوا۔" میں آہستہ سے کرسی میں سما گیا۔ انہوں نے ایک ایک پیگ دو گلاسوں میں انڈیلی اور میری طرف دیکھا۔ میں نے گلاس اٹھا کر کہا۔ "سر آپ بہت پی چکے ہیں ------ کہیں طبیعت خراب نہ ہو جائے۔"

وہ گلاس اٹھا کر بولے۔ "طبیعت سالی میری طرف سے جہنم میں جائے۔" میں ہنس دیا۔ انہوں نے ایک گھونٹ پی کر سگریٹ کیس میری طرف سرکایا اور بولے۔ "پرسوں سے دنت ادتسو شروع ہے نعیم۔"

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں عبیر گلال کا موسم آ گیا ------"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ذرا تم محتاط رہنا اور سمجھا دینا تمہارے اوپر رنگ وغیرہ پھینکنے سے گریز کریں۔ کیا سمجھے ------؟"

"سمجھ گیا سر ------" میں نے گلاس رکھتے ہوئے کہا اور سوچنے لگا کس کس کو سمجھاؤں گا۔ تین چار کے ساتھ ہولی کھیل چکا ہوں۔ کسی نہ کسی کے چھینٹے تو ضرور پڑینگے۔ شکر ہے روپا کے متعلق انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔

گیارہ بجے میں نے پھر اجازت طلب کی کیپٹن نے کہا۔ "اچھا شب بخیر۔" پرب مجھے

بنگلے تک پہنچانے کو ساتھ ہو گیا۔ دروازے سے نکلتے ہی بولا۔ سارجنٹ صاحب بہادر۔۔۔۔۔۔ آج میں شام کو آپ کے بنگلے گیا تو واسو بہت سارے نوٹ اپنے بکس م رکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر گھبرا گیا۔ یہ آپ نے اس کو دیئے کیا؟"

میں نے حیرت زدہ ہو کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ "نہیں پربب میں کبھی کبھ دس بیس روپے تو ضرور دیتا ہوں لیکن اتنے زیادہ نہیں...... کتنے ہوں گے تمہارے خیا میں؟"

"صاحب بہادر...... دو تین ہزار سے کم تو نہیں ہو سکتے۔"

میں نے "شکریہ پربب" کہہ کر پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پچاس روپے نکال ک اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔

وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "صاحب بہادر اس کی ضرورت۔"

"سب کو اس کی ضرورت ہوتی ہے پربب۔۔۔۔۔۔ جیب میں رکھ لو اور واپس ج جاؤ...... میں جا سکتا ہوں۔" میں نے اس کی کمر تھپکتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔ وہ سلام کر کے پلٹا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ میں نے اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ کر کہا۔ "سنو پربب!" و رک گیا۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم فکر نہ کرنا پربب۔۔۔۔۔۔ تمہار نام نہیں آئے گا۔" اس نے جھک کر میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے اور بولا۔ "صاحب بہادر آپ سے یہی امید تھی...... میں آپ سے بھی اتنی محبت رکھتا ہوں جتنی کپتان صاحب سے۔" میں نے پھر اس کی پیٹھ ٹھونکی اور بنگلے کی طرف چل دیا۔ اس انکشاف نے میرا نش ہرن کر دیا۔ واسو' جس کو میں انتہائی وفادار اور قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ چور نکلا۔ یقیناً" اس نے میرا سوٹ کیس کھول کر ہی یہ روپیا نکالا ہو گا۔ میں یہی سوچتا جا رہا تھا اور دروازے پر پہنچا تو خفیہ طریقے سے انکوائری کرنے کے بعد اس کو سزا دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

واسو نے پہلی دستک پر دروازہ کھولا اور میں اس کے چہرے پر نظر ڈالے بغیر خواب گاہ میں چلا گیا۔ وہ دروازہ بند کر کے میرے پاس آیا۔ جھک کر جوتوں کے تسمے کھولے۔ سلیپنگ سوٹ لا کر دیتے ہوئے بولا۔ "کافی بناؤں صاحب؟" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ میں نے سلیپنگ سوٹ پہنا دروازہ بند کیا اور سگریٹ سلگا کر اپنا سوٹ کیس کھولا۔ کپڑے نکال کر دیکھے۔ کسی چیز کی ترتیب میں فرق نہیں آیا تھا نیچے نوٹوں کے بنڈل بھی صحیح حالت میں تھے۔ مجھے یقین ہو گیا سوٹ کیس کو چھوا تک نہیں گیا۔۔۔۔۔۔ تو پھر؟" میں سوٹ کیس بند کر کے سوچنے لگا۔ "واسو کے پاس اتنے نوٹ کہاں سے آئے؟ پربب غلط بیانی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔ تو کیا۔۔۔۔۔۔ کسی نے اس کو رشوت دی؟ لیکن کیوں اور کس نے؟ یکایک میرا ذہن کنورا یشر سنگھ کی طرف منتقل ہوا۔ وہ چوٹ کھایا ہوا ناگ تھا۔ کئی بار مجھے ختم کرنے کی کوشش کر چکا تھا اور ہر مرتبہ ناکامی کے سوا جو کچھ حاصل

ہوا وہ دو جوانوں کی موت اور ایک کار کی قیمت کا جرمانہ تھا۔ یہ دوسرا ناسک بلکہ اس سے کہیں زیادہ چالاک اور عیار تھا۔ ناسک نے جو کچھ کیا اپنے طریقے پر کیا۔ یہ خود سامنے آنے کے بجائے دوسروں کے کندھے پر بندوق چلا رہا تھا۔ میں کئی بار اس کی انگلیوں میں آ کر پھسل چکا تھا اور ابھی تک اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ مایوس ہو کر اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا ہو اور لیکن داسو------ کیا وہ مجھ سے بے وفائی کر سکتا ہے۔ کیا وہ غداری پر آمادہ ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے تو کس حد تک جا سکتا ہے؟ یہ سوچتے سوچتے میرا دماغ خراب ہونے لگا۔ آخر خود ہی اس کو شراب کے اثر پر محمول کر کے سوچنے اور عمل کرنے کا کام صبح پر ملتوی کیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

صبح آٹھ بجے شیو اور غسل سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا تو داسو ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ رہا تھا۔ میں نے ایک کپ میں چائے انڈیلی اور اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے سامنے بیٹھ جاؤ داسو اور چائے پیو۔"

وہ میری طرف دیکھ کر ہنس دیا اور کہنے لگا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے صاحب------؟"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچ لیا اور کرسی پر بٹھا کر کہا۔ "ایسے۔" اس نے گھبرا کر میری طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر چائے پینی شروع کر دی۔ میں تھوڑی دیر اس کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بغیر چائے پیئے یونیفارم پہننے لگا۔ چائے ختم کر کے وہ میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں یونیفارم پہن کر چلنے لگا تو ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "صاحب چائے نہیں پیو گے------؟"

میں نے کہا------ "نہیں------"

بولا "کیوں سرکار------ مجھ سے کیا خطا ہوئی------؟"

میں نے پلٹ کر کہا------ "اب میں تم پر اعتبار نہیں کرتا۔ شاید تم بک چکے ہو۔" وہ خوف زدہ ہو کر میری ٹانگوں سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اٹھایا اور کہا۔ "سنو داسو' مجھ سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اگر تم نے شام تک اپنا بے گناہ ہونا ثابت نہیں کیا تو تم ایسی جگہ بھیج دیئے جاؤ گے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔"

"سرکار۔" اس نے پھر ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "شاید پربھ نے آپ سے کچھ کہا ہے------ لیکن......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پربھ کا نام نہ لو------ میں کسی کے بہکانے میں نہیں آیا کرتا۔"

"ضروری ہے------ صاحب------ اسی نے میرے پاس روپیہ دیکھ کر آپ

کو......"

"روپیہ؟" میں نے بگڑ کر کہا۔ "روپے کا نام کس نے لیا------؟"

"میرے بکنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے۔"

"اچھا------ تو پھر بتاؤ تمہارے پاس روپیہ کہاں سے آیا۔"

"مجھے خود بھی نہیں معلوم لیکن دو ہزار روپیہ ملا ہے اور میں اس کا انتظار کر رہا ہوں جو کسی وقت مجھے کوئی خاص حکم دینے والا ہے۔"

"تو کیا وہ پھینک کر چلا گیا------؟"

"جی نہیں------ ایک عورت دے کر گئی ہے۔"

"کون عورت------؟"

"میں اس کو جانتا ہوں اور کسی وقت بھی آپ کے پاس لا سکتا ہوں لیکن وہ خود بھی کچھ نہیں جانتی۔ اس کو بھی کسی عورت نے دیا ہے اور یہ کہلوایا ہے کہ داسو اگر تھوڑے دنوں میں مالدار بننا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ میں نے کہہ دیا میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا------؟"

"کیا فائدہ سرکار------ جب تک اصلی آدمی سامنے نہ آئے------ کیا آپ مجھ پر بھروسہ نہیں کر سکتے------؟"

"میں تم پر آدھی دنیا سے زیادہ بھروسہ کرتا رہا ہوں لیکن اب نہیں کرتا۔"

"اسی لئے آپ نے چائے نہیں پی؟"

"ہاں------ میرا خیال ہے تم پر اعتماد کرنا خود کو خطرے میں ڈالنا ہے۔" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر اپنی کوٹھڑی میں گیا اور سوٹ کیس لا کر میرے سامنے ڈال دیا...... تالا کھولنے لگا تو میں نے کہا۔ "کیا کرنا چاہتے ہو------؟" اس نے تمام نوٹ نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیئے اور بولا۔ "انہیں جلا دو صاحب۔" میں نے ہنس کر تمام نوٹ سوٹ کیس میں پھینک دیئے اور باہر نکلنے لگا۔ اس نے میرے پیر پکڑ لئے اور بولا۔ "صاحب میں آپ کو اپنے دیوتا کے برابر سمجھتا ہوں۔ اگر آپ تھوڑے دن صبر کریں تو میں یہ تمام راز کھول کر دکھا دوں گا۔ آپ بھلے اپنے کھانے پینے کا کوئی اور انتظام کر لیں۔" میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے میز پر بیٹھ کر ناشتہ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے چائے دانی پر ہاتھ لگا کر دیکھا اور کپ لبریز کر دیا۔ جب تک میں چائے پیتا رہا وہ وہیں کھڑا رہا۔ میں نے کئی بار اس کو منہ پھرا پھرا کر آستین سے آنسو پونچھتے دیکھا۔ ناشتہ ختم کر کے اٹھتے ہوئے میں نے اس کا بازو تھپک کر کہا۔ "کوئی بات نہیں داسو' سچ اور جھوٹ ظاہر ہو کر رہے گا۔ اگر تم سچائی پر ہو تو میں تمہیں کبھی علیحدہ نہیں کروں گا لیکن اگر واقعی تم سے

غلطی ہو گئی ہے تو پھر...... پہلی فرصت میں ولاس پور کو گڈ بائی کہہ دینا۔------ میں آستین میں سانپ پالنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

اس نے سر جھکا کر کہا۔ "مجھے منظور ہے حضور۔"

میں باہر نکل آیا اور راج محل کی طرف چل دیا۔ حالانکہ ابھی نو بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے۔

دوپہر کو ڈیڑھ بجے کے قریب میں کھانا کھا کر سگریٹ سلگاتا ہوا اے ڈی سی چیمبرس کی طرف جا رہا تھا کہ لفٹ کی طرف سے سادھنا اور یشودھرا ہزہائی نیس کے ڈرائنگ روم کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دیں۔ میں چلتے چلتے رک گیا اور انہیں سلام کیا۔ سادھنا نے یشودھرا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اسے لے چلیں کیا؟" یشودھرا نے مسکرا کر کہا۔ "مجھ سے پوچھنے کی ضرورت بھی ہے کیا------؟" وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔ میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ کہاں جا رہی ہیں۔ ان کو جاتے دیکھتا رہا اور جو وہ کاریڈور سے اندر چلی گئیں تو میں مسٹر مہتا کے پاس پہنچ گیا اور ان سے باتیں کرنے لگا۔ یہ ہزہائی نس کے کھانے کا وقت تھا اور ہمارے عیش کا------ کچھ دیر بعد مسٹر مہتا اندر چلے گئے۔

ساڑھے تین بجے چائے کے ساتھ ہی مسٹر مہتا میرے پاس آئے اور بولے۔ "ٹائیگر چائے برخاست------ حضور یاد فرما رہے ہیں۔" میں نے ٹرے واپس کر دی۔ آئینے کے سامنے آ کر یونیفارم پر ایک نظر ڈالی اور تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ اندر شاہی جوڑے کے علاوہ سادھنا اور یسودھرا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ سلام کرتے ہی مہارانی نے کہا۔ "ٹائیگر ان دونوں راجکماریوں کو مدھو ساگر لے جاؤ۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "بہتر ہے یور ہائی نیس۔" بولیں۔ "چائے تو نہیں پی سکے ہو گے------؟"

میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں یور ہائی نیس۔"

انہوں نے بزر دبا کر کہا۔ "اسموکنگ روم میں چلے جاؤ------" میں سر جھکا کر چل دیا۔ بالکنی میں ساوتری سامنے سے آتی ہوئی نظر آئی۔ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر جھکی اور سیدھی ہو کر بولی۔ "چائے پئیں گے------؟"

"ہاں تم اور کیا پلا سکتی ہو------؟" میں نے ہنس کر کہا "لیکن یہ درباری سلام کیوں------؟"

"آپ بھی تو ہمارے درباری ہیں۔" اس نے پلٹتے ہوئے کہا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے اسموکنگ روم تک آیا۔ وہ دروازہ کھول کر ہاتھ سے اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ "پدھاریئے۔" میں سلام اور "دربار" کے خطاب پر غور کرتا ہوا اندر داخل ہوا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ میں سگریٹ پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ ٹرے لئے ہوئے اندر آئی اور مسکرا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "

ساوتری ایک بات بتاؤ گی------؟"

بولی۔ "دو پوچھو۔"

"تم نے مجھے دربار کہا------ کیوں؟"

"اپنا دربار کہا ہے اور ہم ایسا مانتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ میں نے پیالی منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ "پھر ٹھیک ہے۔"

"اچھا اب بولو اور کیا پینا مانگتے ہو؟"

مجھے ہنسی آ گئی۔ "اتنی دیر میں جواب کیوں دیا-----؟" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"دیا تو----- اب آپ جواب دو۔"

"مجھ سے جواب نہ مانگو چائے کے علاوہ کچھ بھی پلا دو۔"

وہ ہنس دی۔ "اچھا ٹائیگر ہم تم کو کچھ بھی پلائیگا لیکن بڑا آدمی بڑا ہوتا ہے...... اور چھوٹا......"

"مجھ کو بڑا آدمی سمجھتی ہو تو...... بات کو ختم کر دو...... پہلے کی طرح...... آؤ چلتے ہیں۔" وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ میں اٹھ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔ "اچھا نام ہم بات ختم نہیں کرتا۔ اب تو خوش ہو؟" میں ہنس دیا۔ وہ بھی ہنس دیا ور دوسری طرف روانہ ہو گئی۔

مدھوساگر پہنچ کر میں سادھنا اور یشودھرا کو لے کر اوپر آیا سادھنا نے روپا کے کمرے کا بزر دبایا۔ ایک نرس نے آ کر دروازہ کھولا اور سلام کیا اندر پہنچ کر وہ دونوں روپا کے بیڈ روم کی طرف چلنے لگیں۔ میں درمیانی کمرے میں رک گیا۔ سادھنا نے دروازے پر پہنچ کر پیچھے کی طرف دیکھا اور کہا۔ "رک کیوں گئے نعیم؟"

میں نے کہا۔ "میں یہیں آپ کا انتظار کروں گا یور ایکسی لنسی۔"

بولی۔ "چلے آؤ۔" میں بادل ناخواستہ ان کے پیچھے پیچھے اندر پہنچ گیا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے خوف تھا سادھنا اور یشودھرا کی موجودگی میں اگر روپا ذرا بھی بہک گئی تو کھیل ختم ہے۔ شاید سادھنا ابھی تک مطمئن نہیں تھی اس لئے بار بار ہمارا سامنا کرا رہی تھی۔ روپا تکیئے کے سہارے بیٹھی ہوئی کوئی انگریزی ناول پڑھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی کتاب پھینک کر سادھنا کیطرف متوجہ ہو گئی۔ تشریف لانے کا شکریہ ادا کیا۔ مصافحہ معانقہ ختم ہونے کے بعد روپا نے میری طرف نظر ڈالی اور لاتعلق ہو کر پھر ان سے مخاطب ہو گئی۔ وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور اسکی صحت سے متعلق سوال جواب کرنے لگیں۔ میں یشودھرا کے پیچھے کھڑا ہوا سادھنا پر نظریں جمائے اس کی باتیں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد سادھنا نے پوچھا۔ "اب تمہاری واپسی کب ہو گی روپ----؟"

اس نے کہا۔ "بالکل ٹھیک ہوں دیدی ـــــ ابھی لے چلو ـــــ"
سادھنا ہنس دی۔ "تمہارے ساتھ تو بہت سازو سامان ہے روپ .... دو تین کاروں کے بغیر ...."
تو فون کر کے منگوا لیجئے .... یا مجھے ساتھ لے چلئے۔ سامان اور نوکرانیاں آتی رہیں گی۔ اب یہاں میری طبیعت نہیں لگتی۔"
سادھنا نے نرس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ڈاکٹر کو بلاؤ۔" نرس سر جھکا کر چل دی۔
یشودھرا روپا سے باتیں کرنے لگی۔ لیڈی ڈاکٹر کے آتے ہی سادھنا نے اس سے کہا۔ "ڈاکٹر روپا دیوی کو بڑے محل لے جائیں؟"
اس نے مسکرا کر کہا۔ "جو مرضی لیکن دو چار دن مکمل آرام کرتیں تو زیادہ بہتر تھا۔"
روپا مسکرا کر مسہری سے کود پڑی اور کہنے لگی۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں ڈاکٹر ـــــ آرام تو وہاں بھی کر سکتی ہوں۔"
ڈاکٹر نے کہا۔ "ایز یو پلیز۔" روپا نے یشودھرا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ـــــ "چلو یشو ڈیئر۔"
گیٹ سے باہر نکلتے ہی میں نے اسپیڈ بڑھائی تو سادھنا نے کہا۔ "بہت تیز نہ چلانا ٹائیگر۔" میں نے گاڑی آہستہ کر دی۔
روپا نے کہا۔ "تو یہ ہے وہ سارجنٹ جس کو ٹائیگر کا خطاب دیا ہرہائی نیس نے؟"
سادھنا نے کہا۔ "ہاں روپ .... کیا تمہیں معلوم نہیں؟"
"اونہوں ـــــ" اس نے بلند آواز میں کہا۔ "صرف سنا تھا۔"
"تو اچھا ہوا آج دیکھ بھی لیا۔" سادھنا نے ہنس کر کہا۔
راج محل کے پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے میں نے پچھلا دروازہ کھولا۔ تینوں راجکماریاں نیچے اتریں اور میں ان کو لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر چھوڑ کے واپس چلا آیا۔
دوسرے روز سے وسنت اتسو شروع ہو گیا اور راج محل کا گوشہ گوشہ باغ ارم بن گیا۔ ہر طرف عبیر اور گلال اڑنے لگا۔ رنگ اور پچکاریاں قہقہے اور چہچہے۔ دوڑ بھاگ اور بدمستیاں ـــــ معلوم ہوتا تھا مسرت اور شادمانی کا سیل بے پناہ امڈ آیا ہے جس میں دنیا کے غم و رنج غرق ہو چکے ہیں۔ شہر میں راج محل سے کہیں زیادہ ہنگامہ برپا تھا۔ رنگ پاشی کے علاوہ پٹاخوں' دھماکوں اور آتش بازی کے شور سے گلیاں اور محلے گونج رہے تھے۔ جگہ جگہ مردوں اور عورتوں کا ٹھٹھ تھا جو ایک دوسرے پر رنگ کی پچکاریاں بھر بھر کے پھینکنے میں مصروف تھے۔

تیسرے دن مہاراجہ کی سواری نکلی۔ وہ آٹھ گھوڑوں کی سنہری بگھی میں سوار تھے۔ بائیں جانب مہارانی بیٹھی تھیں۔ سامنے کی سیٹ پر یشودھرا اور سادھنا تھیں۔ عقب میں میجر جنرل گھتے اور کیپٹن یشونت کھڑے ہوئے تھے آگے پیچھے پوری باڈی گارڈ یونٹ کے جوان گھوڑوں پر سوار زرق برق وردیوں میں ملبوس' سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ راج محل سے تر پولئے بازار کے اختتام تک آدمیوں کا ہجوم تھا۔ دونوں طرف کے مکانوں کی چھتیں کھڑکیاں اور گیلریاں عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھیں۔ سواری پر ہر طرف سے پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ جے جے کے نعروں سے آسمان گونج رہا تھا۔ سواری پر رنگ یا عبیر گلال پھینکنے کا حکم نہ تھا۔ دو اڑھائی گھنٹے بعد سواری راج محل لوٹی۔ مہارانی اور راجکماریاں اوپر چلی گئیں۔ ہزہائی نس گراؤنڈ فلور پر ایوان عام میں داخل ہو گئے۔ یہاں چند مذہبی رسومات ادا کی گئیں۔ مٹھائیاں تقسیم ہوئیں اور جلسہ ختم کر دیا گیا۔

چار بجے شام کو مہاراجہ سادہ کپڑوں میں ہولی کھیلنے کے لئے رنگ محل میں آئے۔ ان کے دائیں بائیں دو باڈی گارڈز تھے جن میں ایک میں اور دوسرا لیفٹننٹ چکرورتی تھا۔ کیپٹن یشونت اس وقت سفید کپڑوں میں راجکماروں اور اکابرین شہر کے ساتھ پہلے سے استقبال کے لئے رنگ محل میں موجود تھے۔ رنگ محل راج محل کے دو بازوؤں کے درمیان وسیع و عریض بلند چبوترے پر بنا ہوا تھا جس پر دو بڑے حوضوں میں سرخ اور سبز رنگ بھرے ہوئے تھے۔ ہر حوض کے کناروں پر سینکڑوں پچکاریاں رکھی ہوئی تھیں۔ تین جانب راج محل کے کمروں کی گیلریاں اور بارہ دریاں تھیں جن پر سینکڑوں عورتیں رنگ برنگی ساڑیوں میں ملبوس' ہاتھوں میں پچکاریاں لئے ہوئے کھڑی تھیں۔ صدر دروازے پر وزیراعظم (پردھان منتری جو مسلمان تھے) اور اکابرین نے مہاراجہ کو سلامی دی اور اوپر لے کر آئے۔ ہزہائی نس نے اپنی پچکاری اٹھا کر حوض میں سے رنگ بھرا اور ان کے ساتھ ہی سینکڑوں پچکاریاں اٹھائی گئیں۔ مہاراجہ نے "سنبھالئے نواب صاحب" کہہ کر وزیراعظم پر رنگ پھینکا اور اس کے بعد تو ہر طرف سے رنگ کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک ہڑبونگ مچ گیا۔ سینکڑوں کے مجمع میں صرف میں اور چکرورتی اس میں حصہ لینے سے قاصر تھے۔۔۔۔۔ گو ویسے ہم دونوں بھی رنگوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پچکاریوں سے رنگ پھینکتے پھینکتے اکتا کر ایک "دربار" نے اے ڈی سی کو اٹھا کر حوض میں پھینک دیا اور پھر پھینکنے اور دھکیلنے کا سلسلہ چل نکلا۔ ہزہائی نس نے کیپٹن یشونت کی طرف آنکھ سے اشارہ کی اور انہوں نے نواب صاحب کو گود میں اٹھا کر حوض میں پھینک دیا۔ حوض میں پانی گہرا تھا اور نواب صاحب شاید تیرنا بھی نہیں جانتے تھے' ویسے بھی پچاس سال سے نکل چکے تھے اوپر آتے آتے پانی پی گئے۔ چند لوگوں نے انہیں کھینچ کر نکالا تو چوکڑی بھولے ہوئے تھے۔ مہاراجہ

ان کو دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے اور سب ان کی طرف متوجہ تھے۔ میں اور چکرورتی پاس پاس کھڑے تھے۔ کسی نے سامنے کی طرف سے رنگ بھرا ہوا شیشے کا قمقمہ میرے اوپر پھینکا میں سر بچانے کیلئے ایک دم جھک گیا قمقمہ چکرورتی کے کندھے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا اس کی بھیگی ہوئی وردی سے دھواں سا نکل رہا تھا۔ میں نے جھپٹ کر اس کے بٹن کھولے اور کوٹ اتار دیا۔ چیخ سن کر سب اس طرف متوجہ ہو گئے اور ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ چکرورتی کے کوٹ کی آستین میں جگہ جگہ سوراخ ہو گئے تھے اور اس کا دایاں ہاتھ اور انگلیاں کسی قدر جل گئی تھیں۔ ہز ہائی نیس نے طیش میں آ کر اے ڈی سی سے کہا۔ "پتہ لگاؤ یہ قمقمہ کس نے پھینکا۔"

میں اور کیپٹن یشونت' چکرورتی کو لے کر باہر آ گئے۔ اس کی صرف ہتھیلی کی پشت کسی قدر جل گئی تھی۔ کوٹ اور قمیص کی آستین گیلی ہونے کی وجہ سے بازو بالکل محفوظ تھا۔ گردن اور چہرہ بھی بچ گیا تھا۔ چکرورتی کو فرسٹ ایڈ دے کر ہسپتال بھیج دیا گیا اور ہم پھر ہز ہائی نیس کی خدمت میں پہنچ گئے۔ وہ ابھی تک اس حرکت پر برہم تھے لیکن تھوڑی دیر بعد جب چکرورتی ہسپتال سے ڈریسنگ وغیرہ کرا کے واپس آیا تو ان کا غصہ فرو ہو گیا اور پھر قہقہوں اور چہچوں میں شامل ہو گئے۔ ساڑھے چھ بجے ہم ان کو اوپر پہنچا کر واپس آ گئے۔

میں نے قصداً" کیپٹن کو حقیقت سے آگاہ نہیں کیا۔ خود چکرورتی کو بھی اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ تھا کہ اس کو لگنے والے قمقمے کے رنگین پانی میں تیزاب کی آمیزش تھی۔ صرف مجھے معلوم تھا کہ ایک بار پھر طوطے کی بلا بندر کے گلے پر پڑ گئی تھی۔ بنگلے پر پہنچ کر میں نے رنگ میں بھیگی ہوئی یونیفارم اتار کر غسل کیا اور کپڑے بدل کر کھانا کھائے بغیر باہر نکلنے لگا۔ داسو کچھ کہنے کے لئے بے چین تھا لیکن میں نے اس کو یونیفارم سرکاری لانڈری میں ڈالنے کو کہا اور چل دیا۔

ساڑھے سات بجے میں ہینگنگ برج پر یشودھرا کا انتظار کر رہا تھا۔ اکا دکا لوگ پل پر آ جا رہے تھے۔ میرا دایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں پستول کے بٹ پر تھا اور لائٹ سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا سڑک پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد ایک گاڑی کے ہیڈ لیمپ کی روشنی اس طرف آتی دکھائی دی۔ میں اس کو دیکھتے ہی آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا پل کے سرے پر پہنچا۔ اس اثنا میں گاڑی پل کے قریب آ کر رکی۔ میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ یہ روپا کی گاڑی تھی۔ میں پیچھے پلٹ گیا اور تیزی سے دوسری طرف چلنے لگا۔ پل عبور کر کے پیچھے طرف دیکھا تو روپا گاڑی سے اتر کے پل پر آ چکی تھی۔ میں تیزی سے دائیں طرف مڑا اور فاؤنٹین کی طرف ہوتا ہوا سو ڈیڑھ سو گز چل کر دوسرے ... سے ندی عبور کر کے مڑ ...

کے چکر میں پڑنے کے بجائے گھاس کے لان سے گزرتا ہوا میوزیم کے عقب سے گزرنے والی سڑک کے قریب ایک پوسٹ لیمپ کے نیچے کھڑا ہو کر سگریٹ پینے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ روپا اتفاقیہ طور پر پل پہنچی تھی یا اس کو کسی طرح ہماری ملاقات کی جگہ کا علم ہو گیا تھا۔

چار پانچ منٹ گزر گئے۔ میں نے سگریٹ ختم کر کے پھینکا اور پھر ہینگنگ برج کی طرف چلنے لگا۔ روپا ابھی تک نہیں لوٹی تھی اور یشودھرا ابھی پہنچی ہی نہ تھی۔ سڑک میوزیم کے پہلو میں پہنچ کر مڑتی تھی اور اس سے آگے شیروں اور چیتوں کے جنگلوں کی طرف جانے والی سڑک کو کراس کرتی تھی۔ میں نصف صافصلہ طے کر پایا تھا کہ ایک کار کی آواز سن کر پلٹا...... یہ پیکارڈ تھی۔ یشودھرا نے مجھے دیکھتے ہی بریک لگا کر دروازہ کھولا۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور گاڑی میں سوار ہو کر وہیل سنبھال لیا۔ چوراہے سے بیس پچیس گز اس طرف مخالف سمت سے آنے والی ایک کار کی تیز روشنی پیکارڈ کے ونڈ اسکرین پر پڑی۔ یہ روپا کی گاڑی تھی۔ میں نے لائٹ تیز کر کے ایکسی لریٹر دبایا اور تیزی سے دائیں جانب ٹرن لے کر پوری رفتار سے گاڑی چھوڑ دی اور دو تین سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دوسرے موڑ کے قریب اسپیڈ کم کر کے پیچھے کی طرف دیکھا۔ روپا کی کار کا پتا نہ تھا۔ شاید اس کو اسپیڈ کی وجہ سے پیکارڈ کا پلیٹ نمبر نظر نہ آیا۔ یشودھرا ابھی اس کی گاڑی کو پہچان نہ سکی تھی کیونکہ اس نے اس کا کوئی ذکر نہ کیا۔ تھوڑی دیر سڑکوں کے چکر کاٹنے کے بعد میں نے باغ کے دروازے کا رخ کیا اور باہر نکلتے ہی امین پور روڈ کی طرف ٹرن لے کر رفتار بڑھانی شروع کر دی۔ کیمپ کے حدود سے نکلتے ہی یشودھرا میری آغوش میں تھی اور اس کے ہونٹوں کا گلال میرے ہونٹوں پر! اس نے مسکرا کر ایک جام اور پلایا---- وارفتگی میں گاڑی ''ڈیلائٹ کارنر'' سے آگے نکل گئی۔ سڑک کی سطح بتدریج نیچی ہونے لگی اور دونوں طرف غیر مانوس مناظر دکھائی دینے لگے تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بریک لگاتے ہوئے میں نے کہا۔ ''ڈیلائٹ کارنر پیچھے رہ گیا یشو ڈیئر۔''

وہ مسکرا دی۔ ''مجھے معلوم ہے نعیم۔''

''تو پھر بتایا کیوں نہیں ڈیریسٹ؟'' میں نے گاڑی بیک کر کے ٹرن لیتے ہوئے کہا۔

''اس لئے کہ ہاؤس فل کا نوٹس مل چکا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''خیر یہ لو وسنت اوتسو کا تحفہ۔'' اس نے وینٹی بیگ سے ایک موتیوں کی مالا نکال کر میرے گلے میں ڈال دی۔ میں نے ایک اور ٹرن لے کر گاڑی کھڑی کر دی اور شکریہ ادا کر کے کہا۔ ''آپ نے انگریزی میں کیا فرمایا یورا یکسی لینسی......؟ ہاؤس فل؟''

وہ ہنس دی۔ ''پھر بمبئی جانا پڑیگا شاید۔''

''اوہ!'' میں نے گیئر لگاتے ہوئے کہا۔ گاڑی چلنے لگی۔ ''معلوم ہتا ہے اللہ میاں

اور بھگوان دونوں ہی ہمارا جلوس نکلوانے کا فیصلہ کر چکے ہیں...... آؤ پھر ہو جائے ایک لغزش مستانہ۔"

"نہیں سمجھی پریتم------"

"میرا مطلب ہے۔ جب جلوس ہی نکلنا ہے تو جنگل میں منگل کیوں نہ منایا جائے۔"

یشودھرا نے جواب دینے کے بجائے میرے بازو میں کاٹ لیا۔ میں نے اسپیڈ بڑھائی اور "گوشہ نشاط" آتے ہی گاڑی سڑک سے اتار کے کھنڈرے کی آڑ میں ٹرن لیا اور سڑک کی طرف رخ کر کے انجن بند کر دیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے میری بانہوں میں ڈھلک گئی۔ سڑک پر ایک بیل گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سن کر میں نے ڈیش بورڈ لیمپ گل کر دیا۔ کائنات ستاروں سے جگمگا اٹھی۔ دو سیارے ٹکرائے اور فضائے بسیط میں دور تک چنگاریاں پھیل گئیں۔ دیر تک مناظر تبدیل ہوتے رہے آخر ڈراپ سین پر روشنی ہوئی اور ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگے۔ اس کیفیت کا اظہار صرف "در فٹے منہ" کہ کر ہی کیا جا سکتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ یشودھرا پنجابی زبان سے نا بلد تھی۔ الفاظ کہنے کے بجائے میں نے تازہ ہوا میں سانس لینے کے لئے کھڑکی کا شیشہ گرا دیا وہ دیر تک اپنا میک اپ سنبھالتی رہی آخر میرے ہونٹوں پر رومال پھراتی ہوئی بولی---- "اور کوئی سیوا پریتم۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "حکم صادر فرمایئے یور ایکسی لینسی۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "بیک ٹو پویلین۔"

میں نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا کر سیلف اسٹارٹر پر پیر مارا۔ گاڑی ہلکا سا جھٹکا لے کر اسٹارٹ ہو گئی۔ گیئر لگاتے ہی آہستہ آہستہ ریت پر رینگنے لگی۔ سو قدم چل کر سڑک پر چڑھتے ہوئے ایک زور دار جھٹکا لگا اور انجن بند ہو گیا۔ میں سیلف دبا کر اسٹارٹ کرنا چاہا لیکن انجن آواز دیکر رہ گیا۔ دو تین مرتبہ سیلف دبانے کے بعد انجن اسٹارٹ نہ ہوا تو میں نے گھبرا کر میٹر پر نگاہ ڈالی۔ گاڑی میں پٹرول کا قطرہ نہ تھا۔ "مارے گئے----!" میری زبان سے نکلا۔

یشودھرا نے گھبرا کر کہا۔ "کیا ہوا نعیم؟"

"کباڑہ" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ نے پٹرول ڈلوایا تھا آج----؟"

"ہاں---- دوپہر کو---- چار گیلن---- اس نے رک رک کر کہا۔ "ایک دو گیلن ٹینک میں پہلے موجود تھا۔" "اب کیا کریں۔ شہر تو آٹھ نو میل ہے۔"

میں نے دروازہ کھولتے ہوئے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ "نو بج چکے یشو---- اگر تم گاڑی کی کھڑکیاں بند کر کے اکیلی یہاں ٹھہر سکو تو میں دوڑتا ہوا جا کر گیارہ بجے تک شہر سے پٹرول لا سکتا ہوں۔ پستول تو ہے نا تمہارے پاس----؟"

"پستول ہے۔ ڈرتی بھی نہیں لیکن گیارہ بجے تو بہت دیر ہو جائے گی۔ اور پھر۔ تم

کہاں تک دوڑو گے۔ آٹھ نو میل تو بہت ہوتے ہیں۔"

"جو کچھ بھی ہو۔ دوسرا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا۔ یہاں کوئی لفٹ نہیں مل سکتی۔ اگر ملے بھی تو ہم ......" اس نے گردن جھکا لی۔ میں نے گاڑی سے اتر کر دروازہ بند کرتے ہوئے خدا حافظ کہا اور تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دو میل کا فاصلہ طے کرنے میں میں پسینہ پسینہ ہو چکا تھا۔ گو یہ فاصلہ صرف پندرہ منٹ میں طے کیا تھا۔ لیکن پورے نو میل یہ اسپیڈ برقرار رکھنا کس طرح ممکن تھا اور اگر ممکن ہو تب بھی کیا۔ ہم کافی لیٹ ہو چکے تھے اور گیارہ بجے سے پہلے یشودھرا ابھی راج محل نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میرا تو ذکر ہی کیا۔ مجھے تو ابھی کئی مراحل سے گزرنا تھا۔

پیچھے سے گھنٹی کی آواز کے ساتھ سائیکل کے پہیوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ میں چلتے چلتے پلٹ پڑا اور تیزی سے دوڑتی ہوئی سائیکل کا کیریئر پکڑ لیا۔ سائیکلسٹ بمشکل گرتے گرتے بچا۔ کود کر سڑک پر کھڑا ہو گیا اور جھلا کر چیخا۔ "سوں تجھے؟" میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی گھبرا گیا اور ہینڈل میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا۔ "معاف کرنا صاحب جی۔ میرا مطلب ہے آپ کو سائیکل چاہئے تو......"

میں نے اس کو بار پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے پٹرول پمپ تک جانا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" وہ ایک لفظ کہے بغیر پھدک کر بار پر بیٹھ گیا اور میں نے سیٹ پر بیٹھ کر زور زور سے پیڈل چلانے شروع کئے۔ بیس منٹ میں ٹاور کے قریب پٹرول پمپ پر پہنچ کر سائیکل والے کا شکریہ ادا کر کے اس کو چلتا کیا اور سروس اسٹیشن پر آئی ہوئی ایک کار میں چار گیلن پٹرول کا ٹن رکھ کر واپس ہوا۔ پیکارڈ کے ٹینک میں پٹرول ڈال کر یشودھرا کو راج محل کی طرف روانہ کیا اور کار سروس اسٹیشن میں چھوڑ کے میں ایک قریبی ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے چلا گیا۔

راج محل کے صدر دروازے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر تانگے سے اتر کے اپنی آمد و رفت کے خفیہ راستے کی طرف جا رہا تھا کہ درختوں کی آڑ سے ایک عورت جو سیاہ شال میں منہ چھپائے ہوئے تھی۔ تیزی سے نکل کر سڑک پر آئی اور میرے قریب آ کر چہرے سے شال ہٹاتی ہوئی بولی۔ "ٹائیگر بات سنو۔" میں چلتے چلتے ایک دم رک گیا۔ "تم؟ ساوتری؟"

"ادھر نہ جاؤ ٹائیگر۔ پکڑے جاؤ گے۔" اس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا اور مخالف سمت میں چلنے لگی۔ "میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔" میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ دور چل کر درختوں کی آڑ میں پہنچ کر میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا ہے ساوتری؟"

اس نے کہا۔ "مہاراجہ کو کسی نے پرچہ دیا ہے تم باہر گئے ہوئے ہو۔ کسی کے ساتھ۔"

"کس کے ساتھ؟" میں نے پوچھا۔
"نام نہیں لکھا۔ لیکن اس کا تعلق راج محل سے ہی بتاتا ہے۔"
"اچھا پھر.....؟"
"مہاراجہ نے تمہیں تلاش کرنے کو آدمی بھیجے۔ تم نہیں ملے..... انہوں نے ہر جگہ پہرا لگا دیا..... اب۔"
"شکریہ ساوتری..... کیپٹن دلیش مکھ نے کچھ نہیں بتایا؟"
"وہ شام سے شہر گئے ہوئے ہیں۔ اب ایک ہی راستہ ہے۔ اتر کی طرف دھوبیوں کے کوارٹر دیکھے ہیں تم نے؟"
"ہاں' لیکن وہ گیٹ تو دو میل کے فاصلے پر ہے۔"
"ہے..... لیکن ادھر پہرا نہیں ہے۔"
"گیارہ بج چکے ہیں ساوتری۔ ہم بارہ سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ اگر میں شہر چلا جاؤں اور کیپٹن کے ساتھ واپس آ جاؤں تو؟"
"تمہیں معلوم ہے وہ کہاں گئے ہیں؟"
"نہیں....."
"تو پھر میرے ساتھ چلتے رہے۔ میں کوشش کروں گی کہ تم بچ کر نکل جاؤ....."
"شکریہ ساوتری..... ایک بات بتاؤ گی؟"
"پوچھو ناعم۔"
"تمہیں مہارانی نے بھیجا ہے....؟"
"نہیں....." وہ میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ "کیا مہارانی سے ایسی امید کر سکتے ہو؟"
"میرا خیال تھا۔ شاید ایسا ہو۔ ورنہ تمہیں کس طرح معلوم ہو سکتا تھا....."
"میں نے شری حضور کو مہارانی سے بات کرتے سنا تھا۔"
"پھر تم نے اپنے آپ کو بہت بڑے خطرے میں ڈالا ساوتری۔" اس نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور جذباتی لہجے میں بولی۔ "تم خطرے میں ہو تو ہم کیا چیز ہے ناعم۔ ہم جیسی لڑکیاں تو ایک ایک گھر میں پانچ پانچ سات سات پیدا ہوتی ہیں۔ تم جیسا شیر جوان لاکھوں گھروں میں ایک پیدا ہوتا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی اور منہ پھیر کر رونے لگی۔
"یہ تمہاری محبت ہے ساوتری۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں تمہیں کبھی نہ بھولوں گا۔ اگر زندہ رہا۔"
وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔ "ایسا نہ کہو ناعم ہمارا دل پھٹ جائے گا۔"
"اچھا بابا..... میں کچھ نہیں بولتا۔ تیز چلو....." وہ قدم بڑھا کر چلنے لگی۔ شمال

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے کہا۔ "ساوتری اب ہم موت کی وادی میں قدم رکھ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے پھر کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں اس لئے..... " میں بولتے بولتے رک گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ "بولو نائم..... رک کیوں گئے؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ کچھ دور چل کر آہستہ سے بولی۔ "یہ سوال کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟"

"نہیں..... لیکن ایک وجہ ہے۔"

"کیا.....؟"

"ہو سکتا ہے دروازے میں داخل ہوتے ہی میں کسی پر گولی چلا دوں یا کوئی مجھ پر..... "

"بالکل چلا دینا..... " اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "میں مرتے مرتے یم دوت کو بھی نہیں بتاؤں گی کہ تم نے گولی چلائی..... " میں نے آگے بڑھ کر اس کو آغوش میں لے لیا اور وہ میرے سینے سے سر لگا کر سسکیاں لینے لگی۔ میں نے اس کے بالوں کو چوم کر آہستہ سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ "اندر جاؤ ساوتری۔ اگر میدان خالی ہو تو بیس قدم پر جا کر مجھے اشارہ کر دینا..... "

وہ مسکرا کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر داخل ہو گئی اور کچھ فاصلے پر جا کر اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں دائیں بائیں دیکھتا ہوا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ دھوبیوں کے کوارٹروں کے درمیان سے گزر کر وہ گھاٹ کی طرف چلنے لگی۔ میں بھی بہت احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس کی رہنمائی میں چل رہا تھا۔ مجھے بغیر کسی کی نظر میں آئے بغیر اپنی منزل مقصود پر پہنچنا تھا۔ اور پھر یہ بھی ممکن تھا کہ وہاں پہلے ہی پرتپاک استقبال کا انتظام کر دیا گیا ہو۔ آخری روش کی آڑ میں رک میں میں دیر تک سوچتا رہا۔ آخر یہی سمجھ میں آیا کہ رات یہیں کہیں بینچ پر گزاری جائے۔ اگر کوئی تلاش کرتا ہوا آ گیا تو وہ خود ہی میرے سوتے ہوئے پائے جانے کا گواہ بن جائے گا اور اگر کوئی نہ آئے تو..... صبح دیکھا جائے گا۔ یہ سوچ کر میں ایک سنگ مرمر کے بینچ کے قریب پہنچا۔ کوٹ اتار کے سرہانے رکھا اور بینچ پر دراز ہو گیا۔

ٹھنڈی ہوا کے معطر جھونکوں سے مجھے لیٹتے ہی نیند آنے لگی۔ لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ راج محل میں میری تلاش ہو رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی اس طرف بھی آیا ہو گا اور اگر نہیں آیا تو کسی بھی لمحے کوئی آ سکتا ہے اور ضروری نہیں کہ ہر آنے والا بے ضرر ہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے اس کا تعلق ایشر سنگھ گروپ سے ہو اور' اس اور کا جواب میری نیند اڑا دینے کو کافی تھا۔ میں نے کوٹ کی جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور لیٹا لیٹا پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں راج محل مین رنگین بتیوں کے سوا تیز روشنی والے بلب ایک ایک کر کے

گل ہونے لگے۔ لان بتدریج تاریک ہوتا جا رہا تھا۔ میں نیند اڑانے کے لئے ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگا کر پیے جا رہا تھا۔ ڈیڑھ بجے کے قریب پولیس دستہ راؤنڈ کرتا ہوا اس طرف سے گزرا۔ میں نے ہاتھ لٹکا کر سگریٹ کو گھاس میں رگڑ کے پھینک دیا اور پاؤں پھیلا دیئے۔ اسی وقت کسی کو کہتے سنا۔ "یہ کون سو رہا ہے؟"

دوسرے نے کہا۔ "ہو گا کوئی دربار' شراب کے نشے میں کتیا بھی راج محل ہوتی ہے۔

"دیکھو۔ کون ہے؟" کسی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ دو جوانوں کو میں نے اپنی طرف آتے دیکھا۔ میں نے ان کے ساتھ نشے میں ڈوبی ہوئی آواز میں بات چیت کی۔ ان میں سے ایک سپاہی نے مجھے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کچھ زیادہ ہو گئی صاحب..... چلئے آپ کو بنگلے پہنچا دیں۔"

اور جب میں پا بدستے وگرے بنگلے پہنچا تو وہاں توقع کے مطابق دروازے پر دو آدمی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھا۔ گشتی پولیس کے حوالدار سے مرہٹی میں چند سوال کرنے کے بعد ایک نے کہا۔ "اچھا صاحب کو بنگلے میں لے جاؤ۔ میں کپتان صاحب بہادر کو بلا کر لاتا ہوں۔"

حوالدار اور ایک سپاہی جو مجھے تھامے ہوئے تھا دروازہ کھلوا کر اندر لائے اور مسہری پر لٹا دیا۔ داسو نے میرے جوتے اتارے..... میں نے بڑبڑاتے ہوئے پتلون کی جیب سے پستول نکال کر اس کے ہاتھ میں دیا اور کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ حوالدار اور سپاہی سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ داسو میرے سر پر تیل اور پانی ملا کر مالش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں کیپٹن دلیش مکھ پہریدار کے ساتھ آ گئے اور داسو سے کہا۔ "سارجنٹ کو جگاؤ۔" داسو نے میرا بازو ہلا کر کہا۔ "سارجنٹ صاحب کپتان صاحب بہادر آئے ہیں۔"

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور "گڈ مارننگ سر" کہہ کر اٹھ بیٹھا۔ کیپٹن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے افسری لہجہ میں کہا۔ "کدھر تھا تم سارجنٹ؟"

میں نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔ "معلوم نہیں سر....."

انہوں نے کہا۔ "شراب پیا تم نے؟"

میں نے اثبات میں گردن ہلا کر کہا۔ "بہت زیادہ سر..... میں اکیلا تھا۔ شاید کسی لان میں۔ پیتا رہا' پیتا رہا..... پھر سو گیا۔"

کیپٹن نے مسکرا کر کہا۔ "تم نے دیوالی کے بجائے دیوالہ منایا..... پھر داسو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لیمون کھلاؤ اس کو۔" داسو باورچی خانے کی طرف چل دیا۔ میں مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "سگریٹ پی سکتا ہوں سر؟" کیپٹن نے پہریدار کو اشارہ کیا اس نے میرے ہاتھ میں سگریٹ نکال کر دیا۔ میں نے سگریٹ سلگا کر کش لیا اور

دوسری طرف منہ کر کے دھواں نکالا۔ کیپٹن نے کہا۔ "تم کو معلوم ہے سارجنٹ ہزہائی نس تم سے بہت ناراض ہیں۔"

میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ "کیوں سر؟"

"کسی نے ان کو شکایت کی کہ تم راج محل سے غائب ہو۔" "غائب؟ میں تو کہیں گیا ہی نہیں سر۔"

"یہ تو ہمیں اب معلوم ہوا..... پہلے تو ہم اس خبر کو سچ سمجھتے تھے۔"

"سر، کبھی ایسا ہوا ہے کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر کہیں گیا ہوں؟"

"نہیں..... بٹ اِٹس ڈیم سرئیس ناٹیگر....." انہوں نے کہا پھر پہریدار کی طرف دیکھا۔ "او کے جوان..... جا سکتے ہو۔" پہریدار نے اٹینشن ہو کر سلام کیا اور باہر چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد داسو لیموں کے بجائے کافی بنا کر لایا تو اس نے اس کو دروازہ بند کر کے آرام کرنے کو کہا اور کافی انڈیلنے لگے۔ میں نے ان کے ہاتھ سے کافی پاٹ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کا کام نہیں ڈیڈی۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ "یہ سب کیا ہے نعیم؟"

میں نے کافی کا کپ ان کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔ "ایکٹنگ سر؟"

بولے۔ "تو کیا....."

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "پھنس گیا تھا ڈیڈی۔"

"کہاں تک نہیں پھنسو گے..... اللہ میاں ساتھ دے رہا ہے..... سو کب تک؟ اسے کبھی نہ کبھی اوروں کا بھی ساتھ دینا پڑے گا۔ خیر کہاں گئے تھے کہ بارہ بجے تک نہ لوٹ سکے؟" میں نے ان کے سادتری کے سوا تمام باتیں بتا دیں۔ کافی پی کر وہ چلے گئے۔ داسو دروازہ بند کر کے سیدھا میرے کمرے میں آگیا اور میز پر بیٹھ کر میرا سر دبانے لگا۔ چند منٹ بعد بولا۔ "صاحب کیسی طبیعت ہے؟"

میں نے کہا "ٹھیک ہوں۔ جاؤ سو جاؤ۔"

بولا۔ "نہیں صاحب بہادر مجھے کچھ کہنا ہے۔ ناراض تو نہیں ہو گے؟"

"کہو....." میں نے اسے اجازت دی۔ بولا "صاحب میں نے اس عورت کو قسم دے کر پوچھا کہ وہ زہر کس نے دیا ہے تو اس نے بتایا کہ کنور ایشر سنگھ جی نے دیا ہے اور..... صاحب آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں گے۔"

"پاگل ہو داسو۔" میں نے کہا۔ "اگر تم مجھ سے بے وفائی نہ کرو تو میں کیوں ناراض ہونے لگا۔ تم میرے بہت سے راز جانتے ہو۔"

صاحب۔"..... بولا۔ "کنور ایشر سنگھ نے مجھے ایک پڑیا بھجوائی ہے جو ضرور کوئی زہر ہے اور کہلوایا ہے۔ یہ نعیم کی شراب میں ڈال کر پلا دو۔ اب آپ بتائیں صاحب کہ میں

کہاں جاؤں۔ کنور ایشر سنگھ تو مجھے گولی مار دیں گے اگر......"

"وہ میرے کتے کو بھی نہیں مار سکتا۔ روپیہ ہضم کر جاؤ۔ اور اس عورت کو وعدے پر ٹرخاتے رہو۔ اگر وہ خود تم کو آ کر کچھ کہے تو کہہ دینا کنور صاحب نعیم کو مجھ پر کچھ شک ہو گیا ہے اور وہ میرے ہاتھ سے کھانا پینا چھوڑ چکے ہیں۔" داسو نے سر دباتے دباتے اٹھ کر میرے پیروں میں سر رکھ دیا۔ میں نے ہنس کر اس کو اٹھایا اور کہا۔ "جاؤ سو جاؤ اور دعا کرو کہ کل کا دن خیریت سے گزر جائے۔" وہ سر جھکا کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

صبح دس بجے میں یونیفارم پہن کر راج محل کی طرف چلا تو مجھے آج انہی پیروں پر واپس آنے کی امید نہیں تھی۔ پرچہ نویس نے۔ جو کوئی بھی وہ تھا بھرپور وار کیا تھا۔ راج محل سے غیر حاضری اتنا بڑا جرم نہیں تھا۔ خصوصاً" اس تہوار کے موقع پر جب ہر شخص فیسٹیول موڈ میں بے لگام ہو رہا تھا۔ لیکن "راج محل کی شخصیت" کے ساتھ کہہ کر اس نے اس کو انتہائی خطرناک کر دیا تھا اور ہزہائی نس جو خود بھی مجھے پارسا نہیں سمجھتے تھے۔ اس اشارے پر نہ معلوم ناراض ہو کر کیا کر بیٹھیں۔ انہی خیالات میں غرق' خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوا' میں اوپر پہنچا تو مسٹر مہتا کیبن کے پاس کھڑے ہوئے میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو بولے۔ "سیدھے ڈرائنگ روم میں چلے جاؤ۔" میں ہال میں داخل ہو گیا۔ وہ بھی ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ چیمبر کے قریب پہنچ کر بولے۔ "کیپٹن یشونت بھی موجود ہیں۔ کچھ گڑبڑ تو نہیں ہے ٹائیگر؟"

میں نے کہا۔ "آپ کو معلوم نہیں تو میں کیا جان سکتا ہوں؟"

بولے۔ "پھر ٹھیک ہے۔ کوئی کام ہو گا۔ خوش باش جاؤ۔" میں ہنس کر چل دیا۔ اندر پہنچا تو ہزہائی نس' مہارانی' سادھنا دیوی اور کیپٹن یشونت بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا تو ہزہائی نس نے کہا۔ "رات کہاں غائب ہو گئے تھے ٹائیگر؟"

ان کا لہجہ سن کر مجھے کسی قدر اطمینان ہوا۔ سر جھکا کر کہا۔ "مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے یور ہائی نس۔ میں کل کچھ ضرورت سے زیادہ فیسٹیول موڈ میں تھا۔" ہزہائی نس نے مسکرا کر کیپٹن کی طرف دیکھا۔ شاید کیپٹن انہیں گشتی دستے کا حوالہ دے کر پہلے ہی ہموار کر چکے تھے۔ میری طرف دیکھ کر بولے۔ "تمہیں لان میں جا کر اس طرح خود کو ایکسپوز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ایسی صورت میں تمہارا کوئی بھی دشمن......"

"سر میرا کوئی ایسا دشمن نہیں...... لیکن غلطی بہرحال غلطی ہے اور میں آپ سے اور ہزہائی نس سے بہت شرمندہ ہوں......"

"دشمن نہیں ہیں۔ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہنا۔" کیپٹن نے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھے ابھی معلوم ہوا ہے ہزہائی نس کو کسی نے اطلاع دی کہ تم شہر گئے ہو اور تمام راج محل میں تمہاری تلاش ہوتی رہی۔ یہ کیا ہے دشمنی نہیں تو دوستی ہے کیا؟"

"دشمنی ہی ہے سر۔" میں نے سپر انداز ہو کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے سر۔ میں ہزہائی نس کے لئے پریشانی کا باعث بنا۔"

"تم ہزہائی نس کی محبت کا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو نعیم۔"

"سر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ آئندہ میں اس طرح کی دیوالی کبھی نہیں مناؤں گا۔"

ہزہائی نس مسکرا دیئے۔ "دیوالی پر پابندی نہیں ہے۔ تمہارا طریق کار غلط تھا۔ خیر ہم معاف کرتے ہیں۔" کیپٹن نے کہا۔ "یہ آپ کی بندہ پروری ہے یور ہائی نس۔ او کے ٹائیگر۔ آج شام کو تم میرے بنگلے پر دیوالی مناؤ گے۔ سیلوٹ۔" میں سلام کر کے اباؤٹ ٹرن ہو گیا۔

مٹر مہتا کے چند سوالوں کے جواب دے کر کیبن پر آیا اور سگریٹ سلگا کر۔ "رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت" گنگنانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن ڈیش مکھ کاریڈور میں آئے۔ میں نے سلام کیا تو مسکرا کر بولے۔ "تم کئی بار جال میں آکر نکل چکے ہو نعیم۔ لیکن ہر مرتبہ ہزہائی نس نے اس کا جھٹکا محسوس کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔۔۔۔۔" وہ روپا کو اس طرف آتے دیکھ کر بولتے بولتے رک گئے۔ روپا ہماری طرف دیکھے بغیر نظریں جھکائے گزر گئی۔ کیپٹن نے موضوع گفتگو تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس ودھوا راجکماری کا بڑا احترام کرتا ہوں نعیم۔ جوانی اور دولت کی فراوانی کے باوجود اس کے قدم کو لغزش نہیں ہوئی۔"

"میں بھی ان کا بڑا احترام کرتا ہوں سر۔۔۔۔۔" میں نے کہا۔

کیپٹن مجھے شام کو بنگلے پر آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ وہ بمشکل گراؤنڈ فلور پر پہنچے ہوں گے کہ روپا چکر کاٹ کر واپس آتی ہوئی دکھائی دی۔ میں آہستہ آہستہ لفٹ کی طرف چلنے لگا۔ وہ قدم بڑھا کر میرے پاس پہنچ گئی اور بولی۔ "نعیم۔ میری جان، تم نے مجھے پاگل کر دیا۔ میں۔۔۔۔۔ اگر آج تم نہ ملے تو سچ مچ دیوانی ہو جاؤں گی۔ بتاؤ کہاں ملو گے؟"

میں نے اس کو گزشتہ رات کا واقعہ سنایا تو بولی۔ "کل شام کو میں خود تمہیں باغ میں تلاش کرتی پھری لیکن۔۔۔۔۔"

"آپ کو کس نے کہا تھا کہ آپ نے زحمت فرمائی؟"

"مجھے معلوم ہوا تھا۔ خیر اسے چھوڑو۔ آج میں کسی نہ کسی طرح تمہارے بنگلے پہنچ رہی ہوں۔ اپنے اردلی کو کہیں ٹرخا دینا۔"

"آپ ایسی غلطی نہ کریں یور ایکسی لنسی۔۔۔۔۔ وہ مجھے زندہ دفن کر دیں گے۔"

"ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا نعیم۔۔۔۔۔"

"آپ ایک بار آنکھوں سے دیکھ چکی ہیں۔ اگر جھیل میں چھلانگ نہ لگاتا تو۔۔۔۔۔"

"اب ایسا کبھی نہ ہو گا..... میں اسی لئے تمہارے گھر آ رہی ہوں کہ مجھے وہاں دیکھ کر خاندانی وقار سب کی زبان بند کر دے گا۔"

"یہ انتہائی اقدام کس لئے۔ اچھا میں ایک دو روز میں کوئی انتظام کر کے آپ کو بتاؤں گا۔"

"تو کیا۔ میں دو روز انتظار کروں گی؟" اس نے زینے کی طرف دیکھا اور پرس سے ایک چیک نکال کر میرے کوٹ کی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا صدقہ اتارنا چاہتی ہوں نعیم---- دو ہزار روپے کسی مسجد میں اور دو ہزار روپے مندر میں دے آنا۔"
میں نے ہنس کر کہا۔ "چار ہزار تو میری کل قیمت بھی نہیں ہے روپ۔" اس نے "شٹ اپ" کہہ کر الٹا ہاتھ میرے منہ پر مارا اور لفٹ میں داخل ہو گئی۔ میں "تھینک یو ڈارلنگ" کہہ کر کیبن کی طرف چل دیا۔ کیبن میں آ کر جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو پانچ ہزار کا بیرر چیک تھا۔ میں اس کا ہینڈ را ئٹنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ دستخط اور بھی آرٹسٹک تھے۔ مسٹر مہتا کو کیبن کی طرف آتا دیکھ کر میں نے چیک پتلون کی جیب میں سرکا دیا اور سگریٹ سلگایا۔ "یاد فرما رہے ہیں۔" انہوں نے آتے ہی کہا۔ میں تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ اندر یشودھرا اور ہزہائی نس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے دونوں کو سلام کیا۔ مہاراجہ نے کہا۔ "ٹائیگر' یشودھرا دیوی کو نواب صاحب کی حویلی لے جاؤ اور وہاں سے بیگم صاحبہ اور ان کی صاحبزادیوں کو لے کر آدھ گھنٹے میں واپس آ جاؤ۔ انہیں کھانا یہاں کھانا ہے۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "بہتر ہے یور ہائی نس۔" پھر یشودھرا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بدھرائیے یور ایکسی لینسی۔" یشودھرا اٹھ کر دروازے کی طرف چلنے لگی۔ میں اس کے پیچھے چل دیا۔ کاریڈور میں آتے ہی میں نے کہا۔ "آج یہ انقلاب کیسے آیا یشو؟" وہ نیچے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولی۔ "کیا؟"

میں نے کہا۔ "تمہیں بغیر کسی محافظ کے میرے ساتھ کس طرح بھیج دیا....."

"ہم دونوں بیگم صاحبہ کے استقبال کے لئے بھیجے جا رہے ہیں۔ مہارانی سادھنا کو بھیجنا چاہتی تھیں لیکن وہ مصروف تھیں اس لئے فون کر کے مجھے بلا لیا....."

نیچے پورچ میں مہارانی کی لل مین کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے سلام کر کے دروازہ کھول دیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ یشودھرا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی یشودھرا اگلی سیٹ پر آ گئی اور بولی۔ "رات کو کس وقت پہنچے نعیم؟" میں نے اس کو ساوتری کا ذکر کئے بغیر تمام واقعہ سنایا۔ بولی۔ "سادھنا نے مجھے بتایا تمہاری پیشی ہوئی تھی اور ویش مکھ نے تمہیں ڈانٹ

پاپائی۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "وہ سب ہزہائی نس کو دکھانے کے لئے تھا۔ تمہیں معلوم ہے کیپٹن میرے پاپا ہیں۔"

وہ مسکرا کر کہنے لگی۔ "ہزہائی نس میرے پاپا ہیں۔۔۔۔۔"

میں نے اس کو آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر ان دو پاپاؤں کی پاپائیت سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔ ڈیلائٹ کارنر بہت دور تو نہیں۔"

"تھینک یو سر۔" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "ہزہائی نس آدھ گھنٹے میں آپ کو راج محل میں دیکھنا چاہتے ہیں اور مجھے یقین نہیں کہ بیگم صاحب تیار بیٹھی ہوں۔ وہ کچھ دیر صاحبزادیوں کا میک اپ کرنے میں، کچھ دیر غرارہ سنبھالنے میں اور پھر کچھ دیر چلتے چلتے گلوری کھانے میں ضرور لگائیں گی اس لئے۔۔۔۔۔"

"جو حکم۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اس نے اپنا سر میرے کندھے پر ٹکا دیا۔

یشودہرا کی توقع کے برعکس، ہم حویلی کی ڈیوڑھی میں پہنچے تو بیگم صاحبہ گاڑی کا انتظار کر رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا لڑکا، دو لڑکیاں اور ایک خادمہ موجود تھیں۔ میں نے اتر کے پچھلا دروازہ کھولا اور یشودہرا جو پانی دروازے کے قریب پچھلی سیٹ پر پہنچ گئی تھی۔ باہر نکلی اور بیگم صاحب کو سر جھکا کر سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ دونوں صاحبزادیاں ان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد یشودہرا بمشکل فٹ ہو سکی۔ صاحبزادے فرنٹ سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے ہچکچائے۔ بیگم صاحبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "تم جاؤ امی۔ میں بعد میں آ جاؤں گا۔" میں نے دروازہ بند کیا اور بیگم صاحبہ کے جواب دینے سے پہلے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ٹرن لیا اور ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا۔ صاحبزادے دیکھتے رہ گئے۔

راج محل پہنچتے ہی بیگم صاحبہ نے مہارانی سے میری شکایت کی۔ انہوں نے مسز ممتا کو فون کر کے صاحبزادے کے لئے دوسری گاڑی بھیجنے کا حکم دیا اور خاموش ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد یشودہرا کاریڈور میں آئی۔ میں نے کیبن سے نکل کر سلام کیا۔ چلتے چلتے رک کر کہنے لگی۔ "بیگم نے ہرہائی نس سے تمہاری شکایت کی کہ صاحبزادے کو چھوڑ کے چلے آئے۔"

میں نے کہا۔ "انہیں شکر ادا کرنا چاہئے کہ یہ سب کچھ تمہاری موجودگی میں ہوا ورنہ میں اس کا جواب گھونسے سے دیتا۔"

وہ منہ پر رومال رکھ کر ہنس دی اور پھر کہنے لگی۔ "تم نے بہت اچھا کیا نعیم۔ مجھے خوشی ہوئی۔"

"ہرہائی نس تو ناراض نہیں ہوئیں مجھ سے؟"

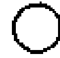
"نہیں۔ . . . . وہ مسکرا دیں اور صاحبزادے کے لئے گاڑی بھجوا دی۔ ویل ڈن ٹائیگر......" وہ مسکرا کر چل دی۔

ڈیڑھ بجے تک کھانا کھانے کے انتظار کر کے میں مسٹر مہتا کے پاس گیا اور پوچھا۔

"آج اپواس (روزہ) ہے مسٹر مہتا؟"

وہ ہنس کر بولے۔ "کیا ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔۔ انہوں نے رسیور اٹھا کر مودی صاحب کا نمبر ڈائل کیا اور میرا نام لے کر کھانے کے متعلق پوچھا۔ چند جملے تبدیل کرنے کے بعد رسیور رکھ کر کہا۔ "ہزہائی نس نواب صاحب اور ان کی فیملی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ہیں۔ اس لئے سرکار دو بجے تک تو آپ گائیتری منتر کا جاپ کریں یا قل ہو اللہ پڑھیں' کھانا نہیں ملتا۔ اس کے بعد۔ پھر ٹرائی کریں گے۔" میں ان کا شکریہ ادا کر کے کیبن میں آ کر بیٹھ گیا۔ سوا دو بجے سادھنا ڈرائنگ روم سے نکل کر کاریڈور میں آئی۔ میں اس کو دیکھتے ہی اٹھ کر باہر آیا اور ساتھ ساتھ چلتا ہوا کیبن تک آیا۔ وہ راستے میں کنکھیوں سے دیکھتی رہی لیکن کچھ نہ بولی۔ میں نے لفٹ کا بٹن دبا کر اس کی طرف دیکھا۔ تو مسکرا کر بولی۔ "بول بچہ کیا مانگتا ہے؟"

"مانگنا کیا تھا بھوک لگی ہے۔" میں نے کہا۔ وہ واپس ہونے لگی۔ چند قدم چل کر بولی۔ "اسموکنگ روم میں جاؤ بھجواتی ہوں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ ڈرائنگ روم میں جا کر سیکریٹری کو فون پر کہلوایئے۔ میں آفیشل طریقے پر کھانا چاہتا ہوں۔"



میں کاریڈور کا چکر کاٹ کر اسموکنگ روم میں پہنچا تو ساوتری ٹرے میز پر رکھ کر دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ میں نے اس کو تنہا پا کر دروازہ بند کر دیا اور کواڑ سے پیٹھ لگا کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ وہ دوڑ کر میرے قریب پہنچی اور گلے میں بانہیں ڈال کر جھول گئی۔ میں نے اس کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے میرے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے اور ہم گرد و پیش سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔ "تم نے مجھے بچا لیا ساوتری۔" میں نے اس کو فرش پر ٹکاتے ہوئے کہا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑے پکڑے میز کی طرف چلتی ہوئی بولی۔ "وہ میرا فرض تھا نا۔ جس سے پیار ہو اس کو کون مصیبت میں دیکھ سکتا ہے۔ خیر اڑھائی بج چکے ہیں۔ کھانا کھاؤ۔ میں دروازہ کھولتی ہوں۔"

میں کرسی پر بیٹھ کر مٹھائیوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ وہ دروازہ کھول کر واپس آ گئی اور کچھ فاصلے پر کھڑی کھڑی دیکھتی رہی۔ گلاس خالی ہونے پر پانی انڈیل انڈیل کر دیتی رہی۔ کھانا ختم کر چکا تو پیالی میں کافی انڈیلتی ہوئی بولی۔ "ایک بات بتاؤ گے ٹائیگر؟"

میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "دو پوچھو ڈیئر. . . . "



بولی۔ "رات کو کس کے ساتھ گئے تھے؟؟"

"کسی کے ساتھ نہیں گیا۔ لیکن میرے ساتھ کوئی ایسی چیز ضرور تھی جس نے وقت کا احساس نہیں ہونے دیا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "مثلاً" کیا چیز؟"

"زمرد...." میں نے ایک طوائف کا نام لیا جو اکثر راج محل میں مجرے کے لئے آیا کرتی تھی۔

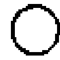
"پھر۔"

"میں اس کے ساتھ پیتا رہا..... اور....."

"جھوٹ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "رات کو تمہارے منہ سے شراب کی بو نہیں آئی۔ بالکل نہیں آئی۔"

"شاید تم نے محسوس نہیں کی ہوگی۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دی۔ میں اس کے سوالوں سے گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ٹرے اٹھائی اور مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف چل دی۔



شام کو چھ بجے میں کیپٹن کے بنگلے جانے کو تیار ہونے لگا تو روپا کے الفاظ یاد آئے۔ اس کا راج محل سے نکل کر بنگلے تک آنا کسی طرح ممکن نہ تھا لیکن وہ وارفتگی سے آگے بڑھ کر دیوانگی کے حدود میں قدم رکھ چکی تھی۔ اس سے کسی بھی انتہائی اقدام کی توقع کی جا سکتی تھی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ لیکن کشتی بھنور میں دھکیل دینے کے بعد محسوس کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں اس فیصلے پر پہنچا کہ وہ آئے یا نہ آئے، میدان خالی ضرور ہونا چاہیے۔ واسو پر اب پھر اعتماد کیا جا سکتا تھا لیکن اس حد تک تو نہیں اور پھر وہ بلا کی زود رنج بھی تھی۔ کوئی کام مرضی کے خلاف ہوتے ہی بگڑ جاتی تھی۔ میں نے سوٹ کیس سے چند نوٹ نکالے اور واسو کو بلا کر کہا۔ "یہ روپے لو اور کھانا کھانے کے بعد شہر چلے جاؤ۔ وسکی کا ایک کیس خریدو اور....."

"صاحب۔" اس نے حسب توقع بات کاٹ کر کہا۔ "ایک بوتل بھی چھپا کر لانی پڑتی ہے۔ پورا کیس کون گیٹ سے گزرنے دے گا۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے تم کیس خرید کر اپنے خاندیش والے دوست کے گھر رکھ دو۔ یہ دس روپے تمہارے خرچ کے لئے ہیں۔ رات کو کھاؤ پیو، سینما دیکھو اور صبح واپس آ جاؤ۔ میں کپتان صاحب کی کار میں رکھ کر کسی وقت لے آؤں گا۔"

اس نے نوٹ جیب میں رکھے اور بولا۔ "بہتر ہے۔" میں کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ پینے

لگا اور باورچی خانے میں چلا گیا۔ داسو کو شہر کی طرف روانہ کر کے میں نے اگلے دروازے کو قفل لگایا اور لان کی طرف کھلنے والا دروازہ کھلا چھوڑ کے کیپٹن کے بنگلے کو چل دیا۔ جب میں اندر پہنچا تو میجر برنی اور کیپٹن ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے سیلوٹ کیا تو کیپٹن نے کہا۔ "ٹائیگر ایک گھنٹہ لیٹ ہو۔ چھ بجے آتے تو مدراسی کافی ملتی۔"

میں نے سلام کر کے کہا۔ "سر آپ کا یاد فرمانا ہی بہت بڑی عزت افزائی ہے۔ کافی تو پیتے ہی رہتے ہیں۔"

میجر برنی نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت مزیدار تھی سارجنٹ۔ کھانا تو نہیں کھا کر آئے ہو؟"

"جی نہیں۔" میں نے کہا۔

"پھر ٹھیک ہے۔ آج ہمارے ساتھ کھاؤ..... لو سگریٹ پیو۔" کیپٹن نے اشارہ کیا اور میں نے سگریٹ لگا کر سلگایا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگے۔ چند جملے سن کر میرے کان کھڑے ہوئے۔ موضوع گفتگو ہیڈی یونٹ کے دو جوانوں کی گمشدگی تھا جو بغیر رخصت کئی مہینے سے غائب تھے۔ پولیس ان کا کھوج لگانے میں ناکام رہی تھی اور اب انکوائری میجر برنی کے پاس تھی۔ ان کی باتوں سے پتا چلا کہ پولیس کی تحقیقات سے انہیں کوئی کلیو ایسا نہیں مل سکا تھا جو تفتیش کے آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہو سکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی بااثر شخصیت نے بھاری رشوت دے کر انکوائری کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ تاہم میں اس گفتگو سے بے حد گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔ کیپٹن بھی اس غیر دلچسپ موضوع سے بور چکے تھے کیونکہ انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "میجر صاحب کو کچھ پلاؤ ٹائیگر۔" میں نے ہنس کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "جو حکم سر۔" میجر نے مسکرا کر کہا۔ "اس روز والی ٹائیگر۔"

میں نے الماری کھول کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وسکی ہے صرف۔"

بولے "خیر..... ہے تو شراب ہی..... غالب کہتا ہے۔ ہائے غالب ظالم نے کیا کہا ہے....."

میں نے بوتل اور گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "سر کیا کہہ دیا غالب نے؟"

بولے۔ "فارسی سمجھتے ہو؟"

میں نے گلاسوں میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "سر ایک جام چڑھانے کے بعد دیوان غالب کا حافظ اور دیوان حافظ پر غالب ہو جاتا ہوں۔"

ہنس کر بولے۔ "تو پھر بیٹھ جاؤ اور یہ تینوں جام چڑھا کر گنگناتے ہو....."

میں نے کیپٹن کی طرف دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "ہو جائے۔" میں نے ایک پیگ پی کر کہا۔

"میجر صاحب۔ میں آپ کو غالب کے تین شعر سناتا ہوں اگر ان میں سے ایک شعر وہ نہ ہو جو آپ سنانا چاہتے تھے۔ تو میں شراب چھوڑ کے مفتی صدر الدین بن جاؤں گا اور غالب کا مزار قرق کرا دوں گا۔"

کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "شراب چھوڑ دینا نعیم لیکن ڈکلیئر نہ کرنا۔ تمہارے حصے کی شراب میں لیتا رہوں گا۔"

میجر نے کہا۔ "اگر تم نے میرا پسندیدہ شعر سنا دیا تو سو روپے انعام ..... ابھی' اسی وقت۔"

کیپٹن نے قہقہہ لگایا۔ "نعیم۔ تم ہارو یا میجر صاحب۔ دونوں صورتوں میں ڈیش مکھ کے مزے ہیں۔"

میں نے دوسرے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھا کر ہٹاتے ہوئے کہا۔ "سوال یہ ہے کہ کیا ہم میجر صاحب سے سو روپے لیتے ہوئے اچھے لگیں گے سر؟"

"کیوں نہیں۔" کیپٹن نے کہا۔ "بڑا آفیسر چھوٹے آفیسر کو انعام دے سکتا ہے۔"

میجر نے جیب سے نوٹ بک اور نوٹ بک میں سے ایک سو کا نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ میں نے نوٹ بک نکال کر ایک ورق پر لکھا۔ "میں سارجنٹ نعیم خدا کو حاظر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ آج سے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" دستخط کیے اور ورق پھاڑ کے میجر کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے کہا۔ "تحریر کے الفاظ مبہم ہیں۔ تاریخ کے بغیر "آج" کوئی معنی نہیں رکھتا اور ہاتھ نہیں لگانے کے معنی شراب ترک کر دینا نہیں ہوتا۔ واضح الفظ میں لکھو شراب نہیں پیوں گا۔ تادم آخر۔"

میں نے ان کے حکم کی تعمیل کر کے کہا۔ "پہلا شعر۔

مغاں کہ دانہ انگور آب می سازد ستارہ می شکند' آفتاب می سازد"

میجر نے کہا۔ "نہیں۔" میں نے دوسرا شعر سنایا۔

"مے بزاہد مکن عرض کہ ایں جوہر ناب پیش ایں قوم زشوراب' زمزم' نہ رسد

بولے۔ "نوپ۔" میں نے کہا۔ "لاسٹ۔

من در عجم کہ مے فروشاں کے شاں زیں شے چو فروشند' چہ خواہند خرید۔"

میجر نے ہنس کر کیپٹن کی طرف دیکھا اور بولے۔ "نعیم کی تحریر پھاڑ دو کیپٹن۔ یہ جیت گیا اور سچ تو یہ ہے پہلا شعر ہی وہ تھا۔ دوسرے دو تو میں نے گھپلا کر کے سنے ہیں۔ ویلڈن ٹائیگر تیرا جام کبھی خالی نہ ہو۔"

میں نے کہا۔ "تھینک یو سر۔ افسوس ہے' آداب عرض' نہیں کہہ سکتا۔" کیپٹن نے گریز کے ساتھ میرا نوٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہارے جیتنے کا افسوس ہوا نعیم۔"

میں نے نوٹ اٹھا کر پھاڑتے ہوئے کہا۔ "سر اس سو روپے کی جان ہیگ منگا لیجئے۔ افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

انہوں نے ہنس کر گریز میجر کی طرف سرکا دیا لیکن میجر نے اٹھ کر برے کو بلایا اور نوٹ دے کر صبح ہیگ لانے کو کہا اور واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر میں کھانا آ گیا اور کھانے کے دوران اور اس کے بعد دیر تک ہم اندھا دھند پیتے رہے۔ دس بجے کے قریب کیپٹن نے سیکنڈ سیکریٹری کو فون کر کے ہزہائی نس سے شہر جانے کی اجازت طلب کی اور میری دیکھ کر کہا۔ "تم ڈرائیو کر سکو گے؟"

میں نے کہا۔ "سر مجھے تو ہر چیز گھومتی دکھائی دے رہی ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں تم کچھ زیادہ پی گئے ہو۔ خیر چلو گے تو سہی۔"

میں نے کہا۔ "مشکل ہے سر۔"

بولے "پھر وعدہ کرو سیدھے بنگلے جا کر سو جاؤ گے۔"

میجر نے کہا۔ "کیا شرارت بھی کرتا ہے یہ؟"

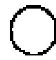
کیپٹن نے کہا۔ "کبھی کبھی جھگڑا کر بیٹھتا ہے۔"

میجر نے کہا۔ "مجھے یقین نہیں کیپٹن۔ آپ کچھ چھپا گئے۔ حالانکہ چھپانا نہیں چاہئے۔ آپ کی طرح میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں۔"

"یہ اس کی خوش قسمتی ہے میجر کہ آپ پسند کرتے ہیں اسے۔ لیکن حقیقت ہے کہ پینے کے بعد یہ بہت بچّی ہو جاتا ہے۔ دماغ کے بجائے ہاتھ سے کام لیتا ہے اور....."

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "میں اب صرف سونے کے موڈ میں ہوں سر۔"

انہوں نے میری پیٹھ تھپک کر میجر کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف چلنے لگے۔ باہر سڑک پر میجر کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں آگے بڑھ کر اس میں سوار ہو گئے۔ میں چند منٹ ان کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور جب کار ٹرن لے کر گیٹ کی طرف روانہ ہو گئی تو بنگلے کی طرف چل دیا۔



پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوا تو میرے بیڈ روم کی کھڑکیوں کی درازوں سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں نے دروازے کی کنڈی چڑھائی اور بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ صوفے پر روپا بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ خلاف توقع نہ تھا اور میں پہلے سے اس کے لئے تیار تھا۔ لیکن اس کو دیکھ کر میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ نگاہیں ملتے ہی وہ مسکرا دی۔ میں نے بھی مسکرانے کی ناکام سی کوشش کی اور کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

وہ صوفے سے اٹھ کر لپٹتی ہوئی بولی۔ "تم گھبرا گئے شاید نعیم۔"

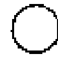
میں نے اس کو آغوش میں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "ہاں روپ..... لیکن اب اس کا ذکر نہ کرو۔ تم آ ہی گئی ہو تو ہمیں ہولی منانے کے سوا اور کچھ سوچنا ہی نہیں ہے۔ کسی نے تمہیں دیکھا تو نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اس راستے سے آئی ہوں۔ جس سے آنے میں تم کامیاب نہ ہو سکے تھے۔"

"اوہ!" میری زبان سے نکلا۔ "تو تم انڈر گراؤنڈ ہو کر یہاں تک پہنچی ہو روپ۔ لیکن اب مجھے انڈر گراؤنڈ ہونے سے بچا سکو گی؟"

"اگر نہیں بچا سکی تو میں خود بھی....."

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دی اور جملہ نامکمل رہ گیا۔ وہ میرا ہاتھ ہٹا کر اٹھ رہی تھی کہ کسی نے پچھلا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے چونک کر میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور گھبرا کر سوالیہ انداز میں میرا منہ تکنے لگی۔ دروازہ پھر کھٹکھٹایا گیا اور میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔



روپا نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔ "کون ہو سکتا ہے نعیم؟" جواب دینے کے بجائے میں نے جھپٹ کر الماری کا تالا کھولا۔ پستول ہولسٹر سے نکال کر ہاتھ میں لیا اور الماری کو قفل لگا ہی رہا تھا کہ تیسری مرتبہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس مرتبہ زور سے۔ میں نے کوٹ اتار کے مسہری پر پھینکا اور دروازہ کھولنے کو آگے بڑھا تو روپا نے میرا ہاتھ پکڑ کے روک لیا اور بولی۔ "نعیم میں کھڑکی سے انگنائی کو زد میں لیتی ہوں۔ اگر کوئی دشمن ہو تو تم نیچے جھک کر کمرے کی طرف دوڑنا اور جب تک میں ایک دو کو گرا نہ دوں، فائر نہ کرنا۔"

میں نے کہا۔ "شاید کوئی دوست ہو۔ ابھی زیادہ رات نہیں گزری ہے۔ ایسے حملے دو بجے کے بعد ہوا کرتے ہیں۔"

"خیر۔" اس نے کہا۔ "خدا کرے ایسا ہی ہو تو دروازے سے ہی ٹرخا دینا۔" ایک بار پھر کنڈی کھنکھنائی گئی۔ میں نے بولٹ کھینچتے ہوئے اس کی طرف گردن گھما کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں وہی خطرناک کھلونا تھا۔ "گولی چلانے میں بہت جلدی نہ کرنا۔" کہہ کر میں انگنائی میں نکل گیا اور بیرونی دروازہ کھول دیا۔ باہر کیپٹن اور میجر برنی کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "سر آپ تو شہر گئے ہوئے تھے؟"

"واپس آ گئے۔" انھوں نے اندر آتے ہوئے کہا۔ "تم سو گئے تھے کیا؟"

"صوفے پر تھا شاید نیند آ گئی ہو۔۔۔۔۔" میں نے جواب دیا۔ وہ دونوں سیدھے بیڈ روم کی طرف چلنے لگے۔ میری سٹی گم ہو گئی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر کہا۔ "سر پینی ہو تو ڈرائنگ روم میں تشریف رکھئے" وہ اندر داخل ہوتے ہوتے رک گئے اور پلٹ کر بولے۔ "کیا خیال ہے برنی صاحب؟"

میجر نے مسکرا کر کہا۔ "جان بیگ ہو تو ایک ایک پیگ ہو جائے۔" کیپٹن پلٹ کر دوسرے کمرے کی طرف چلنے لگے۔ میری جان میں جان آئی۔ دروازہ کھول کر ان کو اندر بٹھایا اور بوتل اور گلاس لانے کے بہانے بیڈ روم میں جا کر پستول ہولسٹر میں رکھا اور روپا کو مسہری پر لیٹنے کا اشارہ کر کے ڈرائنگ روم سے ملحقہ دروازہ بند کر دیا اور الماری سے بوتل اور گلاس لے کر ڈرائنگ روم کو چل دیا۔

میں نے گلاس میز پر رکھ کر دو گلاسوں میں برانڈی انڈیلی، میجر نے کہا۔ "تم نہیں پیو گے کیا؟"

میں نے کہا۔ "بہت زیادہ ہو گئی سر۔ شکریہ۔" دونوں نے گلاس اٹھا لئے۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور کش لینے لگا۔ کیپٹن نے ایک چسکی لے کر کہا۔ "واسو نظر نہیں آیا مگر۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "یہی لانے کو بھیجا ہے سر۔ صبح آئے گا۔"

میجر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "اس وقت تو تم کافی سوبر نظر آ رہے ہو نعیم۔"

"سوبر تو ہوں سر۔" میں نے کہا۔ "لیکن نیند سے برا حال ہے۔"

"اگر تمہیں اسٹرانگ چائے پلائی جائے تو؟"

"اگر آپ پینا چاہیں تو بنا سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ بلکہ ہمارے ساتھ چلو۔ شہر میں پئیں گے۔ ہم اسی لئے واپس آئے ہیں کہ تمہارے بغیر لطف نہیں آئے گا۔"

"یہ عزت افزائی ہے سر لیکن کل پر رکھتے تو بہتر تھا۔"

"آج کیا ہے؟" کیپٹن نے کہا۔ میں نے اس سوال پر پیدا ہونے والی گھٹن کو چھپاتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں سر۔ کل ذرا پینے میں احتیاط برتوں گا۔"

"گیٹ اپ۔" کیپٹن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم چل رہے ہو۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "بہتر ہے' چلئے۔" ہم تینوں ڈرائنگ روم سے نکل کر صحن میں آئے۔ کیپٹن نے کہا۔ "کوٹ پہن لو اور دروازے کو تالا لگاؤ۔"

میں نے کہا۔ "بہتر ہے آپ دونوں صاحبان چلئے میں حاضر ہوا۔" وہ باہر نکلے۔ میں نے اندر کی کنڈی چڑھائی اور بیڈ روم میں پہنچا۔ روپا بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

"دفع ہو گئے؟"

"نہیں روپ۔" میں نے افسردہ ہو کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے۔ سخت افسوس۔ وہ مجھے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

"نان سینس۔ تم کیسے جا سکتے ہو ڈیر۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے روپ۔" میں نے مسہری سے کوٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن دلیش کھ اور میجر برنی ہیں۔ ورنہ میں کبھی نہ جاتا۔"

اس نے کوٹ پکڑ کے کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ میری توہین ہے نعیم۔"

"ایسا نہ کہو ڈیرسٹ۔ میں ایک گھنٹے میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے واپس آ جاؤں گا۔ تم یہیں رہو اور بے فکر ہو کر سو جاؤ۔" اس نے آگے بڑھ کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ میں نے اس کو بھینچ کر چوم لیا اور جب وہ جذباتی ہونے لگی تو علیحدہ ہٹ کے کوٹ

پہننے لگا۔ "برا نہ ماننا پر۔ تمنا اور پلیز یہیں ملنا۔" میں نے چلتے چلتے کہا۔ وہ مسکرا دی۔
میجر برنی نے کار ڈرائیو کی اور شہر کے حسین ترین بازار میں' جہاں رات کو بالکنیوں اور گیلریوں پر چاند ستارے جگمگاتے ہیں۔ ایک کیفے کے سامنے گاڑی کھڑی کر دی۔ ہم اتر کے اندر داخل ہوئے اور ایک کونے میں خالی میز پر بیٹھ گئے۔ کیپٹن نے ویٹر کو چائے کا آرڈر دیا۔ مجھے ان کی طرف دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ منہ پھرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ لیکن وہ بھانپ گئے۔ مسکرا کر بولے۔ "کیا ہے نعیم؟"
میں نے کہا کچھ نہیں سر۔ سوچ رہا ہوں یہ آپ مجھے کہاں لے آئے؟"
"میجر صاحب لائے ہیں بھئی۔" انہوں نے جواب دیا۔ میں نے میجر کی طرف دیکھا۔ بولے۔ "صرف گانا سنیں گے اور چل دیں گے۔" میں ہنس دیا۔ وہ کچھ کہنے جا رہے تھے کہ ویٹر نے ٹرے لا کر میجر کے سامنے رکھ دی۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تو کیپٹن نے ٹرے اپنی طرف کھینچ کر چائے بنانی شروع کر دی۔ میجر نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "ہنسے کس لئے تھے نعیم؟"
میں نے کہا۔ "سر' صرف گانا سن کر چل دینے پر....."
وہ ہنس کر بولے۔ "تو پھر کیا ارادہ ہے تمہارا؟"
"آپ مجھے لائے ہیں۔ ارادہ آپ کا ہونا چاہئے۔"
کیپٹن نے کہا۔ "چائے اٹھاؤ نعیم....." میں نے شکریہ سر' کہہ کر کپ اٹھا لیا۔ میجر نے بھی..... ایک چسکی لی اور سگریٹ نکالتے ہوئے کہنے لگے۔ "کیپٹن شاید ٹھیک ہی کہہ رہا ہے نعیم۔" کیپٹن نے لیموں جیسا منہ بنا کر کہا۔ "لیفٹنٹ تو بچی سی آدمی ہے میجر صاحب۔ آپ کو واقعی دیوالی منانی چاہئے۔" میجر نے کپ میز پر رکھ کے میری طرف دیکھا۔ "کس کے ہاں چلیں؟" میں نے چائے کے گھونٹ کو اتنا طویل کر دیا کہ اکتا کر وہ خود ہی بول پڑے۔ "رادھا کے ہاں چلتے ہیں لیکن وہاں سر یا جناب وغیرہ نہ کہنا پلیز وہاں ہم محض دوست ہوں گے۔" کیپٹن نے بل ادا کئے اور ہم سگریٹ سلگاتے ہوئے باہر نکل کر کار میں بیٹھ گئے۔

شاید رادھا واحد رقاصہ تھی جس سے برنی صاحب واقف تھے کیونکہ گاڑی ایک کونے میں کھڑی کر کے اترتے ہی وہ ہمیں لئے ہوئے سیدھے اس کے بال خانے پر پہنچ گئے۔ اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور محفل پورے شباب پر تھی۔ چھ سات شوقین مزاج ٹکٹکی باندھے اس کا ناچ دیکھ رہے تھے۔ وہ اس وقت سنو' سنو' جنو' سنو موری بات" گا رہی تھی اور غضب کے توڑے لے رہی تھی۔ ہم ہال میں داخل ہوئے تو اس نے میجر برنی کو دیکھتے ہی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کورنش کی اور مسکرا کر گاؤ تکیے کی طرف اشارہ کیا۔ ہم تینوں جوتے کھولے بغیر تکیوں سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ اس کی ماں نے سگریٹ کا

پلیٹ طشتری میں رکھ کر برنی صاحب کو پیش کیا۔ گانا ختم ہونے تک ہم ایک ایک دو دو
فائیو رادھا کو دیتے۔ لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ گانا ختم کر کے رادھا طشتری میں
پان لے کر آئی۔ برنی کے سامنے بیٹھ کر مزاج پرسی کی۔ میہون نہ آنے کی شکایت کی۔ برنی
نے اس سے کیپٹن کا تعارف کرایا۔ پھر مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''میرے
ہموطن دوست نعیم۔'' رادھا نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ
بہت اچھا گاتی ہیں۔''

وہ ہنس دی۔ ''آپ میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔'' ''حوصلہ افزائی'' پر میں نے
چونک کر اس کی وطنیت پوچھی۔ تو بولی۔ ''حضور وطن کیا۔ والس پوری سمجھئے۔''

میں نے کہا۔ ''یقین نہیں آتا۔'' میجر نے ہنس کر کہا۔ ''دہلی کی ہیں بھئی۔'' مکالے
چلتے دیکھ کر دو آدمی جو باقی رہ گئے تھے اٹھ کر چل دیئے۔ رادھا نے ان کی طرف مڑ کر بھی
نہ دیکھا اور باتیں کرتی رہی۔ سازندے بھی ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ چند منٹ باتیں
کرنے کے بعد اس نے برنی صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا پینا پسند کیجئے گا؟'' انہوں نے
ہماری طرف دیکھا۔ کیپٹن نے کہا۔ ''ہمیں اجازت دیجئے برنی صاحب۔'' رادھا نے کہا۔
''کیسے ممکن ہے کہ آپ چائے بھی نہ پئیں۔''

کیپٹن نے کہا۔ ''اچھا پھر چائے سہی۔'' وہ لچکتی ہوئی اٹھی اور چائے لینے چلی گئی۔
چائے اور پان سگریٹ کے تکلف سے گزرنے کے بعد میں نے کیپٹن کی طرف دیکھا۔ انہوں
نے دس روپے کا نوٹ نکال کر پانوں کی طشتری میں رکھ دیا۔ میں نے بھی ان کی تقلید کی
اور دونوں اٹھ کر چل دیئے۔

کیپٹن کو ان کے بنگلے پر پہنچا کر میں راستے اور روشوں کا جائزہ لیتا ہوا اپنے بنگلے کے
پچھلے دروازے پر جا رکا۔ تھوڑی دیر سگریٹ سلگا کر اس سرے سے اس سرے تک ٹہلتا
رہا اور جب ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو چوروں کی طرح دیوار پھاند کر اندر پہنچا۔ بیڈ روم
کا کواڑ دھکیلتے ہی کھل گیا۔ میں نے اندر سے دروازہ بند کر کے روشنی کی۔ روپا مسہری پر
غافل پڑی سو رہی تھی۔ میں نے شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے سگریٹ سلگایا اور روپا کی
طرف دیکھا اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ مجھے اس کی احمقانہ حرکتوں کی اس قدر غفلت کی نیند پر
بھی تعجب تھا۔ شاید یہ خطرناک حالات جن سے وہ گزر رہی تھی اس کے لئے کوئی معنی نہ
رکھتے تھے۔ آخر دو ایک کش لگانے کے بعد میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں
کھول کر دیکھا اور مسکرا کر دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈال دیئے۔ صبح کے چار بجے تک ہم
نیم اور گلاال حل کرتے رہے۔ ہولی کی روشی میں گلاب پاشیاں ہوتی رہیں۔ اور جب کیف
و سرور کی انتہائی بلندیوں میں پرواز کرتے کرتے مضمحل ہو کر زمین پر لوٹے تو مرغ بانگ
دینے لگے تھے۔ وہ مسکرا کر بستر سے اٹھی اور خود کو سنبھالنے لگی۔ آئینے کے سامنے جا کر

بالوں میں کنگھا پھرایا' کوٹ پہنا اور چلنے لگی۔ میں نے دروازہ کھول کر ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ اشارہ پاتے ہی وہ باہر نکل گئی میں نے دروازہ بند کیا اور اندر آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

صبح کو داسو نے دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے جگایا تو دس بجنے میں نو منٹ تھے۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا اور سیدھا باتھ روم کی طرف دوڑا۔ منٹ میں منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلا اور بغیر شیو کئے یونیفارم پہن کر راج محل کو چلنے لگا۔ واسو نے دروازے سے نکلتے نکلتے چائے کا کپ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں نے دو تین گھونٹ لئے اور کپ اس کو دے کر باہر نکل گیا۔ دس بج کر ایک منٹ پر کیبن پر موجود تھا۔ اسے سنبھالنے کے دس منٹ بعد میں نے اپنی ٹیبل کی دراز سے ریزر نکالا اور تولیہ لٹ روم میں جا کر شیو کیا منہ ہاتھ دھو کر دس منٹ میں پھر کیبن پر پہنچ گیا۔ اور کوٹ کی جیب سے کاجو نکال نکال کر کھانے لگا۔ چائے نہ ملنے کی وجہ سے بری حالت تھی۔ بار بار جمائیاں آ رہی تھیں اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلتا پھر رہا تھا۔ کئی مرتبہ مودی خانے کو فون کر کے چائے منگانے کا ارادہ کیا لیکن ہر بار کچھ سوچ کر رہ جاتا تھا۔ آج کسی قسم کی بے قاعدگی کا اظہار مجھے مناسب معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب راجکمار ایشر سنگھ کاریڈور میں آیا۔ میں نے اس کو سیلیوٹ کیا۔ اس نے دیوان ہال میں نظر دوڑای اور دو قدم کے فاصلے پر رک کر بولا۔ "تم کدھر کا رہنے والا ہے نام؟" اس کے انداز تخاطب سے میرے دماغ کا پارہ چڑھنے لگا۔ بمشکل خود پر قابو پا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "عجیب سا سوال ہے یور ایکسی لینسی۔"

وہ تیوری چڑھا کر بولا۔ کیوں۔ "کیا میں احمق ہوں؟"

میں نے کہا۔ "میں ڈاکٹر نہیں ہوں کہ کسی کی دماغی حالت پر سرٹیفکیٹ دے سکوں۔"

وہ غصے سے تلملا اٹھا۔ پیر پٹخ کر بولا۔ "تمہاری یہ جرات؟"

"میری جرات۔ جیسے آپ جانتے تھوڑا ہی ہیں۔"

بگڑ کر بولا۔ "میں تمہیں دیکھوں گا۔"

"ابھی نہیں دیکھا کیا ایشر سنگھ جی؟ کس کس کو ناپید کرنا چاہتے کس کس کو "دیوانی" بنانا چاہتے ہو۔" میں نے دیوانی پر زور دے کر کہا وہ گھٹ کر رہ گیا۔ کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن میں نے ساتھ دیا۔ میں نے ایک قدم آگے بڑھا کر کہا۔ "تم مجھے دوستی کے سوا کسی طرح نہیں جیت سکتے ایشر سنگھ جی۔" وہ کندھے اچکا کر چل دیا۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور ٹہلتا ہوا سیکرٹری کے چیمبرز کی طرف چل دیا۔ مہتا نے میری شکل دیکھتے ہی مسکرا کر کہا۔ "آج تمہارا موڈ کچھ آف معلوم ہوتا ہے ٹائیگر۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسٹر مہتا۔ مجھے چائے نصیب نہیں

"دیر سے اٹھے کیا۔" انہوں نے پوچھا۔

"پونے دس بجے آنکھ کھلی اور دس بجے آپ نے یہاں دیکھا اس لئے۔"

"وہ تو ہوتا تھا؟" انہوں نے رسیور اٹھا کر مودی صاحب کا نمبر ڈائل کیا اور چار کپ چائے کی ٹرے منگوانے کو کہا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور کیبن کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکا چائے کی ٹرے لے کر آ گیا۔ جس میں چائے کے علاوہ مسٹر مہتا کا پسندیدہ ویجی ٹیرین ناشتا بھی تھا۔ میں ندیدوں کی طرح ٹوٹ پڑا اور تھوڑی دیر میں خالی پلیٹوں اور پیالوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب مجھے ہر چیز حسین نظر آنے لگی سگریٹ سلگاتا ہوا باہر نکلا اور ٹہلنے لگا۔

ساڑھے تین بجے میں کیبن میں بیٹھا ہوا سہ پہر کی چائے پی رہا تھا۔ میرے ذہن پر روپا مسلط تھی۔ اس کی رات کی احمقانہ حرکت سے قطع نظر دن میں بھی اس کا طرز عمل کچھ عقلمندی کا نہ تھا۔ وہ ابھی تک ایک بار بھی نظر نہیں آئی تھی۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ میری ڈیوٹی کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد کل صبح دس بجے تک نہ میں یہاں آ سکتا تھا نہ اس کی کوئی خبر مل سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بنارس خان آ گیا اور میں اس کو چارج دے رہا تھا کہ ہمارے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ مسٹر مہتا بول رہے تھے۔ انہوں نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ "نعیم ہزہائی نس یاد فرما رہے ہیں۔" میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔ میں سوچتا جا رہا تھا کہ اگر آج دس منٹ کیبن سے غیر حاضر رہ کر شیو نہ کیا ہوتا تو اس وقت میرا کیا انجام ہوتا۔ شیو نہ کرنا ہی ایک ایسی غلطی تھی جس کا بروقت تدارک میرے لئے خوش کن تھا۔ بڑی غلطیوں کے بعد سوچ کر میں اس وقت ذہنی الجھن میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔

"ڈرائنگ روم میں' ہزہائی نس' مہارانی راج کماری سادھنا اور ایک دربار (کزن پرنس) شیو دان سنگھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ہزہائی نس کو سلام کیا۔ انہوں نے اشارے سے جواب دے کر کہا۔ ٹائیگر دھار وہیڑہ گئے ہو کبھی؟"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "آج پہلی مرتبہ آپ کی زبان مبارک سے نام سن رہا ہوں' یور ہائی نس۔"

بولے۔ "یہاں سے گیارہ میل کے فاصلے پر پہاڑی کے دامن میں ایک تین چار سو گھروں کی آبادی ہے۔ چاروں طرف گھنا جنگل اور پہاڑی ندی نالے ہیں قریب ترین دوسرا گاؤں گھاٹی کے اس پار اڑھائی کوس کے فاصلے پر ہے۔ قریب قریب اتنے ہی فاصلے پر چاروں جانب اسی طرح کے دیہات ہیں یہاں۔ دھار وہیڑہ میں دو تین مہینے سے ایک باگھ لاگو

ہو گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ جوڑا ہے۔"

"آدم خور ہے' یوربائی نس؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں--- شیو دان سنگھ نے کہا۔" صرف بکری' گائے اور چھوٹی موٹی بھینسیں وغیرہ غائب ہو رہی ہیں۔ بہت سے شکاریوں نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اب میں نے آٹھ دس شکاریوں کی ایک پارٹی بنائی ہے۔ اور کل صبح روانہ ہو رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم بھی ہمارے ساتھ ہو۔ ہزہائی نس نے اسی لئے تمہیں بلایا ہے۔"

"میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے دربار۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "لیکن میں اچھا شکاری نہیں ہوں۔ خصوصاً" شیر کے شکار کا بالکل تجربہ نہیں رکھتا۔"

ہزہائی نے مسکرا کر کہا۔ "ایسا ہوتا تو تمہیں ٹائیگر کا خطاب کبھی نہ دیا جاتا۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "آپ کا حکم ہے تو میں تنہا جانے کو تیار ہوں یوربائی نس۔ لیکن تجربے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

ہزہائی نس ہنس دیئے۔ "آج آپ کے ٹائیگر نے پہلی مرتبہ حماقت کا مظاہرہ کیا یوربائی نس۔" انہوں نے مہارانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

مہارانی نے کہا۔ "یوربائی نس' میں ایسا نہیں سمجھتی۔ یہ اگر اکیلا جانا چاہتا ہے تو یقیناً" کوئی وجہ ہو گی۔"

ہزہائی نس نے کہا۔ "ٹھیک ہے یوربائی نس آپ کو معلوم ہو جائے گا۔" پھر میری طرف دیکھ کر کہا۔ "اوکے نعیم اکیلے جاؤ۔ لیکن ہمیں یقین دلاؤ شیر کی لاش آئے گی--- تمہاری نہیں۔"

میں نے ان کے چرن چھو کر کہا۔ "آپ کے پرتاب سے میری لاش نہیں آئے گی یوربائی نس۔"

انہوں نے شیو دان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا کہتے ہو شیو دان سنگھ؟"

"جیسی آگیا یوربائی نس۔ لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ٹائیگر' ضرورت سے زیادہ آتم وشواس (خود اعتمادی) رکھتے ہیں۔"

"یہ اس کا اپنا پرابلم ہے۔ ہمارا نہیں۔" انہوں نے میری طرف دیکھا۔ "کب جا رہے ہو؟"

"جس وقت آپ حکم دیں یوربائی نس۔"

"اچھا تیاری کرو۔ کتنا وقت چاہتے ہو؟"

"پرسوں اسی وقت روانہ ہو جاؤں گا۔ یور-----"

"اوکے۔ جاؤ۔ جو کچھ چاہئے مودی خانے سے لو۔ ہماری ڈاج گیراج سے نکلواؤ اور توشے سے جو کچھ لینا ہو وہ بھی لے سکتے ہو-----" میں نے جھک کر سلام کیا اور باہر نکل

آیا۔

دیوان ہال سے باہر نکلنے لگا تو اے ڈی سی نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ وہ اس وقت فون پر کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ میں چیمبرز میں داخل ہوا تو "بہتر یورہائی نس" کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھ کر بولے۔ "کہاں جا رہے ہو ٹائیگر؟"

میں نے کہا۔ "سرشکار کے لئے تیار ہونے کا حکم ملا ہے۔" مسکرا کر بولے' کاہے کا شکار۔ ہرن کا؟"

میں نے کہا۔ "جی نہیں' شیر وغیرہ کا پروگرام ہے۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے پوچھا۔" ہزہائی نس بھی جا رہے ہیں کیا؟ "پھر ماؤتھ پیس میں کہنے لگے۔" فورمین۔ ہزہائی نس کی شکاری ڈاج کار تیار کر کے فوراً بھیج دو۔" ان کے ریسیور رکھتے ہی میں نے کہا۔ "سر میں اکیلا ہی جا رہا ہوں۔"

"ایں؟" اےڈی کانگ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ٹیلیفون پر انگلیاں رکھتے ہوئے آہستہ سے بولے۔ "ناراض ہیں کیا؟" میں نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "میں نے خود ہی کسی وجہ سے اکیلا جانے کی درخواست کی ہے سر۔"

"اوہ .... سمجھا ...... ٹھیک ہے ٹائیگر ..... بالکل ٹھیک تم نے ایک مرتبہ کے ایکسیڈنٹ سے سبق حاصل کیا۔"

"سر۔ آپ کے سوا کوئی اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکا۔" میں نے کہا۔

"آئی وش یو گڈ لک ٹائیگر۔" میں تھینک یو سر کہہ کر چیمبرز سے نکل کر کاریڈور کی طرف چل دیا۔ نیچے ڈرائیور ڈاج لئے ہوئے کھڑا تھا۔ میں نے گاڑی میں جگہ لی اور اسٹیشن جا کر پوسٹ آفس سے اقبال سنگھ کو ایکسپریس ٹیلیگرام کر کے اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر شیر کے شکار کی تیاری کے ساتھ ولاس پور پہنچنے کی تاکید کی۔

واپس پہنچا تو کیپٹن میرے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے۔ شاید اےڈی کانگ نے انہیں فون پر سب کچھ بتا دیا تھا۔ سلام کرتے ہی ہنس کر بولے۔ "مرہٹی میں ایک کہاوت ہے نعیم۔ اندھے کے پیر کے تلے بٹیرا آگیا۔ اندھا شکاری بن بیٹھا۔"

"میں سمجھ گیا سر آپ کا اشارہ اس چیتے کے شکار کی طرف ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "لیکن کیا واقعی آپ ایسا سمجھتے ہیں؟" بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "نہیں۔ تم نے بہت عقلمندی کا ثبوت دیا ہے میں تمہاری پوزیشن میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ میں نے الماری سے بوتل اور گلاس نکال کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔" ڈیڈی ایک احساس مجھے پریشان کر رہا ہے۔

وہ چونک کر بولے کیا؟ "میں نے گلاسوں میں انڈیلتے ہوئے کہا۔" میرا مقصد آپ

سمجھ گئے۔ سمجھنا ہی چاہئے تھا کیونکہ آپ میرے متعلق سب کچھ جانتے ہیں لیکن بالکل یہی الفاظ اے ڈی سی کے تھے اب سوال یہ ہے کہ کیا ہزہائی نس۔

انہوں نے گلاس اٹھا کر کہا۔ "پیو نعیم .... اپنے ذہن کو زیادہ تکلیف نہ دو۔"

میں نے گلاس اٹھا کر ایک سانس میں خالی کر دیا۔ وہ ہنس کر بولے۔ "کس کی صحت کا جام تھا یہ؟"

"کسی کا نہیں سر' کھانا کھانے کے بعد میں پورا کیس لے کر آپ کے بنگلے پہنچ رہا ہوں۔ پھر رات بھر آپ کی صحت کے جام لنڈھائے جائیں گے۔ میجر برنی کو بھی بلا لیجئے۔"

وہ گلاس میز پر رکھتے ہوئے بولے۔ "تمہارا کوئی پروگرام تو نہیں؟"

"ابھی تو نہیں سر' .... لیکن ......" میں جملہ ادھورا چھوڑ کر کنپٹی کھجانے لگا۔

"پھر برنی صاحب کو نہ بلاؤ۔"

"آپ بجا فرما رہے ہیں سر۔"

"ہزار دعوے ہوں دوستی کے دگر دگر ہے' جگر جگر ہے۔"

"یہ تم نے جگر مراد آبادی کا مصرعہ سنایا نعیم۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ مصرع نہیں ہے سر' تاریخ ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے۔"

"سوری کڈ۔" انہوں نے کہا۔ "مجھے تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں۔" "مجھے بھی نہیں ہے۔ لیکن جو خود کچھ نہ ہوں انہیں پدرم سلطان بود کہنے کا حق تو ضرور دینا چاہئے۔ سنا ہے' خچر سے کسی گدھے نے پوچھا۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی؟ جواب دیا۔ مابدولت ابا حضور سے واقف نہیں۔ اتنا جانتے ہیں کہ ماموں جان شاہی اصطبل کی زینت ہوتے ہیں۔ غالباً" یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب گدھے گھوڑے پند و وعظ فرمایا کرتے تھے۔"

کیپٹن ہنس دیئے۔ "برخوردار۔" انہوں نے کہا۔ "اس زمانے میں بھی کون سا فرق پڑ گیا۔ ان ہی خطوط پر کام ہو رہا ہے۔ وہی جہل کا نام علم۔ تاریکی کا نام روشنی۔ جنوں کا نام عقل۔ رینگنے کا نام جلترنگ اور ڈنڈے کا نام بھگوان۔ ڈیم اٹ۔"

"مجھے اتفاق ہے آپ سے سر۔" میں نے کہا۔ "ویسے' اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو عرض کروں گا کہ آج تک جتنے بھگوانات" گزرے ہیں ان میں مجھے صرف کرشن بھگوان کا دل پسند آیا۔ گوکل سے کاشی اینڈ وائس ورسا۔ ڈیڑھ ہزر گوپیوں کا دہی بلوتے اور مکھن کھانے کے سوا کبھی ایک تنکا نہ توڑا مرحوم نے۔ لیکن اس کے باوجود مقبولیت کا یہ عالم تھا۔ ماہر رومان کی کہ ہندو تو خیر ہندو ہیں۔ ایک مسلمان مصنف نے "کرشن جل جلالہ" کے عنوان سے آپ کی سوانح حیات لکھی۔ کیپٹن نے ہنس کر بوتل اٹھائی اور دونوں گلاسوں میں کر کے ایک گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ "پیو کہ ماحصل ہوش ......" میں نے اپنا گلاس

خالی کیا اور واسو کو ساتھ لے کر اس کے دوست کے ہاں سے کیس لانے چل دیا۔ کیپٹن بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ چسکیاں لیتے رہے۔ نصف گھنٹے میں ہم سرکاری گاڑی کے ڈکیج بکس میں جان ہیگ کا کیس لے کر واپس آ گئے۔ کیپٹن کے بنگلے میں جا کر میں نے کیس کھلوایا اور دو بوتلیں واسو کو اپنے بنگلے لے جانے کو دے دیں۔ واسو کے جانے کے تھوڑی دیر بعد کیپٹن آ گئے۔ میں نے کیس ان کو دکھایا۔ انہوں نے بیرے کو چکن روسٹ کرنے کو کہا اور میرا بازو پکڑ کے ڈرائنگ روم میں لاتے ہوئے کہنے لگے۔ "نعیم اپنے تمام پروگرام کینسل کرو میجر برنی کو بلاتے ہیں۔"

میں نے برا سا منہ بنا کر ان کی طرف دیکھا۔ سر' تو کیا وہ شعر اور سلوگن سب بیکار گئے؟"

بولے۔ "بیٹھو۔ سمجھاتا ہوں۔"

میں نے ان کی الماری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "سمجھ گیا سر۔ بالکل سمجھ گیا۔" وہ ہنسنے لگے۔ میں نے گلاس اور بوتل نکال کر میز پر رکھی انہوں نے ریسیور اٹھا کر مجر برنی کا نمبر ڈائل کیا اور میری طرف دیکھ کر بولے ایک نئی بوتل بھی لے آؤ نعیم----" میں نے دروازے پر جا کر بیرے کو اشارہ کیا اور اس نے جان ہیگ کی ایک بوتل لا کر میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں بوتل کھولتا ہوا اندر آیا اور دونوں گلاسوں میں انڈیلی۔ کیپٹن ریسیور رکھ کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "ابھی دس منٹ میں آ رہے ہیں۔" میں نے گلاس ان کی طرف سرکایا اور صوفے پر بیٹھ کر پینے لگے۔ "یہ آپ کی صحت کا جام ہے ڈیڈی۔" میں نے کہا۔

بولے "پینے کے بعد؟"

میں نے کہا۔ "میں کہیں اور تھا۔ اور اب بھی یہاں نہیں ہوں۔"

ایک گھونٹ لے کر بولے۔ "ولی ہوتے جا رہے ہو۔ جسم یہاں ہے۔ روح مکے مدینے میں پہنچی ہوئی ہو گی۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "مرزا غالب جیسا ولی ہوں۔ اگر میری شرابی روح وہاں پہنچی بھی تو دروازہ بند پا کر لوٹ آئے گی۔"

گلاس خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ "آہ غالب میں بڑا پسند کرتا ہوں' اس جنٹلمین کو نعیم ..... بڑا خوددار تھا۔"

"واقعی سر۔" میں نے ان کے گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "بینک بیلنس ہوتا تو نہ جانے کیا قیامت برپا کرتا۔"

"ہاں۔" انہوں نے افسوس کا اظہار کیا۔ "معلوم نہیں ہر عظیم آدمی تنگدست کیوں ہوتا ہے؟"

"میرے خیال میں اس لئے کہ وہ اپنی تمام انرجی عظیم بننے کی کوشش میں صرف کر دیتا ہے۔ حصول معاش کے لئے دوڑ بھاگ کی طاقت کہاں سے لائے۔ مرزا غالب کو ایک آفر کی گئی تو پیروں نے جواب دے دیا۔ پالکی میں بیٹھ کر انٹرویو کے لئے پہنچے تو ریسپشن سے لوٹ آئے کہ مینجنگ ڈائرکٹر نے خود استقبال کرنے کے بجائے اپنے پی اے کو کیوں بھیجا۔ اب آپ ہی بتایئے ایسا آدمی عظیم نہ بنے تو کیا ٹاٹا یا برلا بنے؟"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔ "میں اس کو لکھوں گا کہ نئی نسل تمہارے شعروں کے بجائے تمہاری ناکامی کے اسباب سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔"

"آپ دہلی جا کر اس کے مزار پر شراب پاشی کیجئے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اور گلاس لبریز کر کے منہ سے لگا لیا۔ تھوڑی دیر بعد میجر برنی آ گئے۔ اور ہم گیارہ بجے تک کھاتے پیتے رہے۔ ساڑھے گیارہ بجے میں برنی صاحب کو بنگلے پہنچا کر گھر لوٹا۔

دوسرے روز میں نے اسلحہ خانے سے ونچنر الیون شاٹ "میلیسویک سائٹ" پچاس کارتوس اور مودی صاحب سے کھانے پینے کا سامان لے کر پیک کرایا۔ ساڑھے تین بجے ہزہائی نس نے مجھے پھر ڈرائنگ روم میں طلب کیا۔ اس وقت صرف مہارانی ان کے ساتھ تھیں۔ سلام کرتے ہی انہوں نے پوچھا۔ "کب روانہ ہو رہے ہو نعیم؟"

میں نے جواب دیا۔ "کل صبح یور ہائی نس۔"

بولے۔ "کیا واقعی بالکل اکیلے جانا چاہتے ہو؟"

"میں نے ایک دوست کو بلایا ہے۔ اگر وہ شام کی گاڑی سے پہنچ گیا تو اس کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

مہارانی نے پوچھا۔ "کون ہے وہ؟"

"ایک پیشہ ور شکاری ہے یور ہائی نس۔" میں نے کہا۔

بولیں۔ "اگر وہ نہ آ سکا تو؟"

"ضرور آئے گا یور ہائی نس۔ اور اگر نہ آ سکا تو پھر آپ کا خادم پیشہ ور شکاری بننے کی کوشش کرے گا۔"

وہ ہنس دیں اور مہاراجہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔ "شاید یہ کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔" مہاراجہ نے کہا۔ "شاید"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یور ہائی نس میں خدا پر اور اپنے مہاراجہ پر بھروسا کرتا ہوں۔ یہ دونوں میری محافظ طاقتیں ہیں۔ اور میرے لئے کافی ہیں۔"

مہارانی نے کہا۔ "پھر بھی ایک آدمی تو ضرور ساتھ ہونا چاہئے جو اس علاقے سے واقف ہو۔"

"وہ بہت مل جائیں گے۔ یور ہائی نس۔"

مہاراجہ نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ لیکن تم ہر دوسرے دن پروگریس رپورٹ ضرور بھیجتے رہنا۔"

میں سر جھکا کر کہا۔ "بہتر ہے یور ہائی نس۔"

اسی وقت ساتری نے اندر آ کر سادھنا کماری کی آمد کی اطلاع دی۔ مہارانی نے کہا۔ "لے آؤ انہیں۔"

ساوتری الٹے قدموں واپس ہو گئی اور سادھنا دیوی کو لے آئی۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے مہاراجہ کو مہاراجہ سلام کر کے مہارانی کے قریب بیٹھتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولیں۔ "تم ابھی گئے نہیں؟"

میں نے جواب دیا۔ "صبح جا رہا ہوں یور ایکسی لنسی۔"

بولیں۔ "اگر فرصت ہو تو ہمیں چغتائی صاحب کے ہاں پہنچا دو۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "جو حکم یور ایکسی لنسی۔" مہارانی نے کہا۔ "کس وقت جا رہی ہو سادھنا؟"

بولیں۔ "جس وقت آپ ٹائیگر کو فارغ کر سکیں۔"

انہوں نے ہنس کر کہا۔ "اسپیئر ہے۔ لے جاؤ۔

ہز ہائی نس نے کہا۔ "جاؤ ٹائیگر یونیفارم پہن کر گاڑی نکلوالو اور انہیں لے جاؤ۔ تمہیں ٹرین پر کس وقت جانا ہے۔"

میں نے جھک کر کہا۔ "ساڑھے سات بجے یور ہائی نس۔"

سادھنا نے کہا۔ "تم ہمیں چھوڑ کے اسٹیشن چلے جانا اور ساڑھے آٹھ بجے پھر پہنچ جانا۔"

"اوہ" مہارانی نے کہا۔ "کھانا وہیں کھاؤ گی کیا؟"

"جی۔" سادھنا نے کہا۔ "آج ان کے نواسے کی بسم اللہ ہے۔"

مہارانی نے کہا۔ "ہمیں معلوم ہے۔ پتریکا آئی ہوئی ہے۔" ہماری طرف سے سوا سو روپے بچے کو دے آنا۔ یشودھرا نہیں جا رہیں کیا؟"

"جا رہی ہیں یور ہائی نس۔" سادھنا نے پرس سے یشودھرا کی پیکارڈ کی چابی نکال کر میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ میں نے چابی لے کر مہاراجہ کو سلام کیا اور باہر نکل آیا۔

پانچ بجے میں یونیفارم پہن کر راج محل پہنچا تو پیکارڈ پورچ میں کھڑی ہوئی تھی اور سادھنا اور یشودھرا پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ گیٹ کا پہریدار پورچ میں ٹہل رہا تھا۔ میں نے اگلا دروازہ کھول کر سادھنا کو سلام کیا۔ اور وہیل سنبھال لیا میرے گیٹ سے نکلتے ہی یشودھرا اگلی سیٹ پر آ گئی اور بولی۔ "ڈیڈی کہتی ہیں کل تم شکار پر جا رہے ہو نعیم۔"

میں نے کہا۔ "جا رہا ہوں یشو۔"

"لیکن اکیلے کیوں؟"

"اس لئے کہ پیچھے سے گولی کھا کر مرنے میں کوئی رومانس نہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو یشو۔" سادھنا نے کہا۔ "لیکن ایسا کیوں ہے نعیم؟"

میں نے گردن گھما کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی پوچھنے کی ضرورت ہے کیا دیدی؟"

"ہاں ناستک کے بعد کوئی اور پیدا ہو گیا ہے کیا؟"

"بہت سے اور میں ان کی عزت کرتا ہوں۔ اور سامنے آ گئے تو اور بھی زیادہ عزت کروں گا۔"

یشودھرا نے پیچھے گھوم کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ کب تک چلتا رہے گا دیدی؟"

"کیا کہہ سکتی ہوں۔"

یشودھرا پلٹ کر میری طرف مخاطب ہوئی۔ "تم کار لے کر کہیں اور نکل جاؤ نعیم ..... دور ..... سورت، بڑودہ، بمبئی، کہیں بھی اور آٹھ دس روز بعد واپس آ کر کہہ دو۔ کوئی نیر نہیں ملا۔ یہ سن کر میں بے ساختہ ہنس دیا۔"

سادھنا نے کہا۔ "ٹھیک تو ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کرو کہ ایک بار وہاں کے لوگوں کو اپنی جھلک دکھا دو۔ کار وہیں چھوڑ دو۔ جنگل میں کہیں مچان بندھواؤ اور چلتے بنو۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں سادھنا دیوی۔"

"بالکل ایسا ہی کرو نعیم۔ تمہیں میری جان کی قسم۔" یشودھرا نے کہا۔

"قسم نہ دلاؤ یشو۔ میں بھی اسی انداز میں سوچ رہا ہوں۔ اس نے مسکرا کر میری گود میں سر رکھ دیا۔ اور سیٹ پر پھیل گئی۔ میں نے بایاں ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ گاڑی کے بی کی حویلی کے دروازے پر رکی۔ اور سادھنا تیزی سے باہر نکل کر گاڑی کا دروازہ بند کرتی ہوئی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے باغ کی طرف روانہ ہو گیا۔ پل پر سے کار گزرنے لگی تو یشودھرا چونک کر اٹھ بیٹھی۔ اور اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ رکھ کر باغ کے دروازے کی طرف موڑنے لگی۔ میں نے ہنس کر کہا۔ "نہیں یہاں بہت ہجوم ہے۔ ڈیلائٹ کارنر چلتے ہیں۔" اس نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا۔ میں نے دوسری طرف منہ پھرا کر امین پور روڈ کی طرف ٹرن لیا۔ کیمپ کی باؤنڈری ختم ہوتے ہی وہ میری آغوش میں تھی۔ ڈیلائٹ کارنر کے قریب پہنچ کر سڑک چھوڑنے سے پہلے میں نے پیچھے کی طرف دیکھا دو تین سو گز کے فاصلے پر ایک کار تیزی سے اسی طرف آ رہی تھی اور ہمارا درمیانی فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے گاڑی سڑک کے درمیانی حصے میں لی اور ایکسی لریٹر پر دباؤ بڑھانا شروع کیا۔ کار فراٹے بھرنے لگی۔ مجھے بار بار پیچھے دیکھتا پا کر یشودھرا نے میرے کندھے سے سر ہٹا کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ اور بولی "یہ تو روپا دیوی کی کار معلوم ہوتی ہے نعیم۔"

میں نے کہا۔ ”کوئی بھی ہو۔ پٹرول کتنا ہے؟“

”فل۔“ اس نے جواب دیا۔

”اس رات جیسا فل تو نہیں؟“ وہ مسکرا دی۔ میں نے اسپیڈ اور بڑھائی۔ اور بڑھائی حتیٰ کہ اسپیڈومیٹر کی سوئی پچپن اور ساٹھ کے درمیان تیرنے لگی۔ یشودھرا نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ کار بہت پیچھے رہ گئی۔ اب تو نظر بھی نہیں آتی۔“ میں نے کہا۔ ”تھینک گاڈ۔“

تھوڑی دیر میں چڑھائی آ گئی اور رفتار خود بخود کم ہونے لگی۔ ندی کے کنارے چٹانی سلسلے میں ریسٹ ہاؤس کے قریب پہنچ کر میں نے اسپیڈ کم کر کے پیچھے نظر ڈالی۔ کار کا کہیں پتا نہ تھا۔ ریسٹ ہاؤس کے عقب میں ایک میل کے فاصلے پر انٹرسیکشن کے سنگ میل پر بلرام پورا ایک میل' ولاس پور 32 میل دیکھ کر میں نے اس طرف ٹرن لیا اور رفتار بڑھانے لگا۔ سات بجے ہم پھر کے بی کی حویلی کے دروازے پر تھے۔ یشودھرا اتر کے اندر چلی گئی میں نے دروازہ بند کیا اور اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ پل عبور کر کے گھنٹہ گھر کی طرف ٹرن لیتے وقت میری نظر نیشنل گارڈن کے دروازے سے نکلتی ہوئی اسٹوڈی بیکر پر پڑی۔ روپا نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ پیکارڈ کے اندر کوئی چیز نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔ اس لئے میں نے اس کو نظرانداز کر دیا اور اسٹیشن پہنچ کر پارکنگ لاٹ میں گاڑی روکی۔ انجن بند کر کے دروازہ کھول رہا تھا کہ ہلکا سا جھٹکا لگا اور پیکارڈ دو فٹ آگے بڑھ گئی۔ مجھے معلوم تھا یہ کون ہو سکتا ہے؟ دیکھنا صرف یہ تھا کہ جھٹکے سے مڈگارڈ وغیرہ کو نقصان نہ پہنچا ہو۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل کر پچھلی کار پر نظر ڈالی۔ روپا ویل پر بیٹھی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ غصے کا اظہار کرنے کے بجائے میں نے جھک کر سلام کیا۔ بولی گاڑی میں کون ہے؟“

”بھگوان۔“ میں نے کہا اور آگے بڑھ کر گاڑی کا پچھلا حصہ دیکھنے لگا۔

”تمہیں ایکسپلین کرنا ہے نعیم۔“ اس نے گاڑی بیک کرتے ہوئے کہا۔ ”میں آج پھر آ رہی ہوں۔“

”شاید میں گھر پر نہ ہوں۔ میرا ایک دوست آ رہا ہے۔“ میں نے مڈگارڈ پر رومال پھراتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک دم بریک لگایا۔ میں رومال جیب میں رکھ کر سیدھا ہو گیا۔ بولی سنو نعیم۔ مجھے بہت باتیں کرنی ہیں۔ ”تمہیں خدا کی قسم ہے گھر پر ملنا۔“

میں نے ”بہتر ہے“ کہہ کر فوجی سلام کیا اور پلیٹ فارم کی طرف چل دیا۔

اقبال سنگھ اس ٹرین سے نہیں پہنچا تھا۔ تمام مسافروں کے گزر جانے کے بعد میں مایوس ہو کر اسٹیشن سے باہر نکلا اور کار لے کر کے بی چغتائی کی حویلی پہنچ گیا۔ سادھنا کماری کو ایک نوکر کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی۔ چند منٹ بعد وہ یشودھرا کو ساتھ لئے

ہوئے باہر آئیں۔ اور میں ان کو لے کر راج محل کی طرف چل دیا۔ مین روڈ پر آتے ہی سادھنا نے میرے دوست کے متعلق سوال کیا اور جب میں نے انہیں جتایا کہ وہ نہیں پہنچا تو بولیں۔ "اچھا ہی ہوا۔ اب تو تمہیں ہماری تجویز پر عمل کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہونا چاہئے۔

میں نے ہنس کر کہا "ایسا ہی ہو گا۔"

یشودھرا نے کہا۔ "تمہارے وعدے پر ہمیں یقین ہے نعیم۔"

"شاید ہزہائی نس میرے دوست کے متعلق آپ سے دریافت کریں سادھنا دیوی۔"

"ضرور پوچھیں گے۔ میں انہیں بتا دوں گی' نہیں پہنچا۔"

"شکریہ۔"

دونوں راجکماریوں کو راج محل کی چوتھی منزل پر چھوڑ کر میں بنگلے پہنچا۔ کھانا کھانے کے بعد داسو کو پھر روپے دے کر اسکاچ کا کیس خریدنے کے بہانے شہر کی طرف بھیج دیا اور کپڑے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔ اور سگریٹ پیتے پیتے سو گیا۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو سوا دس بجے تھے۔ اس وقت روپا نہیں آ سکتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا یہ کون ہو سکتا ہے۔ اس وقت پھر کنڈی ہلائی گئی۔ میں اٹھ کر حاضری کے دروازے پر آیا۔ باہر کوئی سیاہ پوش عورت سمٹی سمٹائی کھڑی تھی۔ اور جالی میں سے اندر جھانک رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہی کہا۔ "داسو دیو ہے؟" میں نے اس کو اندر آنے کا اشارہ کیا تو بولی۔ "میں اندر نہیں آ سکتی۔ اس کو یہاں بھیج دو۔" میں اس کے لہجے سے ایک ثانیہ میں معاملے کی تہہ کو پہنچ گیا۔ دروازے سے ہٹ کر کہا۔ "وہ اس کمرے میں سو رہا ہے۔ خود جا کر جگا لو۔" وہ پس و پیش میں پڑ گئی۔ میں اس کو چھوڑ کر بیڈ روم کی طرف چلنے لگا۔ وہ میری لاپروائی کے انداز سے دھوکا کھا گئی۔ اندر آ کر کواڑ بند کئے اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر حاضری کے دروازے کی کنڈی چڑھائی اور ڈرائنگ روم میں پہنچ کر لائٹ آن کی۔ روشنی ہوتے ہی اس نے شال میں چہرہ چھپانا چاہا۔ لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ "ایشر سنگھ نے بھیجا ہے تمہیں؟" ایشر سنگھ کا نام سنتے ہی وہ کانپ گئی۔ کچھ بولنا چاہا لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔ میں نے ہنس کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ گداز جسم کی گول چہرے والی نوجوان عورت تھی۔ میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔ وہ مجھے اس طرح دیکھتے پا کر شرما گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ "کیا داسو سے روپیہ واپس لینے آئی ہو؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش کھڑی رحم طلب نظروں سے دیکھتی رہی۔

"تمہارا نام؟" میں نے اکتا کر پوچھا۔ مری ہوئی سی آواز میں بولی۔ "شکنتلا۔"
میں نے ہنس کر کہا۔ "میرا نام ڈشینت ہے۔ شکنتلا ہو تو جانتی ہو گی میں تمہارا کیا ہوں؟"

بولی۔ "مجھے تو نعیم بتایا گیا تھا۔" اس نے جھینپ کر کہا۔

"اسی لئے تم نے ایسا کیا۔ ورنہ کوئی عورت اپنے دھرم پتی کو زہر دینے پر تیار نہیں ہو سکتی۔"

"مجھے معاف کر دو نعیم۔" وہ میرے پیر چھونے کے لئے جھکتے ہوئے بولی۔ میں نے اس کے بازو تھام کر اٹھا لیا۔ اس نے نگاہیں جھکائیں۔

"کر دیا۔ آؤ اپنا زہر واپس لے جاؤ۔ میں نے اس کو چھوڑتے ہوئے کہا اور بیڈ روم کی طرف چلنے لگا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی جافری سے گزر کر بیڈ روم میں آ گئی۔ میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ جافری میں آتے ہی وہ دروازہ کھول کر بھاگنے کی کوشش کرے گی۔ کمرے میں آتے ہی میں نے الماری کھول کر سوٹ کیس سے واسو کی دی ہوئی شیشی نکالی اور اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ دوبارہ ایسی کوئی سازش نہیں کرو گی۔"

اس نے غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور نگاہیں جھکا کر کہا۔ "کبھی نہیں کروں گی کبھی نہ کرتی اگر پہلے کبھی تمہیں دیکھا ہوتا۔ سچ نعیم۔"

"اس سے کیا فرق پڑ جاتا؟" میں نے کہا۔

"پڑ جاتا ...... دیکھنے کے بعد تو ...... کیا تم یقین کر سکتے ہو۔ تمہیں پوجنے کو جی چاہتا ہے۔"

"تمہیں امتحان دینا پڑے گا۔"

"جس طرح چاہو۔ میں آج سے تمہاری شکنتلا ہوں نعیم۔" اس نے بڑھ کر میرے کندھے پر سر ٹکا دیا۔ میں نے اس کا منہ چوم لیا۔ اس کے ہاتھ میری کمر کے گرد حمائل ہو گئے۔ میں اس کی دھڑکنوں میں گم ہو کر رہ گیا۔ یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا کہ ایسی عورت قاتل کا کردار انجام دے سکتی ہے۔ وہ دیر تک بوس و کنار کی لذت سے سرشار ہوتی رہی۔ آخر جب اس کی سانسیں سسکیوں میں تبدیل ہونے لگیں تو میں نے آہستہ سے اس کو علیحدہ کر دیا۔ وہ ایک نشے کی سی کیفیت میں لڑکھڑائی اور میرا ہاتھ تھام کر صوفے پر گرتی ہوئی بولی۔ "نعیم ناراض ہو گئے؟"

میں نے کہا۔ "نہیں۔ یہاں تک پہنچ کر کوئی ناراض نہیں ہوا کرتا۔" صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔ "پھر؟"

میں نے شیشی کی طرف اشرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسے اس پر استعمال کر ڈالو جس

نے بھیجی تھی یہی تمہارا امتحان ہے۔"
"منظور ہے میری جان کے مالک۔" اس نے میرا ہاتھ کھینچ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن پہلے یہ تو ثابت کرو تم میرے ہو۔"
میں نے ہنس کر کہا۔ "کیا تمہیں چھوڑ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔"
"ہوتا ہے۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "لیکن تم مجھے اپنی بنانے سے کیوں گریز کر رہے ہو۔ ممکن ہے پکڑی جاؤں اور .... میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "شکنتلا ایسا ہو تو تم خطرہ محسوس کرتے ہی میرے پاس چلی آنا ...... میں تمہیں ایک ایسی ہستی کے پاس بھیج دوں گا جہاں کوئی تمہاری طرف آنکھ نہیں اٹھا سکے گا۔" وہ مسکرا دی اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ میں نے ہنس کر کہا۔ نام لینے کی ضرورت نہیں پڑتا .... تم جانتی ہو۔ اس نے شیشی بلاؤز کے نیچے غائب کر دی اور صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے اس کی کمر تھپک کر کہا۔ " شکنتلا کامیاب ہو کر آ جاؤ۔ چار ہزار روپے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"
"وہ آنکھیں سکیڑتی ہوئی بولی۔" اور تم؟
میں نے ہنس کر کہا۔ "میں تو تمہارے گلے کی مالا ہوں۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر منہ میرے سامنے کر دیا۔ ایک طویل بوسہ دے کر میں نے اسے دروازے پر پہنچا دیا۔ اپنے اس ضبط پر مجھے خود بھی حیرت ہوئی۔
میں نے الماری سے بوتل نکال کر گلاس میں دو تین پیگ وسکی انڈیلی۔ لیمونیڈ سے گلاس لبریز کیا اور مسہری پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ پینے لگا۔ چند منٹ پہلے گزرے ہوئے واقعات پر غور کرتے کرتے رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو گیارہ بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ اب روپا کسی بھی لمحے آ سکتی تھی۔ میں اٹھ کر صحن میں آیا اور پچھلے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ سگریٹ سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دروازے میں آکر اس کا استقبال کیا۔ وہ مسکرا کر اندر آ گئی۔ اور بولٹ چڑھا دیا۔ "آپ بہت خطرناک کھیل کھیل رہی ہیں یور ایکسی لینسی۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ کھڑکی بند کی اور مسہری پر بیٹھ گئی۔ "تم صبح شکار پر جا رہے ہو اس لئے۔"
میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔
بولی۔ "اکیلے کیوں۔"
میں نے کہا۔ "یوں ہی۔"
بولی۔ "مجھے خطرہ ہے کہ تمہارے اوپر حملہ کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی ہے نعیم۔"
"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن ہزہائی نس کا حکم ہے انکار تو نہیں کر سکتا۔"

"تم اپنے کسی دوست کو ساتھ لے جاؤ۔"

"کوئی نہیں ہے۔ ایک ہے وہ پہنچ نہ سکا۔ خیر یہ بتاؤ شکنتلا کو جانتی ہو؟"

وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگی' میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا' اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا ہوا روپ؟ جواب کیوں نہیں دے رہیں تم؟" بولی۔ وہ ایشر سنگھ کی داشتہ ہے۔ "تم کو کس نے نام بتایا۔"

اب میری حیرت کی باری تھی۔ جواب دینے کے بجائے میں سوچ رہا تھا کہ وہ بے وقوف بنا گئی۔ اور افسوس یہ تھا کہ سوکھی نکل گئی۔ لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ دھوکا نہیں دے سکتی۔ مجھے خاموش دیکھ کر روپا نے کہا۔ "چپ کیوں ہو نعیم؟"

میں ہنس دیا۔ "کیا بتاؤں روپ' بہت طویل قصہ ہے۔ مختصراً" یہ کہ اگر اس پر کوئی آفت آ جائے تو تم اس کی حفاظت کرنا۔ وہ ہمارے لئے کام کر رہی ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"عجیب سوال ہے روپ۔ فرض کرو وہ میری داشتہ بننا چاہتی ہے۔"

"وہ ہنس دی۔" بنالو ...... لیکن میں تمہاری داشتہ کی کس لئے حفاظت کروں۔

"میں ہنس دیا۔ وہ کٹ کر رہ گئی۔ میں نے کہا۔ "تو تم نے واقعی فرض کر لیا؟"

"نہیں --- لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"پھر جانے دو۔"

"اچھا ناراض نہ ہو میری جان۔ میں اس کو ہر طرح بچانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہیں دھوکا نہیں دے رہی۔"

"اگر ایسا ارادہ ہوتا تو وہ کبھی نہ کہتی کہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔"

"روپا چونک گئی۔" تو کیا اس نے میرا نام لیا۔

"نام لینے کی نوبت نہیں آئی۔"

"خیر مجھے یقین نہیں وہ ایشر کے خلاف ...... تم نے شراب پی رکھی ہے نعیم؟"

"میں ہنس دیا۔" کیوں؟ "کیا تم نہیں پیتیں؟"

"ہمارے ہاں کنواری اور ودھوا راجکماریاں نہیں پیتیں۔"

"تو تم کنواری ہو یا ودھوا روپ؟"

وہ ہنس دی۔ "میں سمجھ گئی لیکن پیوں گی نہیں۔"

"نہ پیو۔ لیکن مجھ پر اعتراض کیوں کیا؟"

"میرا خیال تھا تم نہیں پیتے۔ خیر پیو۔"

"پلاؤ۔ اپنے ہاتھ سے۔"

"پلاؤں گی ایک سوال کا سچا جواب دو قسم کھا کر۔"

"سوال ذاتی نوعیت کا ہے؟"
"کیا میں تم سے ذاتی نوعیت کا سوال نہیں کر سکتی؟"
"کیجئے ویسے میں سمجھ چکا ہوں اور .... میں ہنس دیا۔"
"رکے کیوں ہو؟"
"میں نے امین پور روڈ پر تمہیں اپنا پیچھا کرتے دیکھ کر قصداً" اسپیڈ بڑھائی تھی۔"
"کیوں ــــ کیا گاڑی میں کوئی تھا؟"
"ہاں۔" میں نے بے جھجک کر کہا۔ وہ میری بے ساختگی پر حیران رہ گئی۔
"کوئی پردہ نشین؟"
"نہیں ایک دوست جس پر میں مر کے بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ تم سے مجھے کوئی ربط یا تعلق ہے۔"
"یشودھرا کہاں تھی؟"
"کے بی کے ہاں' سادھنا کے ساتھ۔"
"پھر تم واپس کس راستے سے آئے؟"
"بلرام پور ہو کر۔ مجھے یقین تھا کہ تم کہیں نہ کہیں رک کر میرا راستہ روکو گی۔"
وہ ہنس دی۔ "میں نے غلط جگہ پر تمہارا انتظار کیا۔ اگر کے بی کی حویلی پر کیا ہوتا تو ـــــ"
"تو کیا ہوتا؟" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"تم اتنا سچا بیان نہ دے سکتے۔"
"پھر اب سزا کس کو ملنی چاہیے۔ جھوٹ بولنے والے کو یا غلط جگہ انتظار کرنے والی کو؟" میں نے الماری میں سے بوتل اور گلاس نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ وہ میز سے بوتل اٹھاتی ہوئی بولی۔ "ہم خود ایک دوسرے کے لئے سزا ہیں ڈیئر۔ الجھنے سے کیا فائدہ۔ بیٹھ جاؤ میں تمہیں پلاتی ہوں۔"
میں پھر بیٹھ گیا۔ "پلاؤ۔" اس نے گلاس میں انڈیلی اور اٹھا کر میرے ہاتھ میں دیا۔ میں نے دوسرے گلاس میں انڈیل کر اس کو تھما دیا۔ "تمہاری آنکھوں کے نام روپ۔" اس نے ہنس کر مجھے دیکھا۔ میں نے گلاس خالی کر کے رکھتے ہوئے کہا۔ "اب سزا کے لئے تیار ہیں ہم۔" وہ میری گردن میں جھول گئی۔ اور سینے پر سر رکھ کے بولی۔ "وعدہ کرو اس سزا میں شکنتلا کو شامل نہیں کرو گے۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ ""جو حکم۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کر دی۔
ساڑھے گیارہ بجے' جبکہ واسو نے مجھے جگا کر ناشتے کی ٹرے لا کر رکھی ہی تھی' کیپٹن اندر داخل ہوئے۔ میں نے انہیں سلام کر کے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مسکرا کر بولے۔ "معلوم

ہوتا ہے ابھی جاگے ہو۔" میں نے چائے بنا کر پیالی ان کے سامنے سرکاتے ہوئے کہا۔ "؛ رات کچھ طبیعت خراب تھی۔ دیر تک جاگتا رہا۔"

پیالی اٹھاتے ہوئے کہنے لگے۔ "ہمارے پاس کیوں نہیں آئے؟"

"واسو شہر گیا ہوا تھا سر۔"

"کیوں؟"

میں نے ہنس کر کہا: "آپ کے لئے ایک کیس اور منگائی ہے۔"

"بے کار منگائی۔ تمہارے واپس آنے تک میں راشن میں ملنے والی بھی نہیں پیوا گا۔ ویسے روانہ ہونے سے پہلے سلامی ضروری دے آنا۔"

"یقیناً" سر۔ تین بجے جاؤں گا۔ اس وقت چائے پر مہارانی بھی موجود ہوں گی۔"

"ہزہائی نس نے مجھ سے کہا کہ ایک آدمی تمہارے ساتھ کر دیا جائے۔ بولو کس کو لے جانا چاہتے ہو؟"

"کسی کو نہیں سر۔ اگر کوئی ایسا ہوتا جس پر مجھے مکمل اعتماد ہو تو آپ سے ضرور درخواست کرتا۔"

"بھاسکر کو لے جاؤ۔ وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور قابل اعتماد آدمی ہے۔"

"میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں اور قابل اعتماد بھی سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ جانتے ہیں سر، میری دوستی اعتماد سے کہیں زیادہ بڑی چیز طلب کرتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ اپنے جرم کی سزا میں کسی دوست کو شریک کروں۔ بھاسکر پہلے ہی میرے لئے زخم کھا چکا ہے۔"

"بنارس خان؟"

"نو سر۔ شکریہ۔"

کیپٹن اٹھ کھڑے ہوئے۔ سگریٹ سلگایا اور بولے۔ "یہ حکم ہے تم بھاسکر کو لے جا رہے ہو۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "میں تعمیل کروں گا۔ آپ تشریف رکھئے چائے تو ختم کیجئے۔"

وہ مسکرا کر پھر بیٹھ گئے اور سرگوشی کے لہجے میں بولے۔ "میں نے اس کو سمجھا دیا ہے کہ تمہارے ہر حکم کو میرا حکم سمجھے۔"

چائے پی کر کیپٹن چلے گئے۔ اور بارہ بجے کے قریب بھاسکر نے آ کر ڈاج کا مکمل چارج سنبھال لیا۔ ساڑھے تین بجے جب میں ہزہائی نس کو سلامی دے کر واپس آیا تو پوری کار سوٹ کیسوں، ہولڈالوں اور کھانے پینے کے سامان سے اس طرح بھری ہوئی تھی جیسے ہم شکار کے لئے جانے کے بجائے ورلڈ ٹور پر جا رہے تھے۔ بھاسکر نے مجھے دیکھتے ہی سلام کر کے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ میں نے ہنس کر اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور اگلا دروازہ کھول کر اس کو اندر دھکیلا اس نے وہیل سنبھالا اور میں نے اس کے برابر میں بیٹھ کر دروازہ بند

کیا۔ گاڑی چل دی۔ گیٹ سے گزرتے ہوئے پہریدار نے بندوق کے بٹ پر ہاتھ مار کر سلامی دی۔

ساڑھے چار بجے کے قریب ڈاج خوش منظر جنگلی اور پہاڑی سلسلے کے نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی دھاروہیڑہ میں داخل ہو گئی۔ چوپالوں ور دوکانوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اٹھ اٹھ کر سلام کرتے رہے چوک میں پہنچ کر ایک وسیع حویلی کے سامنے بھاسکر نے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا۔ لوگ جمع ہونے لگے۔ بھاسکر نے باہر نکل کر کہا۔ "ذیلدار کو بلاؤ۔" ایک شخص دوڑ کر ڈیوڑھی پر پہنچا اور ذیلدار کو آواز دی۔ اور دوسرے لمحے وہ دھوتی جھٹکتا ہوا باہر نکل آیا۔ کار دیکھتے ہی دونوں ہاتھوں سے سلام کر کے بولا۔ "پدھاریے سرکار۔" میں دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر آ گیا۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر بیٹھک میں پہنچا۔ یہاں مونڈھے اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دیوار کے ساتھ دو بڑی بڑی چارپائیوں پر بستر بچھے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے گاڑی سے تمام سامان اتروا کر بیٹھک میں منگوایا اور قرینے سے لگوا دیا۔ تھوڑی دیر بعد گاؤں کے سفید پوش آنے شروع ہوئے اور باتیں کرنے لگے۔ چائے کے دوران بھاسکر نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ حالانکہ یہ غیر ضروری ہی تھا۔ یہاں کے ماحول اور لوگوں کے اطمینان اور سکون سے ہی پتا چلتا تھا کہ یہاں شیر تو درکنار کسی بھیڑیے کا بھی خطرہ نہیں ہے۔ ذیلدار بڑا متواضع قسم کا آدمی تھا۔ اطمینان سے سنتا رہا کبھی کبھی مسکراتا بھی رہا۔ آخر بڑی متانت سے بولا۔ سارجنٹ صاحب شیر باگھ تو پہاڑی علاقوں میں آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ آپ کب آنے والے تھے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے زحمت فرمائی۔

میں بھاسکر کی طرف دیکھ کر ہنس دیا۔ وہ ذیلدار سے کہنے لگا۔ "سارجنٹ صاحب نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہاں کوئی شیر نہیں ہے۔"

ذیلدار نے میری طرف دیکھ کہا۔ "آپ کا یہ خیال بہت صحیح تھا صاحب۔ اس علاقے میں کوئی درندہ آ جاتا ہے تو میں واردات ہونے سے پہلے سرکار کو اطلاع دیتا ہوں۔ خیر اب آپ کو شری حضور نے بھیجا ہے تو کچھ روز دیہات کی کھلی آب و ہوا سے فائدہ اٹھائیے۔ دودھ دہی اور مرغی انڈے کھائیے۔ ہرن چیتل وغیرہ کا شکار کیجئے۔"

میں ہنس دیا۔ "شریمان!" میں نے کہا۔ "ہم آپ کے آمنتر ن کے آبھاری ہیں۔ پرنت جس کارن ہمیں یہاں بھیجا گیا ہے اگر اس کا کوئی ا سینوا نہ ہی ہو تو پھر ٹھہر کر کیا کریں۔"

ذیلدار مسکرا بولا۔ "سارجنٹ صاحب آپ نوجوان ہیں۔ تجربہ کار افسر تو ذرا ذرا سے کام میں ہفتے گزار دیتے ہیں۔"

"اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں شریمان۔" میں نے کہا۔ "لیکن ہم لوگ ہزہائی نس سے

دور ہوتے ہی بے چینی محسوس کرتے ہیں۔"

ذیلدار نے کہا۔ "آپ کی شردھا غلط تو نہیں۔ ہمارے مہاراجہ ہندو مسلمان دونوں کی آنکھ کا تارا ہیں اور آپ تو ان کے رنگ رکھشک ٹھہرے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب آپ سمجھ گئے۔ پھر بھی میں کل بھاسکر راؤ کو بھیج کر حکم حاصل کر لوں گا۔" اس خیال کو سب نے پسند کیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد ذیلدار نے مقامی پاتروں (گانے بجانے والیوں) کو بلایا اور ایک بجے تک ناچ رنگ کی محفل جمی رہی۔ اور جب رخصت ہوتے وقت میں نے گانے والیوں کو سو روپے انعام دیئے تو تمام سفید پوش حیران تھے کہ یہ سارجنٹ کوئی بگڑا ہوا نواب زادہ تو نہیں۔

صبح ناشتا کرنے کے بعد ہم دونوں بندوقیں لے کر جنگل میں نکل گئے۔ دوپہر تک میلوں بھٹکتے پھرے۔ ہر راہ گیر اور کسان سے شیر کے متعلق پوچھا لیکن ہر شخص نے یہی جواب دیا کہ اس جنگل میں ہرن، گیدڑ، لومڑی اور خرگوش وغیرہ کے سوا کوئی خطرناک جانور نہیں۔ میں ہر بار بھاسکر کے چہرے کی طرف دیکھ کر رہ جاتا۔ دوپہر کو قیام گاہ کی طرف لوٹتے ہوئے میں نے ایک چکارا گرا لیا۔ ذبح کرنے کے بعد خیال آیا کہ ہم گاؤں سے دو میل کے فاصلے پر ہیں۔ بیس سیر وزن رائفل پر لٹکا کر لے جانے کے خیال نے ساری خوشیوں میں تحلیل کر دی، آخر بھاسکر نے مشورہ دیا کہ "ہرن کے پیٹ کی آلائش نکال کر سڑک تک لے جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں گاؤں جا کر گاڑی لے آوٴں گا۔" مجھے یہ تجویز پسند آئی۔ سڑک تین فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ وہ مجھے سڑک کے قریب ایک درخت کے نیچے بٹھا کر کار لانے چلا گیا۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور ہرن کے متعلق سوچنے لگا۔ خالص ہندو دیہات میں جہاں شکار صاف کر کے والا ہی نہ ہو۔ وہاں اس کا لے جانا بھی مجھے کچھ مناسب معلوم نہ ہوا۔ آخر اس فیصلے پر پہنچا کہ بھاسکر گاڑی لے کر آئے تو اس کے ساتھ ہز ہائی نس کو بھجوا دیا جائے۔ اور تمام صورت حال بھی بیان کر دی جائے۔ بیٹھے بیٹھے اکتا کر ٹہلنے لگا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ بھوک لگنے لگی تو کوٹ کی جیب سے کاجو نکال نکال کے کھانے لگا۔ کاجو ختم ہو گئے اور مجھے پیاس لگنے لگی۔ درختوں کی آڑ سے نکل کر سڑک پر آیا اور پانی کی تلاش میں قیاس کی بنا پر گاؤں سے مخالف سمت میں چلنے لگا۔ جہاں ایک چشمے پر قریبی گاؤں کا پنگھٹ نظر آیا۔ میں بڑھ کر سیڑھیاں اترا اور ہاتھ منہ دھو کر پانی پیا۔ گھاٹ کے قریب پانی کافی گہرا دکھائی دے رہا تھا۔

بندوق پر پانی کا ہاتھ پھراتے پھراتے گردوپیش کے حسین منظر اور سنسان مقام دیکھ کر نہانے کو دل چاہنے لگا۔ اور میں ہرن اور بھاسکر کو بھلا کر کپڑے اتارنے لگا۔ کوٹ اور قمیص اتار کر سیڑھیوں پر رکھی۔ جوتے کھول کر موزے اتارے پتلون کھینچی۔ نیچے پاپلین کا انڈر ویئر پہنے ہوئے تھا۔ بنیان جھٹک کر دور پھینکا اور پانی میں غوطہ لگا دیا۔ تقریباً" دس

ت نیچے جانے کے بعد جس چیز کو ہاتھ لگا وہ ایک گاگر کا کنارہ تھا۔ میں نے اس پر گرفت مضبوط کر کے جھٹکا دیا۔ گاگر ہاتھ میں آ گئی۔ میں اس کو لئے ہوئے اوپر آیا اور پہلی سیڑھی رکھ دیا۔ یہ پیتل کی گاگر تھی جس میں پانی کے علاوہ پتھر کنکر اور مٹی بھی تھی۔ میں تھوڑی دیر تیرتا اور مسل مسل کر نہاتا رہا اور پھر غوطہ لگایا۔ اس مرتبہ تھوڑی کاوش اور ادھر ادھر تلاش کے بعد ایک "تین لٹیا ہاتھ لگی۔ میں موٹر کے ہارن کے انتظار میں تقریباً" نصف گھنٹے نہاتا اور غوطے لگا لگا کر کچھ نہ کچھ چیز ہر پہلی یا دوسری کوشش پر نکال نکال کر رتا رہا۔ حتیٰ کہ سیڑھیوں پر چار گاگر دو لوٹے اور تین لٹیاں جمع ہو گئیں۔ ہارن کی آواز نہ آنی تھی نہ آئی۔ آخر تنگ آ کر پانی سے نکلا اور سیڑھیوں پر بیٹھ کر ہوا سے جسم سکھانے گا۔ رسٹ واچ میں ساڑھے تین بج رہے تھے۔ "کہاں مر گیا یہ کمبخت بھاسکر۔" میں بڑبڑایا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی اور دور دور تک کسی آدمی کا نشان نہ تھا۔ میں نے گیلا انڈر ویئر اتارا۔ جلدی جلدی پتلون چڑھائی' قمیص پہنی اور انڈر ویئر کو نچوڑ کر جھٹکا دیا۔ کپڑے جوتے پہن کر بندوق اٹھائی اور سیڑھیاں چڑھ کر باہر نکلا۔ چند قدم چل کر سڑک پر پہنچ گیا اور گھومنے لگا تھا کہ ایک گوالا مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا ہوا ملا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "سڑک پر کوئی کار تو نظر نہیں آئی؟" اس نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں سرکار۔"

میں نے اس کو روک کر کہا۔ "سنو' میں نے پنگھٹ پر چھ سات برتن پانی سے نکال کر رکھے ہیں۔ شاید تمہاری گاؤں والیوں ہی کے ہیں۔ لے جاؤ اور جس جس کے ہوں اس کو دے دو۔"

بولا۔ "اتنے برتن اکیلا کس طرح لے جاؤں سرکار۔"

"تم جانو----" میں نے چلتے چلتے کہا۔

درختوں کے اس جھنڈ کے قریب پہنچا جہاں ہرن چھوڑ کے گیا تھا' تو میرے قدموں کی آہٹ سن کر تین چار گیدڑ ادھر ادھر بھاگ گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو ایک درجن سے اوپر گیدڑ ہرن سے لپٹے ہوئے ضیافت اڑا رہے تھے۔ میں نے دل میں کہا۔ چلو بوجھ ہلکا ہوا---- ایک دو اور بھاگ گئے لیکن جو زیادہ بھوکے تھے' تکا بوٹی کرتے رہے۔ میں پلٹ کر دھار وہیڑہ کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر میں گاؤں کے حدود میں پہنچ گیا۔ اس وقت ساڑھے چار بجے رہے تھے۔ بھوک سے آنتیں قل ہو اللہ کا ورد کر رہی تھیں۔ میں جلد از جلد کچھ کھانا چاہتا تھا۔ سڑک کے موڑ پر حد نظر تک میدان میں سرکنڈوں اور سرکیوں کا شہر آباد تھا جو دھاروہیڑہ کی بلندی شروع ہونے تک پھیلا ہوا تھا۔ سڑک کا چکر کاٹ کر جانے کے بجائے میں نے سوچے سمجھے بغیر کیوں کے درمیان شارٹ کٹ لیا۔ سرکیاں ایک دوسری سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھیں۔ چند قدم چلنے کے بعد سرکیوں سے دو تین بڑے بڑے کتے نکلے اور مجھے دیکھتے ہی بھونکتے ہوئے آگے بڑھنے لگے' میں ان کی

جسامت اور خطرناک دھانے دیکھ کر گھبرا گیا۔ معاً" میرا ہاتھ بندوق کی طرف بڑھا اور میں رک کر ایک کتے پر گولی چلانے والا تھا۔ کہ ایک عورت تیزی سے باہر نکلی اور چیخی۔ " جھبرو' کالو' موتی۔" کتے اس کی آواز سنتے ہی خاموش ہو کر دم ہلانے لگے۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بھگایا اور میری طرف پلٹ کر بولی۔ "دربار اس طرف کہاں آ گئے؟"

میں نے بندوق کا سلنگ کندھے میں ڈال لیا۔ اور کہا "ذیلدار کی حویلی جانا چاہتا ہوں۔"

وہ ہنس دی۔ "ارے" وہ غور سے میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "سرکار مجھے نہیں پہچانا؟ میرا نام تابو ہے۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ گو میں اس کو پہچان چکا تھا۔ وہ رات کو ناچنے کے لئے آنے والی پاتروں میں سے ایک تھی۔ اس نے جھک کر میرے گھٹنے چھونے چاہے۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ "ایسا نہ کرو" میں نے کہا۔ دونوں ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی۔ "دربار آ ہی گئے ہو تو ہماری کٹیا کے بھاگ جگاتے جاؤ۔"

کسی کے بھاگ سوتے چھوڑ دینا "دربار" کی روایات کے خلاف تھا۔ خصوصاً" کسی ایسی عورت کے' جو حسین بھی ہو اور جوان بھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا تم اکیلی رہتی ہو؟"

وہ چلتی ہوئی بولی۔ "آیئے بتاتی ہوں سرکار۔" میں اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ ایک سرکی میں پہنچ کر چارپائی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "بیٹھئے سرکار ...... میں آپ کو دکھاتی ہوں۔ یہاں کون کون ہے۔"

میں نے کہا "نہیں' میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

بولی۔ "مطلب نہ سہی دربار---- آپ بڑے لوگ ہیں۔ پر یہاں بھی اپسرائیں بستی میں چکرا گیا لیکن کچھ کہنے سے پہلے وہ باہر جا چکی تھی۔ میں نے رائفل کندھے سے علیحدہ کی اور چارپائی کے پائے پر ایک پاؤں رکھ کر جیب سے سگریٹ نکالنے لگا۔ بمشکل دو تین کش لگائے ہوں گے کہ وہ ایک سولہ سترہ سالہ لڑکی کو لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ لڑکی نے مسکرا کر سلام کیا۔ میں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی اور سلام کا جواب دینا تو درکنار سانس لینا بھول گیا۔ وہ ہنگامہ تھی۔ مجھے خاموش دیکھ کر تابو نے کہا۔ "اس کا نام گابو ہے دربار۔ یہ ابھی سیکھ رہی ہے۔"

"کیا؟" میری زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"یہی .... ناچنا گانا سرکار۔"

"اسے کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے کیا ...... یہ تو سکھا سکتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"گابو بھی ہنس دی۔" اگر اتنا جانتی تو رات کو میں بھی آتی اور تم سے سو روپے کا

نوٹ چھین لاتی۔ "اس نے کہا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک نوٹ کھینچا اور اس کے سر پر پھرا کر نیچے پھینک دیا۔ اس نے جھک کر میرے پیر چھونے چاہے۔ میں نے اس کے بازو تھام کر اٹھا لیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے سینے پر سر رکھ دیا۔ تابو نے جھک کر نوٹ اٹھا لیا۔ میں نے اس کی کمر تھپک کر پیچھے سرکتے ہوئے کہا۔ "اچھا گلابو اب میں چلتا ہوں۔"

اس نے مسکرا کر بھرپور نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں؟"

میں ہنس دیا۔ "اس کیوں کا کیا جواب دوں؟"

"جو تمہارا دل چاہتا ہو دربار---" اس نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

میں ہنس دیا۔ "دل تو تمہیں چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہتا لیکن" میں نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"لیکن کیا؟ پہلے اتنا بڑا مان دیا۔ اور اب کچھ کہے سنے بغیر جا رہے ہو **احسان** نہیں کیا میرا؟"

میں ہنس دیا۔ تابو نے کہا۔ "بولنا سیکھ گلابو۔ بڑے لوگوں سے اس طرح بات نہیں کرتے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ "ان سے اسی طرح بات کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں کیا کروں؟" اس نے کہا اور پھر میری طرف مخاطب ہوئی۔ "اپنا نام تو بتاؤ دربار۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "ضرور بتاؤں گا لیکن اس وقت جانے دو۔"

"پھر آؤ گے؟"

"آؤں گا--- یا تمہیں بلا لوں گا۔"

"میں نہیں۔ تم آؤ گے۔"

میں ہنس دیا۔ "اچھا میں آ جاؤں گا۔ لیکن یہ تمہارے جھبرو' کالو' موتی آنے دیں گے؟"

"ان کی پرا نہ کرو یہ بتاؤ کس وقت آؤ گے۔ کس طرف سے آؤ گے .... میں اور تابو تمہیں سڑک پر ملیں گے۔"

میں نے کہا۔ "اسی طرف سے!۔ تابو جدھر سے تم نے آتے دیکھا تھا۔"

"نام نہیں بتاؤ گے؟" گلابو نے کہا۔

"شیام" میں نے چلنے کے لئے رائفل کا سلنگ کندھے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ گلابو نے ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ "کیوں؟"

بولی۔ "نہ جاؤ۔"

میں ہنس دیا۔ "کھانا کھا کر آ جاؤں گا۔" اس نے گردن گھما کر تابو کی طرف دیکھا

اور مرہٹی سے بھی زیادہ الجھی ہوئی زبان میں کچھ کہا۔ جو میری سمجھ سے بالا تر تھا۔ لیکن تابو نے شدھ مرہٹی میں جو جواب دیا وہ یہ تھا "میری مجال نہیں۔ تم ہی کہہ لو۔"

وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔ "شیام میرے ہاتھ کا کھانا ناپسند کرو گے۔؟"

میں نے کہا۔ "میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا گلابو۔ پسند نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"تو پھر بیٹھ جاؤ۔" اس نے میرے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ "تابو دوڑ کر حلوائی کی دکان سے کچھ لے آئے گی۔" تابو تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں پلنگ پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی میرے برابر میں بیٹھ گئی۔ اور مسکرا کر بولی۔ "اب میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔"

"اب میں جاؤں گا بھی نہیں۔" میں نے رائفل اتار کے پلنگ پر رکھ دی۔ وہ ایک دم میری گود میں آ گئی۔

شام کو آٹھ بجے کے قریب تابو نے پوچھا۔ "ناچ دیکھنا چاہتے ہو دربار؟"

میں نے کہا۔ "میرے یہاں موجود ہونے کا ڈھنڈورا پٹوانا چاہتی ہو؟"

بولی۔ "نہیں۔ یہ تو ہمارے ہاں ہر رات کا مشغلہ ہے۔ آپ ...... وہ ہنس دی۔" خیر اب صبح تک یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ وہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ میں گلابو کے گلاب چننے میں محو ہو گیا۔

صبح پانچ بجے جب مندر میں گھنٹے بجنے لگے۔ میں کپڑے پہن کر باہر نکلا۔ گلابو مجھے آخری سرے تک چھوڑنے آئی اور بار بار پھر آنے کے وعدے کراتی رہی۔ راستے پر پہنچ کر رخصت ہوتے وقت اس نے بانہیں پھیلا دیں۔ میں نے اس کو سینے سے لپٹا کو چوم لیا۔ علیحدہ ہونے لگا تو وہ سسکیاں لے کر روتی ہوئی پھر لپٹ گئی۔ میں نے اس کو تسلی دی اور آنسو پونچھتے ہوئے کہا "یہ کیا گلابو؟ ..... میں تمہیں کار کی سیر کراؤں گا۔ راج محل دکھاؤں گا۔ اکثر تمہارے پاس آتا رہوں گا۔ رونے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ مسکرا دی اور پھر لپٹتی وہی بولی۔ "میں کیا کروں شیام۔ تمہیں جاتے دیکھ کر کلیجا پھٹتا ہے۔"

"یہ تو کمزوری ہے گلاب۔ ہر وقت تو کوئی کسی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ ہاں میں یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ جب تک یہاں ہوں۔ تمہارے پاس رہوں گا۔ جانے کے بعد بھی موقع ملنے پر آتا رہوں گا۔ تمہیں کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا' اور کہو؟"

وہ ہنس دی۔ اور "بڑی مہربانی شیام" کہہ کر لوٹ گئی۔ میں گاؤں میں داخل ہو کر

ذیلدار کی حویلی پہنچا تو احاطے میں ڈاج کا کہیں پتا نہ تھا اور بیٹھک کا دروازہ دھکیلا تو وہاں بھاسکر بھی نہیں تھا۔ مجھے کوئی تعجب نہ ہوا۔ کسی معقول وجہ کے بغیر بھاسکر مجھے جنگل میں تنہا چھوڑ سکتا تھا۔ نہ اس طرح کار لے کر فرار ہو سکتا تھا۔ میں نے کپڑے اتارے رائفل بستر کے ایک گوشے میں چھپائی اور تان کر سو گیا۔

آٹھ بجے ذیلدار نے مجھے جگایا۔ چائے پلاتے ہوئے کہنے لگا۔ "بھاسکر راؤ دوپہر کو کار لے کر گئے تھے۔ کیا ابھی تک نہیں لوٹے؟" میں نے کہا "شاید ولاس پور چلا گیا۔ آج شام تک کسی وقت ضرور آ جائے گا۔" وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے چائے ختم کر کے سگریٹ سلگایا تو کہنے لگا رات کو دس بجے ایک فوجی آدمی آپ کو پوچھتا ہوا آیا تھا۔ میں نہیں تھا۔ میرے کیمرے سے اس کی بات ہوئی۔ کیمرے نے اس کو بتایا آپ شیر کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں اگر وہ انتظار کرنا چاہے تو بیٹھک میں ٹھہر سکتا ہے۔ لیکن وہ چلا گیا۔ "میں نے کہا" ممکن ہے آج کسی وقت پھر آئے۔" ذیلدار نے نیچی آواز میں کہا۔" میں نے کہا " ممکن ہے آج کسی وقت پھر آئے۔" ذیلدار نے نیچی آواز میں کہا۔ "پہلے میرا بھی یہی خیال تھا سارجنٹ صاحب۔ لیکن صاحب مجھے چوکیدار نے بتایا کہ رات کو کئی مرتبہ اس کو یہاں دیکھا گیا۔ چوکیدار نے ایک بار اسے ٹوکا بھی۔ لیکن اس نے ڈانٹ دیا۔ چوکیدار نے اسے سرکاری افسر سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ سچ بتایئے آپ کی کسی سے دشمنی تو نہیں؟"

میں نے کہا۔ "شریمان دشمنی اور دوستی کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے۔ جس کو آپ دوست سمجھتے ہوں وہ دشمن بھی ہو سکتا ہے اور جس کو دشمن سمجھتے ہوں وہ کسی وقت دوست ثابت ہو سکتا ہے۔ بہرکیف اگر کوئی دشمن ہے تو آج رات کو میں اسے پکڑ لوں گا۔

"نہیں سارجنٹ صاحب آپ اکیلے ہیں۔ کوئی خطرہ مول نہ لیں۔ اگر وہ دشمن ہے تو اکیلا نہیں ہو سکتا۔"

"دیکھیں گے ممکن ہے شام تک بھاسکر آ جائے۔"

"اگر نہ آیا تو میں آج بیٹھک میں سوؤں گا۔ اور دیکھوں گا کون ہے۔ اگر وہ آج پھر آیا۔"

"میں آپ کی اس ہمدردی کا شکر گزار ہوں شریمان۔"

وہ ہنس دیا۔ "یہ میرا دھرم ہے سارجنٹ صاحب۔" اس نے کہا اور نوکر سے ناشتے کے برتن لے جانے کو کہتا ہوا حویلی میں چلا گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر سوچ میں ڈوب گیا۔ دن بھر کوئی نہ آیا۔ میں پڑا سوتا رہا۔ ساڑھے چار بجے چائے پینے کے بعد کپڑے پہنے۔ پتلون کی جیب میں پستول ڈالا۔ رائفل کندھے پر لٹکائی اور گاؤں سے باہر نکل گیا۔ ایک میل کے فاصلے پر چار پانچ سو فٹ بلند پہاڑی کی چوٹی پر ایک مندر بنا ہوا تھا۔ میں جس پگڈنڈی پر چل رہا تھا وہ درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی اسی طرف جا

رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر دیکھا۔ دور تک کوئی نہ تھا اس وقت سوا پانچ بج رہے تھے۔ پھولدار جھاڑیوں اور ہرے بھرے درختوں کے حسین منظر سے مسحور ہو کر میں غیر ارادی طور پر پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ نصف بلندی پر پہنچ کر مجھے یکایک خطرے کا احساس ہوا اور چلتے چلتے ایک دم رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کہیں کچھ نہ تھا لیکن مجھے یقین تھا۔ میں نے کوئی آہٹ سنی ہے۔ اوپر جانے کا ارادہ ترک کر کے میں پلٹا اور نیچے اترنے لگا۔ غنیمت تھا کہ پہاڑی سرسبز تھی اور بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی پر جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ سے ایک گز جگہ بھی غیر محفوظ نہ تھی۔ پہاڑی سے ہموار سطح پر آتے آتے میں نے ایک بار پھر آہٹ سنی اور پلٹ کر دیکھا ایک جھاڑی کی آڑ میں سے ایک آدمی نیچے آتا ہوا دکھائی دیا اور پھر دوسری جھاڑی کی آڑ ہو گیا۔ پھر دوسرا اور اس کے پیچھے تیسرا اسی چھدری جھاڑی کی آڑ میں سے گزرتا دکھائی دیا۔ میں نے چوکنا ہو کر پیچھے کی طرف دیکھا تو تیس چالیس قدم کے فاصلے پر درختوں کے عقب میں ایک دس بارہ فٹ لمبی' چار پانچ فٹ اونچی چٹان نظر آئی۔ میں جھپٹ کر اس کے پیچھے ہو گیا۔ اور رائفل کندھے سے اتار کر ہاتھ میں لے لی۔ تھوڑی دیر میں تین آدمی فوجی وردی میں ملبوس کندھوں پر رائفلیں لٹکائے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے پہاڑی سے اتر کے نیچے آئے۔ میں نے چٹان کے پیچھے سے سر نکال کر ان کے عقب میں نظر دوڑائی۔ پیچھے کوئی نہ تھا۔ یہ تینوں بیک نظر اجنبی معلوم ہوئے لیکن سب سے پیچھے والا غور سے دیکھنے پر کسی قدر جانا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ وہ چلتے چلتے دس بارہ قدم کے فاصلے پر کسی قدر جانا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ وہ چلتے چلتے دس بارہ قدم کے فاصلے پر ایک درخت کی ابھری ہوئی جڑوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ زبان مرہٹی تھی۔ اس لئے کوئی لفظ اگر سنائی بھی دیتا تھا تو میں اس سے کوئی جملہ مرتب کرنے سے قاصر تھا۔ تھوڑی دیر بعد شام ہو گئی اور جنگل میں اندھیرا ہونے لگا۔ باتیں کرتے کرتے ایک نے سگریٹ سلگانے کے لئے دیا سلائی جلائی اور اس کا چہرہ صاف دکھائی دیا۔ یہ ان دو آدمیوں میں سے ایک تھا جو میں نے کچھ عرصہ پہلے رسالدار میجر ہاشمی کے ساتھ کھڑے ہوئے دیکھے تھے۔ میں نے رائفل کا سیفٹی کیچ آہستہ سے پیچھے کھینچا۔ اور غور سے ان کی باتیں سننے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نے مرہٹی میں کہا۔ "رات کو بار بار گاؤں میں جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

دوسرے نے کچھ کہا لیکن میں صاف نہ سن سکا۔ پہلے نے کہا۔ "تمام رات کہاں رہا پھر؟"

اب میری سمجھ میں آیا۔ موضوع گفتگو میں ہی تھا۔ دوسرے نے کہا۔ "جہنم کی کھائی میں۔"

میں نے گاؤں کے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ اور یہ بھی کہ یہاں سے فائر کی آواز اس وقت گاؤں تک پہنچ سکتی ہے یا نہیں۔ اور پھر میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ وہ تینوں ایک

دوسرے سے تین تین چار چار فٹ کے فاصلے پر آمنے سامنے جڑوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ رائفلیں ٹانگوں سے لگی ہوئی تھیں۔ میں ایک چھلانگ لگا کر ان کے سامنے آ کر ہینڈز اپ کرا سکتا تھا۔ لیکن ہینڈز اپ کرانے کے بعد؟ جلوس، تحقیقات، اسکینڈل یہ سب میرے پروگرام میں نہیں تھا۔ مرجاؤ یا مار ڈالو۔ خاموشی کے ساتھ۔ ع

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کہ سوختہ جاں شد و لے آواز نیامد

میں یہاں تک پہنچا تھا کہ ایک نے کہا۔ "اسماعیل تو جا۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں۔" اسماعیل نے بندوق اٹھائی اور اٹھ کر چلنے لگا۔ کسی نے کہا۔ "ذیلدار پوچھے تو کہہ دینا شکار میں ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔" میں نے رائفل سیدھی کی اور ٹرائیگر دبا دیا گولی کی آواز سے جنگل گونج اٹھا اور اسماعیل چیخ کر پشت کے بل گر پڑا۔ دوسرا آدمی پورا اٹھنے نہ پایا تھا کہ میں نے دوسرا فائر کر دیا اور وہ درخت کی جڑ پر الٹ گیا۔ میں چٹان کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اور تیسرے نے دیکھتے ہی دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ میں نے قریب پہنچ کر نالی اس کے سینے پر ٹکا دی۔ "بول! تم مجھے مارنے آئے ہو؟" میں نے گرج کر کہا۔ وہ کانپنے لگا۔ میں اس کو دھکیلتا ہوا پیچھے لے گیا۔ "اب بتاؤ کس نے بھیجا تھا تمہیں؟"

وہ ہکلانے لگا۔ میں نے ڈانٹ کر کہا۔ "صرف نام .... اور کچھ نہیں۔"

"ایشر سنگھ جی۔" اس نے کہا۔ "جی کے ساتھ ہی گولی نے اس کو جنت کی طرف روانہ کر دیا۔" میں اس کو تڑپتے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر سوچ کر میں نے اس کی بندوق سے دو تین ہوائی فائر کیے اور آخری فائر گری پڑی ہوئی لاش پر کیا۔ دوسری رائفل اٹھائی اور ایک فائر کر کے دوسرا اس لاش پر کیا۔ تیسری بندوق سے ایک فائر پہلی لاش پر کیا اور بندوق اس کے قریب رکھ کر پسینہ پونچھتا ہوا آہستہ آہستہ گاؤں کی طرف واپس ہو گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد راستہ تبدیل کیا اور پاتروں کی سرکیوں کی طرف گھوم گیا۔ میں سوچتا جا رہا تھا کہ اگر یہاں گولیاں چلنے کی آواز سنی گئی ہو گی تو گلابو اس کا ذکر ضرور کرے گی اور اگر یہاں کوئی آواز نہیں سنی گئی تو گاؤں میں سنائی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ویسے گاؤں کے سرے پر لوگوں کا اجتماع یا غیر معمولی نقل و حرکت کا شائبہ نہ تھا۔ اور اگر رات گزر گئی تو صبح تک گیدڑ لومڑی اور بھیڑیے وغیرہ رائفلوں کے سوا سب کچھ صاف کر دیں گے۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور ٹہلتا ٹہلتا سرکیوں کے قریب پہنچ گیا۔ جھبرو، کالو اور موتی وغیرہ نے استقبالیہ دیا اور دوسرے لمحے گلابو دوڑتی ہوئی باہر آ گئی۔ کتوں کو ڈانٹ کر بھگایا اور دوڑ کر ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔ "میں تمہاری راہ تک رہی تھی شیام۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "اور میں کھنچا چلا آیا۔ تم کیا بلا ہو گلابو؟" وہ ہنس کر کھنچتی

ہوئی اسی کٹیا میں داخل ہو گئی اور چارپائی کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ”بیٹھ جاؤ بتاتی ہوں! میں بیٹھ گیا۔ وہ بھی بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا تابو کہاں ہے؟“

بولی ”گاؤں میں سودا سلف لانے گئی ہے۔“

”تم نہیں جاتیں کبھی۔“

”بہت کم ...... وہ بھی کسی کے ساتھ۔“

”کیوں؟“ میں نے سوال کیا۔ بولی۔ ”یوں ہی۔“

”ڈرتی ہو' کوئی اٹھا نہ لے جائے؟“

وہ ہنس دی .... بولی ”اٹھا تو کوئی نہیں سکتا شیام .... صرف پیچھا کرتے ہیں۔ اور یہ کم نہیں ہے۔ ہم ناچتے گاتے ہیں۔ اور اپنی مثال نہ دینا۔ ہر رامو اور دینو کو اپنا جسم پیش نہیں کر سکتے۔“

”میں تمہیں اٹھا لے جاؤں تو؟“

وہ ہنس دی۔ ”اٹھانے کی کیا ضرورت ہے میری جان۔ تم اشارہ کرو میں ویسے ہی چلی چلتی ہوں۔ لیکن کہو تو؟“

”اچھا میرے ساتھ گاؤں میں چلو۔ دیکھیں کون چھیڑتا ہے تمہیں اور اس کی گردن نہیں ٹوٹتی۔“

اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سا تبسم ابھرا اور غائب ہو گیا۔ ”آج لیکن کل؟ ...... اگر مجھے بچانا چاہتے ہو تو مستقل بچاؤ شیام ...... ورنہ خیر جانے دو ...... میں بھی کہاں یہ ذکر لے بیٹھی۔“ میں نے ہنس کر اٹھتے ہوئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جتنے نوٹ گرفت میں آئے نکال کر اس کو دے دیئے ...... وہ اٹھی اور میرا ہاتھ پکڑ کے بولی ”جا رہے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”ہاں لیکن کھانا کھانے کے بعد شاید پھر آؤں گا۔ یہاں سے جانے کے بعد بھی پھر آؤں گا اور یقین کرو اب کوئی تمہیں ستا نہیں سکے گا۔“ وہ سر جھکا کر میرے ساتھ چلنے لگی۔ میں نے کتوں کی مملکت سے نکلتے ہی اسے واپس کر دیا۔ اور چکر کاٹ کر گاؤں میں داخل ہو گیا۔ ذیلدار کی حویلی پہنچا تو سامنے میدان میں ڈاج کھڑی ہوئی تھی۔ بیٹھک کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازے پر پہنچتے ہی بھاسکر نے اٹھ کر سیلوٹ کیا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ ”کہاں غائب ہو گئے تھے؟“ بولا ”صاحب میں گاڑی لے کر آپ کے پاس جانے کو نکلا تھا۔ ہرن پڑا ہوا ملا۔ آپ کہیں نہیں تھے۔ میں نے دور دور آپ کو تلاش کیا آخر واپس ہو کر گاڑی کے پاس پہنچا تو وہاں ایک موٹر سائیکلسٹ کپتان صاحب کا پیغام لئے ہوئے کھڑا تھا جس میں مجھے فوراً پہنچنے کی تاکید تھی۔“

”ڈاج کہاں لے گئے؟“ میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تھا شام تک لوٹ آؤں گا۔" اس نے جواب دیا۔
میں ہنس دیا۔ "تم نے یہ نہیں سوچا میں کس طرح جاؤں گا؟"
"سر غلطی تو ہوئی۔ میں نے سوچا ڈاج کو اس طرح چھوڑتا ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟
"نہا رہا تھا اور اگر تم نے گھاٹ پر دیکھا ہوتا تو ...... خیر کپتان صاحب نے کس لئے بلایا تھا؟"
"سر.... ایشر سنگھ جی کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ ان کا انتم ...."
"کب؟" میں نے چونک کر کہا۔
پرسوں رات کو گیارہ بجے اٹیک ہوا اور چار بجے سورگباش ہو گئے۔"
"اوہ ...... بڑے اچھے آدمی تھے۔ میں نے منافقت کی ..... دل میں کہہ رہ تھا۔ کام کر گئی تھی ...... شاید ...."
مجھے خاموش دیکھ کر اس نے کہا۔ "ہزہائی نس نے کپتان صاحب سے فرمایا ہے۔ آپ کو بلا لیا جائے۔"
"تو پھر چلو ...... میں بھی یہاں گھبرا گیا ہوں۔ ذیلدار کو اطلاع دے دو ہم جا رہے ہیں۔" وہ باہر نکل گیا۔ میں نے سوٹ کیس میں سے وسکی کی بوتل نکالی اور منہ سے لگا کر تین چار گھونٹ لئے۔ بوتل سوٹ کیس میں ڈالی اور سگریٹ پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں بھاسکر اور ذیلدار اندر داخل ہوئے۔ میں نے ہنس کر کہا۔ "شرمان آپ کی زحمت کا بہت بہت شکریہ ..... ہم جا رہے ہیں۔"
وہ مسکرا کر بولا۔ "مجھے بھاسکر راؤ نے سب بتا دیا صاحب۔" کھانا تیار ہے۔ کھا کر جایئے۔
میں نے سر جھکا کر کہا۔ "جیسی مرضی آپ کی" وہ کرسی پر بیٹھ گیا مجھے اطمینان ہو گیا ..... یہاں .... فائرنگ کی آواز نہیں سنی گئی۔ چند منٹ میں کھانا آ گیا اور نو نہیں بجے تھے کہ ہم ڈاج میں بیٹھ کر دلاس پور کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ بھاسکر ڈرائیو کر رہا تھا اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ایشر سنگھ کی موت سے متعلق باتیں کرتا ہوا اپنی رائفل کی نالی صاف کرتا جا رہا تھا۔ شاید بھاسکر کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ اس کا افسر شکار کو نکلنے کے وقت سے اب تک تین آدمیوں کا شکار کر چکا ہے۔
بنگلے میں داخل ہوتے ہی واسو نے مسکرا کر کہا۔ "صاحب مبارک ہو۔"
میں نے پوچھا "کیا؟" بولا "اپنا دشمن گیا صاحب۔ اب تو آپ مجھ پر کبھی ناراض نہ ہوں گے۔"
"ہشت پاگل۔" میں نے اس کو ڈانٹا۔ "مرنے والوں کو اس طرح یاد نہیں کیا

کرتے۔۔۔۔۔۔ سامان اتار لیا گاڑی سے؟"

"سب چیزیں اتار لیں صاحب۔" وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ دس بجنے والے تھے۔ میں اٹھ کر کیپٹن کے بنگلے پر پہنچا تو پرب نے بتایا وہ میجر برنی کے بنگلے گئے ہوئے ہیں۔ میں نے فون پر ان کو اپنے آنے کی رپورٹ دی۔ دو تین سوال کرنے کے بعد آفیشل ڈم کی بلندیوں سے اترتے ہوئے پوچھا۔ "کھانا کھا چکے ہو؟"

"میں نے کہا کھا لیا سر۔"

"بولے چپنی ہو تو آ جاؤ۔"

میں نے کہا "سر برنی صاحب کا بنگلہ کون سے دیس میں ہے؟" تو بولے آرام کرو۔ صبح دس بجے تمہیں ڈیوٹی پر جانا ہو گا۔" میں نے "تھینک یو" سر کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور گھر چلا آیا۔ بستر پر لیٹتے ہی گلابو کی نم آلود آنکھیں ذہن میں کھٹکنے لگیں۔ اس کی تحقیر کا تصور مجھے بے چین کر رہا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ خیال بھی کہ میں چلتے وقت اس سے مل بھی نہ سکا تھا ممکن ہے وہ اس وقت بھی میرا انتظار کر رہی ہو۔ یہاں پہنچ کر خیالات نے دھارا بدلا اور مندر والی پہاڑی کے ہولناک واقعات نظروں میں گھومنے لگے اور مجھے اپنا انجام بھیانک نظر آنے لگا۔ ان ہی متضاد خیالات میں گھرا ہوا آخر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

دس بجے میں ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔ گیارہ بجے کے قریب ہزہائی نس نے یاد فرمایا میں نے اندر پہنچ کر سلام کیا۔ مہارانی نے مسکرا کر کہا۔ "شیر کہاں ہے نعیم؟"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یورہائی نس وہاں اگر کوئی شیر ہوتا تو اس وقت آپ کے چرنوں میں پڑا ہوتا۔"

ہزہائی نس نے کہا۔ "ہمارا شروع سے یہی خیال تھا۔"

میں نے درباری انداز اختیار کیا۔ "حضور کا خیال کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا یورہائی نس۔ شیودان سنگھ جی کو کسی نے غلط اطلاع دی شاید۔"

"تم شیو دان سنگھ سے واقف ہو؟"

"بہت کم یورہائی نس۔" میں نے کہا۔

مہارانی نے کہا۔ "گمبھیر آدمی نہیں ہے۔ شاید تمہارے ہاتھ سے شکار کرا کے خود کریڈٹ لینا چاہتا ہو۔"

"آپ بہت صحیح فرما رہی ہیں یورہائی نس۔ لیکن ہم سے اتنی خدمت لینے کا حق تو ہر پرنس کو ہے۔ ویسے ہی ہزہائی نس سے حکم کرا سکتے تھے۔"

"تم نے تنہا جانے کا کہہ کر اس کا پروگرام تلپٹ کر دیا۔"

"ہو سکتا ہے یورہائی نس۔"

"تم نے وہاں کوئی شکار نہیں کیا ٹائیگر۔" ہزہائی نس نے کہا۔

"ایک ہرن' یوربائی نس جسے گیدڑ کھا گئے۔"
"تم کہاں چلے گئے تھے۔"
"گھاٹ پر پانی پینے گیا تھا یوربائی نس' گہرا پانی دیکھ کر نہانے لگا۔ گاؤں والوں کے ساتھ آٹھ گاڑیں اور لوٹے نکال کر رکھے اور واپس آیا تو ہرن آدھا رہ گیا تھا۔"
ہربائی نس ہنس دیں۔ "چلو ہمارے باڈی گارڈ نے پرجا کو کچھ فائدہ تو پہنچایا۔"
مہاراجہ نے کہا۔ "ہمارے کسی آدمی سے کبھی پرجا کو نقصان نہیں پہنچے گا یوربائی نس۔ اچھا ٹائیگر۔" میں سلام کر کے باہر نکل آیا۔
سہ پہر کو تین بجے یشودھرا ڈرائنگ روم سے نکل کر کاریڈور میں آئی۔ میں نے کیبن سے نکل کر لفٹ کی طرف دیکھا اور جب وہ قریب آئی تو سلام کیا۔ "بولی خدا کا شکر ہے تم واپس آگئے نعیم۔"
میں نے کہا۔ "کیا کوئی خاص بات تھی یشو؟"
بولی "نہیں کچھ نہیں۔ شام کو مل سکتے ہو؟"
"سر آنکھوں پر۔" میں نے جواب دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی لفٹ میں داخل ہو گئی۔ " آٹھ بجے۔" اس نے اوپر جاتے جاتے کہا۔ "ڈیلائٹ کارنر۔" میں نے کہا اور واپس چلنے لگا۔ اسی وقت زینے سے اترتی ہوئی روپا پر نظر پڑی اور میں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ کاریڈور میں آتے ہی بولی۔ "خدا کا شکر ہے۔ واقعی روپ ....."
چلتی چلتی بولی۔ "میں آج رات کو آ رہی ہوں۔"
میں نے کہا۔ "سر آنکھوں پر۔" اور پھر دونوں جملوں کے دو مختلف شخصیتوں کے سامنے دوہرائے جانے کے اتفاق پر خود بخود ہنسی آ گئی۔ روپا گردن گھما کر دیکھتے ہوئے بولی۔
"کیوں ہنسے نعیم؟"
میں نے کہا۔ "روپ حالات کا علم نہیں ہے تمہیں؟"
"تم رات کو بتا سکتے ہو مجھے۔ اتنا جانتی ہوں ایک بڑا دشمن نابود ہو گیا۔"
"یہ کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے تمہاری اور میری نگرانی کی جا رہی ہو؟"
"کیوں؟"
"میں نے عرض کیا نا تمہیں علم نہیں ہے۔ میں کن مشکلوں میں گھرا ہوا ہوں۔"
"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں۔"
"آ جایئے پھر۔ خواہ کچھ بھی ہو۔"
وہ مسکرا کر چل دی۔ میں اس کی عقل پر ماتم کرتا ہوا کیبن میں چلا گیا۔ مجھے خوف تھا اس نے زینے سے اترتے ہوئے میری زبان سے ڈیلائٹ کارنر کا نام نہ سن لیا ہو۔
شام کو سات بجے کھانا کھاتے ہوئے میں نے واسو سے کہا اب وہ دو ہزار روپے شوق

سے ہضم کر سکتا ہے۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔ مسکرا کر بولا۔ "صاحب آپ ہی بتائیں کیا کروں؟" میں نے کہا۔ "آج ہی دس بیس روپے لے کر شہر جاؤ کھاؤ پیو' دوستوں کے ساتھ سینما دیکھو۔ زیادہ خرچ کرنا چاہو تو گانا سننے چلے جاؤ۔ روپیہ جھٹکنے کے طریقے تو ہر شخص جانتا ہے۔ اور اس طرح ملا ہوا روپیہ پھینکنے ہی کے لئے ہوتا ہے۔"

"تو پھر آج میں جا سکتا ہوں صاحب؟"

"ہاں' ہاں۔ یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔"

وہ ہنس کر پلیٹیں اٹھانے لگا۔ اور میں ہاتھ دھو کر کپڑے پہن رہا تھا کہ سلام کر کے روانہ ہو گیا۔

آٹھ بج چکے تھے۔ میں گارڈن اور کیمپ کی درمیانی سڑک پر ٹہل رہا تھا۔ پیکارڈ ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب اکتا کر باغ کے دروازے کی طرف چلنے لگا تھا کہ اسٹیشن کی طرف سے ایک کار تیزی سے دوڑتی ہوئی ایک دم ٹرن لے کر میرے اوپر آ گئی۔ ٹائروں کی رگڑ سے ماحول گونج اٹھا۔ میں نے بچنے کی آخری کوشش میں گاڑی کے مڈگارڈ پر ہاتھ رکھ کر چھلانگ لگائی اور سڑک کے کنارے پر جا گرا۔ گاڑی چند قدم پر پہنچ کر رک گئی۔ میں کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہو گیا۔ دائیں پاؤں پر زور پڑتے ہی لچک کر رہ گیا۔ لوگ بھاگ دوڑ دوڑ کر جمع ہونے لگے۔ ایک شخص نے لپک کر مجھے سہارا دیا میں نے جھک کر اپنے پیر پر نظر ڈالی ٹخنے سے اوپر پتے کی رگڑ سے کھال پھٹ گئی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ میں نے سیدھا ہو کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ شیو دان سنگھ گاڑی سے اتر کے باہر کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ پیر آہستہ آہستہ زمین پر ٹکنے لگا تھا۔ "شکریہ شیودان سنگھ جی۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

بولا "ارے یہ تم ہو ٹائیگر؟ ...... مجھے افسوس ہے۔"

"افسوس کی ضرورت نہیں ہے دربار۔" میں مجمع کی طرف دیکھ کر بکتے بکتے رک گیا۔

وہ بولا "اچھا آؤ تمہیں راج محل پہنچا دوں۔" میں نے گاڑی کی طرف دیکھا۔ اس میں کوئی اور نہ تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر کہا چلئے اس نے میرا بازو پکڑ کے سہارا دینا چاہا۔ میں نے ہاتھ کھینچ کر ہٹتے ہوئے چند قدم اٹھائے اور کار پکڑ کے اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ شیودان ہچکچاتا ہوا وہیل پر آیا اور دروازہ بند کر لیا۔ لوگ ادھر ادھر ہو گئے۔ گاڑی نے دو تین ٹرن لئے اور راج محل کی طرف چلنے لگی۔ پل سے نکلتے ہی میں نے کہا۔ "آپ کو تعجب تو ہو گا اتنی بڑی کوشش کے بعد ایک ٹانگ ٹوٹ سکی اور وہ بھی پوری نہیں ٹوٹی۔"

اس نے جھٹکے سے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور چیخ کر کہا۔ "کیا؟"

میں نے ہنس کر کہا "چیخو نہیں شیو دان۔ میں مرتے ہوئے آدمی کی چیخ سے بھی

نہیں گھبرایا کرتا۔"

"تم مجھے غصہ دلانا چاہتے ہو نعیم" اس نے اسی لہجے میں کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں تمہارا غصہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" تم نے ابھی جو کچھ کیا وہ تو محبت تھی نا؟" وہ گھور کر رہ گیا۔ میں آگے چلا گیا۔ "سنو شیو دان۔ تم ایک تنکے سے زیادہ نہیں۔ اگر خود کو بچانا چاہتے ہو تو بچا لو۔ میں اس حملے کو معاف کر سکتا ہوں۔" میں نے دیکھا اسٹیئر کرتے ہوئے اس کے ہاتھ صحیح کام نہیں کر رہے تھے۔ میں نے مسکرا کر وہیل پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس نے دایاں ہاتھ وہیل سے ہٹا کر پتلون کی جیب میں ڈالنا چاہا۔ میں نے ڈانٹ کر کہا۔ "کھلونا نکالنے کی کوشش نہ کرو۔" وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ کچھ سوچ کر دوبارہ وہیل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو آخر؟"

"تمہاری ایسی کی تیسی۔"

"یہ کیا؟ ..... تم اس حد تک بڑھ چکے ہو نعیم؟"

"تمہیں معلوم ہے۔ اچھی طرح معلوم ہے۔ میں کس حد تک بڑھ چکا ہوں۔ اور اگر نہیں معلوم ہوتا تو آج ..... میری ٹانگ میں یہ خراش نہ آئی ہوتی۔ بہرکیف تم پھر بھی لیڈر ثابت ہوئے۔ کہ ایک خراش تو لا سکے۔ تمہارے تیس مارخاں تو اتنا بھی نہ کر سکے۔"

"تو کیا ..... تو کیا؟"

"شٹ اپ"

وہ میرے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ آخر نحیف سی آواز میں بولا۔ "نعیم کچھ سوچو میں راجکمار ہوں"

"تم نے کیوں نہیں سوچا نعیم دو راجکمار ہے۔ اور یہ راجکماری مجھے ورثے میں نہیں ملی ہے بلکہ ......"

وہ جھینپ گیا۔ "آئم سوری نعیم۔" اس نے بات کاٹ کر کہا۔

میں نے ہنس کر کہا۔ "تو پھر ہم دوست ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا خون نہیں بہانا چاہئے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"تو پھر راج محل میں داخل ہونے سے پہلے مردانہ قول دو۔" اس نے گاڑی روک کر دایاں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے مسکرا کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ شیو دان تم اپنی تین بندوقیں کھو چکے ہو۔ "شیودان کے چہرے پر تاریکی چھا گئی۔ سنبھل کر بولا۔ خیر اب اس کا ذکر بے کار ہے۔ اطلاع کا شکریہ۔"

میں نے کہا۔ "دوست تم گریٹ ہو۔" وہ مسکرا دیا۔ گاڑی چلاتے ہوئے بولا۔ "چلو شہر میں کسی پرائیویٹ ڈاکٹر سے تمہاری ڈریسنگ کرا دوں۔"

میں نے کہا "ٹھیک ہے۔"

ڈریسنگ کرانے کے بعد وہ مجھے بنگلے کے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا۔ اور میں اگلے دروازے سے داخل ہو کر پچھلے دروازے سے نکلا اور کیپٹن کے بنگلے پہنچ گیا اس معمولی خراش سے میری چال میں بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ کیپٹن نے سلام کرتے ہی ایک گلاس میں برانڈی انڈیل کر میرے ہاتھ میں تھما دی اور مسکرا کر کہا۔ "ٹائیگر کی صحت کا جام۔" میں نے "شکریہ" کہہ کر ایک گھونٹ لیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور دو پیگ پینے کے بعد میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "تمہارے کپڑوں پر دھول کہاں سے آ گئی نعیم؟" میں نے اپنے بائیں کندھے کی طرف دیکھا۔ یہاں سڑک پر قلا بازی کھانے کا نشان تھا۔ جھاڑتے ہوئے کہا۔ "پرنس شیو دان کی گاڑی کی جھپٹ میں آ گیا تھا سر۔"

"کیا ان سے بھی کچھ لین دین ہے؟" انہوں نے کہا۔

"نو سر!" میں نے ہنس کر کہا۔ "بلکہ اب تو شاید دوست ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"اپنی کار پر بنگلے میں چھوڑ کر گئے ہیں۔"

"او۔۔۔ چلو خیر...... اچھا ہے۔"

اسی وقت برنی صاحب آ گئے اور نیا دور جام شروع ہو گیا۔ رات کے گیارہ بجے جب مزید پینے کی سکت نہ رہی تو میں دونوں افسروں سے اجازت طلب کر کے لڑکھڑاتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ راستے پر ٹھنڈی ہوا لگتے ہی مجھے معلوم ہونے لگا کہ سو قدم چلنا کتنا بڑا مسئلہ ہے۔ پانچ منٹ میں بمشکل گھر پہنچا بھی تو غلط رخ پر۔ سامنے والے دروازے پر، جہاں اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ طویل چکر کاٹ کر پچھلے دروازے کی طرف جانے کے بجائے اسی دروازے کی کنڈی کھٹکھٹانے لگا۔ اور دیر تک کھٹکھٹاتا رہا۔ اور جب یاد آیا کہ واسو گھر پر نہیں ہے تو پلٹنے لگا۔ اسی وقت بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور جافری میں سے روپا کو جھانکتے دیکھ کر خوف سے تمام نشہ ہرن ہو گیا۔ تھوڑی دیر جھانک کر دیکھنے کے بعد وہ جھک کر دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "کھولو نا۔ میں ......"

اور پھر میرے سر پر کوئی سخت چیز لگی، آنکھوں میں ستارے ناچنے لگے۔ میں چکرایا اور اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ معلوم میں کتنی دیر بے ہوش رہا۔ جب آنکھ کھلی تو روپا میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ میں اپنے کمرے میں بستر پر پڑا ہوا تھا۔ درد کی ایک لہر اٹھی اور میرا ہاتھ خود بخود سر پر پہنچ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے سر کو ہتھیلی سے دبایا۔ اسی وقت میرے چہرے پر دو گرم گرم قطرے گرے۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا روپا کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ "روپ" میری زبان سے نکلا۔ اس نے "نعیم" کہہ کر میرے سینے پر سر رکھ دیا۔ اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ "روتی کیوں ہو روپا؟"

اس نے سر اٹھا کر میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نعیم ..... میری جان ..... خدا کے لئے بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں؟"

"تم اتنا تو نہ گھبراؤ روپ" میں نے کہا۔ "صرف پانی پلاؤ مجھے۔" اس نے میز سے پانی کا گلاس اٹھا کر میرا سر دوسرے ہاتھ سے سنبھالا اور گلاس ہونٹوں سے لگا دیا میں نے چند گھونٹ لے کر کسی قدر تقویت محسوس کی اور کہنیوں پر زور دے کر اٹھنے لگا۔ روپا نے مسہری کے سرہانے دو تین تکئے رکھ کر مجھے ا کے سہارے بٹھا دیا اور پیشانی پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ "اب کیسی طبیعت ہے؟"

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہوں روپ یہ بتاؤ میرے سر میں کیا چیز لگی ہے کہ میں گر گیا۔"

وہ جواب دینے کے بجائے پھر رونے لگی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کو سینے سے لگا لیا۔ اور کہا۔ "خدا کے لئے اتنی کمزوری نہ دکھاؤ روپ"

وہ پیچھے سرکتی ہوئی بولی۔ "نعیم رونا اس بات کا ہے کہ میں کچھ نہ کر سکی .... میں نے اس کو دیکھ لیا ہے .... میں اس کو شوٹ کر سکتی تھی لیکن نہ کر سکی۔"

"او روپا ---؟" میں نے اس کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اچھا ہی ہوا۔ اسکینڈل ہو جاتا۔ بہت بڑا سکینڈل۔"

"اگر تمہیں فوراً سنبھالنا نہ ہوتا تو میں اسکینڈل کی پرواہ نہ کرتی۔ لیکن تمہارے سر سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اگر دیر ہو جاتی تو .... خیر وہ کہاں جا سکتا ہے ...... کہاں جائے گا وہ نعیم ..... میں اس کو پاتال میں سے بھی نکلوا لوں گی ...... اور کتے کی طرح ...."

میں نے اس کو بکتے دیکھ کر منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ "کیا شیو دان سنگھ تھا؟"

روپ نے جواب دیا "نہیں ڈیئر...... اس کا چھوٹا بھائی واسو جان سنگھ۔"

"میں سمجھ گیا روپ۔" میں نے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ کیا ہم اس وقت گھرے ہوئے تو نہیں ہیں۔"

"کون گھیر سکتا ہے۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ کیا ہزہائی نس اسکینڈل گوارا کر سکتے ہیں۔ کیا وہ پسند کریں گے کہ میں ریزیڈنٹ کے پاس جا کر اس سے کہوں کہ میں نعیم پر مرتی ہوں۔ مجھے کورٹ شپ کی اجازت دی جائے؟"

"ہزہائی نس ایسا نہیں کر سکتے شاید۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ کر سکتے ہیں کہ نعیم نہ ہو۔"

"تم مجھے گالی نہ دو نعیم۔ میں تم سے ایک مرتبہ پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں بستر میں تمہارے ساتھ رہ چکی ہوں تو قبر میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" میں نے ہاتھ کے بجائے ہونٹوں سے اس کا منہ بند کر دیا وہ پیچھے سرک کر ہنس دی۔ "وصول پایا یور ایکسی لنسی۔ واقعی شیر زخمی ہونے پر بھی خطرناک ہی رہتا ہے۔"

"اچھا روپ۔ ہم شیر ہی سہی۔ لیکن ہیں پالتو۔ اب ایک دو پیگ برانڈی پلاؤ اور اپنے حریم ناز میں پہنچنے کی کوشش کرو۔"

اس نے الماری سے بوتل نکال کر گلاس میں برانڈی انڈیلی اور میرے منہ سے لگاتی ہوئی بولی۔ "تمہارے سر میں اسی وقت ٹانکے لگا دیے جاتے تو بہتر تھا۔"

"صبح دیکھا جائے گا۔" میں نے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"میں کیپٹن کو جگاؤں؟" میں نے پیتے پیتے اس کی طرف دیکھا اس نے گلاس میرے ہاتھ میں تھمایا۔ اور رائٹنگ ٹیبل کی طرف چل دی۔ پیڈ پر کچھ لکھتی رہی اور پھر لا کر میری آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ انگریزی میں لکھا تھا۔ "ٹائیگر نشے میں سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہو گیا ہے اس کو فوراً" ہسپتال پہنچایئے۔"

"اپنے دستخط بھی کر دو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ضروری نہیں ورنہ یہ بھی کر دیتی........" "پہنچائے گا کون----؟"

"میں دروازہ کھٹکھٹاؤں گی اور جب ان کا اردلی جافری میں آئیگا تو جالی میں سے پرچا اندر پھینک کر چل دوں گی۔"

میں نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے کہا۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے گلاس میز پر رکھ کر مجھے لٹایا اور منہ چوم کر باہر نکل گئی۔

مشکل سے دس منٹ گزرے ہوں گے کہ کیپٹن ویش مکھ میرے سرہانے کھڑے تھے۔ "نعیم!" انہوں نے پکارا میں نے کہا۔ "میں اس تکلیف دہی کے لئے معذرت خواہ ہوں جناب۔"

وہ برابر میں کھڑے ہوئے اپنے اردلی کی طرف دیکھ کر بولے۔ "پرب دوڑ کر بنگلے جاؤ اور ہاسپٹل فون کر کے میری طرف سے کہو فوراً" ایمبولینس لے کر پہنچیں۔"

میں نے پرب کو اشارے سے روک کر کہا۔ "سر ایمبولینس کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک ڈاکٹر زخم کو سینے اور ڈریس کرنے کا سامان لے کر آ جائے۔"

کیپٹن نے پرب کو کہا۔ "یہی کہہ دو۔ جاؤ جلدی کرو۔" پرب تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے۔ "کیا واقعی تم گر پڑے نعیم؟"

میں نے کہا۔ "اور کیا کہا جا سکتا ہے سر۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ ایک روز ایسا ہو گا۔" انہوں نے کہا۔ "اچھا وہ پرچا لے کر جانے والی۔"

"سر کچھ بھی سمجھ لیجئے ...."

"یشودھرا؟" انہوں نے میرے کان میں آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں ڈیڈی .... اس سے آپ ایسی توقع کر سکتے ہیں کہ یہاں آ جائے؟"

"پھر کون؟"

"ایک ادنٰی سی عورت' جس نے مجھے گرتے ہوئے دیکھا۔ اٹھا کر اندر لائی پٹی باندھی اور آپ کو اطلاع دی۔"

"ادنٰی کے سوائے تمام بیان سچا ہے۔ یہاں کوئی ادنٰی عورت ایسی نہیں جو اتنی اچھی انگریزی لکھ سکے۔" انہوں نے پرچا میرے ہاتھ میں دے دیا۔

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "سر لکھا تو خود میں نے ہے۔" وہ ہنس دیئے۔ "خیر کچھ معلوم ہے چوٹ کیسی ہے؟"

"نو سر۔ ڈاکٹر زخم دیکھے گا تو معلوم ہو گا۔ ہے کچھ تگڑی سی۔"

"ہم!" انہوں نے ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ "لڑکے' یشونت عقلمند ہے کہ کسی سالی پریزاد کے چکر میں نہیں پڑا۔ ورنہ اس کا بھی ناریل کئی بار چٹکایا گیا ہوتا۔ باہ اچھی گزر گئی۔ رت جگے کئے نہ آنکھیں دکھنی آئیں۔"

"واقعی سر۔ ناریل بڑی قیمتی چیز ہے۔ آپ الماری سے کچھ نکال کر نہیں پی رہے۔"

انہوں نے اٹھ کر الماری سے بوتل اور گلاس نکالا۔ اور میری طرف دیکھ کر بولے۔

"پیو گے----؟"

"بی ہے سر۔" میں نے جواب دیا۔ وہ گلاس میں انڈیل کر پینے لگے۔ وہ چسکیاں لے کر بولے۔ "تم کہاں گرے تھے نعیم؟"

میں نے کہا۔ "دروازے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے سر۔" انہوں نے گلاس میز پر رکھا اور جافری سے نکل کر باہر گئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ بند کر کے واپس آئے تو

خاموش تھے۔ ایک بار میری طرف دیکھا اور کرسی پر بیٹھ کر پینے لگے۔ میں نے کہا۔ "کیا بات ہے سر' آپ خاموش کیوں ہو گئے؟" مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔ "کچھ نہیں نعیم .... سوچ رہا ہوں جو ادنیٰ عورت تمہیں اٹھا کر یہاں تک لائی۔ پٹی باندھی اور چیخ مار کر بے ہوش نہ ہوئی وہ کون عظیم عورت ہے۔ بے پناہ طاقتور .... اس کے سینے میں شیرنی کا دل ہے اور یقیناً" وہ نہیں ہو سکتی جس کا میں نے نام لیا تھا۔"

"سر آپ بالکل صحیح فرما رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "لیکن اب ...... زیادہ نہ سوچئے۔ خدا کے واسطے۔"

"واسو شہر گیا ہوا ہے شاید ..... ایں نا؟"

میں نے کہا۔ "جی۔"

انہوں نے سگریٹ سے سگریٹ سلگا کر رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ "دو بجنے والے ہیں۔ ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر کو پہنچ جانا چاہئے تھا۔" وہ بڑبڑائے پھر میری طرف دیکھ کر کہا۔ "اس کو کس طرح چھپاؤ گے؟"

میں نے کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے سر ...... صبح میں ڈیوٹی پر ہوں گا۔ باقی آپ جائیں!"

وہ ہنس دیئے۔ "اگر صبح تم ڈیوٹی انجام دے سکے تو پھر میں سمجھوں گا کہ دنیا کا ہر کارنامہ کسی نہ کسی احمق نے ہی انجام دیا ہے۔" میں مسکرا کر چپ ہو گیا۔ وہ ٹہلنے لگے۔ تھوڑی دیر میں پرب ایک ڈاکٹر اور ایک کمپاؤنڈر کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ کیپٹن نے بڑھ کر ڈاکٹر سے مصافحہ کیا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کافی گہرا زخم ہے ڈاکٹر۔ اگر خطرناک نہ ہو تو آؤٹ ڈور ہی رکھئے۔" ڈاکٹر نے "اوکے کیپٹن" کہہ کر پٹی کھولنی شروع کر دی۔ زخم میں Probe ڈال کر گہرائی کا اندازہ لگایا۔ میں زور سے آنکھیں بھینچ کر درد برداشت کرتا رہا۔ ڈاکٹر نے زخم صاف کر کے ٹانکے لگائے۔ ڈریس کیا اور کیپٹن سے پوچھا۔ "کچھ پلایا ہے؟"

میں نے کہا۔ "کافی اور تھوڑی برانڈی ڈاکٹر۔" ڈاکٹر بولا۔ "الٹی تو نہیں ہوئی؟"

میں نے کہا۔ "نہیں۔"

بولا۔ "پھر تمہاری کھوپڑی لوہے کی بنی ہوئی ہے سارجنٹ۔" میں مسکرا دیا۔ وہ کیپٹن سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کوئی بہت ہی کرارا ہاتھ پڑا ہے۔"

کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "دو دوست نشے میں ٹکرا گئے تھے۔ اس وقت زحمت کرنے کے لئے ممنون ہوں ڈاکٹر۔" میں نے اشارہ کیا انہوں نے الماری سے پچیس روپے نکالے۔ بیس روپے ڈاکٹر کو اور پانچ کمپاؤنڈر کو دیئے۔ تھوڑے تکلف کے بعد ڈاکٹر نے "شکریہ کیپٹن" کہہ کر روپے جیب میں ڈال لئے اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ کیپٹن نے

پرب کو دروازے کی سیڑھیوں پر ریت ڈال دینے کو کہا اور بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اٹھتے ہوئے بولے۔ "اب آرام کرو نعیم صبح آٹھ بجے پرب تمہیں جگا جائیگا اور اگر تم نے خود بغیر کسی کی مدد کے میرے بنگلے پر پہنچ کر ناشتا کیا تو میں سمجھوں گا تم ڈیوٹی کر سکتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے سر۔" وہ "خدا حافظ" کہہ کر چلنے لگے اور پھر کچھ سوچ کر رک گئے۔ "نعیم میں سمجھتا ہوں۔ تمہارا اکیلا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ پرب یہیں رہے گا۔ تمہارے پستول کہاں ہے؟" میں نے بستر کے نیچے سے پستول نکال کر دکھایا۔ بولے "ٹھیک ہے۔ اچھا پرب تم یہیں سو جاؤ۔ آؤ اندر سے دروازہ بند کر لو۔" وہ روانہ ہو گئے۔ پرب نے واپس آ کر آہستہ آہستہ میرا سر دبانا شروع کیا اور میں آرام محسوس کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

صبح آٹھ کے پرب مجھے جگا کر چلا گیا۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور اس وقت کسی قدر کمزوری محسوس کی۔ لیکن بحیثیت مجموعی چاق و چوبند تھا۔ سر میں ہلکا ہلکا سا درد اور بھاری پن تھا۔ شیو وغیرہ سے فارغ ہو کر یونیفارم پہن رہا تھا کہ نو بجے کے قریب واسو آ گیا۔ وہ سیڑھیوں پر ریت اور جافری سے کمرے تک جگہ جگہ خون کے دھبے دیکھ کر گھبرا گیا۔ میرے اتارے ہوئے کپڑے اور بستر وغیرہ بھی خون آلود تھے۔ میں نے اس کو مختصر الفاظ میں مطمئن کیا اور کمرہ اور کپڑے وغیرہ دھو ڈالنے کو کہہ کر کیپٹن کے بنگلے چلا گیا وہ ابھی بستر پر بیٹھے ہوئے بیڈ ٹی پی رہے تھے۔ میرے سلام کرتے ہی اٹھ کر بیٹھ ٹھونکی اور بیٹھنے کا اشارہ کر کے پرب کو میرا ناشتہ لانے کو کہا۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھ کر بولے۔ "نعیم تمہاری اندرونی حالت تو خدا جانتا ہو گا لیکن بیرونی طور پر تمہارے ٹرن آؤٹ میں کوئی فرق نہیں نظر آتا۔ واقعی تم صحیح معنوں میں میرے شیر ہو۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "سر آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔" آہستہ سے بولے۔ "نعیم، ابھی کسی قسم کا انتقام لینے کی کوشش نہ کرنا۔"

میں نے کہا۔ "بہتر ہے سر۔" پرب باورچی خانے سے ٹرے لے کر آ گیا۔ ناشتہ ایک پیالہ موسمی کا رس۔ ایک سیر دودھ اور چار فرودوں پر مشتمل تھا۔ تمام برتن اپنی آنکھوں کے سامنے خالی کرانے کے بعد پندرہ منٹ بعد کیپٹن نے مجھے چائے پینے کی اجازت دی۔ وہ اس وقت افسر سے زیادہ شفیق باپ کا رول ادا کر رہے تھے۔ ناشتے اور چائے کے بعد میں نے اپنے جسم میں بے پناہ قوت محسوس کی۔ پونے دس بجے راج محل کی طرف جاتے ہوئے میں ہمیشہ کی طرح اسمارٹ تھا۔

ساڑھے گیارہ بجے میں کیبن میں بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا کہ لفٹ کی طرف سے روپا اس طرف آتی دکھائی دی۔ وہ سر جھکائے کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی

تھی۔ کیبن کے سامنے آ کر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو ایک دم چونک کر کھڑی ہو گئی اور حیرت زدہ ہو کر بولی نعیم .... تم؟"

میں اس کی غیر حاضر دماغی پر خوف زدہ ہو کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ وہاں میں نظر دوڑا کر اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ "یور ایکسی لنسی آپ کی طبیعت خراب ہے شاید؟"

"آہ نعیم۔ یہ تم ہی ہو نا؟" اس نے کہا۔ اب مجھے اس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔ آہستہ سے کہا۔ "ہوش میں نہیں ہو کیا روپ؟"

بولی۔ "ہاں میں بیمار ہوں نعیم۔ میرے دل پر۔"

"اوپر لوٹ جاؤ۔ روپ پلیز۔ تم ہزہائی نس کے پاس جانے کے قابل نہیں ہو۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میرا دماغ چکرا گیا۔ اس کی محبت مجھے موت بن کر سر پر منڈلاتی نظر آنے لگی۔ یہاں کسی بھی لمحے کوئی آ سکتا تھا .... اور .... اس کے بعد جو کچھ ہوتا اس کا تصور آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ میں بائیں طرف مڑا اور آہستہ آہستہ لفٹ کی طرف چلنے لگا۔ میرا خیال تھا وہ میرے ساتھ ساتھ اس طرف آئیگی اور میں اس کو سمجھا بجھا کر واپس بھیجنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن چند قدم جا کر پیچھے کی طرف دیکھا تو وہ ہزہائی نس کے ڈرائنگ روم کی طرف جا رہی تھی۔ میری قوت برداشت جواب دے گئی ...... ڈرتا ڈرتا کیبن میں آیا اور رسیور اٹھا کر کیپٹن کا نمبر ڈائل کیا۔ رنگ ہوتے ہی انہوں نے "کیپٹن دلیش مکھ" کہا۔ میں نے کہا۔ "سارجنٹ نعیم بول رہا ہے۔ سر میری طبیعت ایک دم خراب ہو گئی ہے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر ...."

انہوں نے جواب دیا۔ "گھبراؤ نہیں ...... بھاسکر کو بھیجتا ہوں۔ پندرہ بیس منٹ صبر کرو۔" میں نے "تھینک یو سر" کہہ کر رسیور رکھ دیا اور سگریٹ پینے لگا۔ چالیس منٹ گزر گئے۔ بھاسکر کا ابھی تک پتا نہ تھا۔ تاہم اتنی دیر خیریت سے گزر جانے کے بعد مجھے اطمینان سا ہونے لگا کہ شاید روپا سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جو خطرناک ثابت ہوتی۔ پانچ سات منٹ اور گزر گئے۔ میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ گزرے ہوں گے کہ میرے بازو پر کسی کا ہاتھ پڑا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بھاسکر کے بجائے مسٹر مہتا کھڑے ہوئے تھے۔ مسکرا کر بولے۔ "کیا بات ہے ٹائیگر؟"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "طبیعت ٹھیک نہیں ہے مہتا صاحب۔"

بولے۔ "بیڑا غرق ہو گیا پھر تو .... ہزہائی نس یاد فرما رہے ہیں ...... اور شاید تمہیں کہیں بھیج رہے ہیں۔"

آخری جملہ سن کر مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ سنبھل کر باہر نکلتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے مہتا صاحب میں جا سکتا ہوں۔ شکریہ۔"

بولے .... "اچھا تو پھر پدھارو۔" میں نے یونیفارم پر ایک نظر ڈالی' پی کیپ

درست کی اور چل دیا۔ ڈرائنگ روم میں اس وقت ہزہائی نس نے اس موسی کا رس اور کماری، ارونا دیوی اور قریب ہی ایک صوفے پر مودی صاحب بیٹھے ہوئے کر میں کیپٹن کے ہی ہزہائی نس نے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور ان کی نگاہیں جم کر رہ گئیں۔ انہیں مختصر کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ مسکرا کر بولے۔ "کیا بات ہے ٹائیگر ...تمہارا زخم بھوت دیکھ کر آ رہے ہو؟" سب کی نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ میں نے جھینپ مٹانا کے لئے کہا۔ "نہیں یورہائی نس۔ بھوت کیا چیز ہے؟"

مہارانی نے کہا۔ "پھر تمہارا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے ٹائیگر؟"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یورہائی نس میں بالکل ٹھیک ہوں صرف سر میں درد ہے۔ بہرحال ہر حکم کی تعمیل کر سکتا ہوں۔"

مودی صاحب نے مسکرا کر کہا۔ "دوڑ بھاگ والا کام ہے۔ کرنے سکتا ٹائیگر؟"

میں نے کہا۔ "حکم کیجیے۔" وہ ہزہائی نس کی طرف دیکھنے لگے۔ ہزہائی نس نے گردن ہلا کر کہا۔ "کہہ دو۔" مودی صاحب نے ایک خط دکھاتے ہوئے کہا۔ "دھاروہیڑہ کا ذیلدار لکھتا ہے۔ جنگل میں ایک آدمی کی لاش کا کچھ حصہ ملا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کوئی شیر یا چیتا وغیرہ ضرور ہے۔ ہزہائی نس اب پھر ایک پارٹی بھیج رہے ہیں اور تم ان کے انچارج ہو گے۔ ذیلدار نے تمہیں خاص طور پر مانگا ہے۔"

میں نے ہزہائی نس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "جو حکم شری حضور کا۔"

ہزہائی نس مسکرا کر بولے۔ "وہی حکم جو پہلے تھا۔ شیر کی لاش آنی چاہئے۔ ٹائیگر کی نہیں۔"

میں نے کہا۔ "یورہائی نس اگر شیر ہے تو مارا بھی جائیگا اور اگر نہیں ہے تو جب تک واپسی کا حکم نہ ملے گا ٹائیگر وہیں بھٹکتا رہے گا۔"

"اچھا جاؤ تیار ہو جاؤ۔ پانچ بجے شکاری تمہارے پاس پہنچ جائینگے۔ اپنی پسند کے آدمی لے جانا۔"

"بہتر ہے یورہائی نس۔ اگر حکم ہو تو بھاسکر کو بھی لے جاؤں۔"

"لے جاؤ۔ یشونت کو ہمارے پاس بھیج دو" میں سلام کر کے واپس ہوا اور ہال میں ...تو بھاسکر میرا انتظار کر رہا تھا۔ سیلوٹ کر کے بولا۔ "سر کیپٹن صاحب تو کہہ رہے تھے آپ کی طبیعت خراب ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس وقت تھی اب نہیں ہے۔" کیبن میں آ کر میں نے پھر کیپٹن کو فون کیا۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے تم اور بھاسکر شکار پر جا رہے ہو۔ میں بنارس خان کو بھیج رہا ہوں۔ سیدھے میرے بنگلے پہنچ جاؤ۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا اور زینے کی طرف چل دیا۔ نصف کاریڈور عبور کیا تھا کہ ...ٹ پانچویں منزل سے آ کر رکی اور ساوتری باہر نکلی۔ مجھے دیکھتے ہی زینے کی طرف گھوم گئی

تھی۔ کیبن کے نیچے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”ٹائیگر ذرا بات سنو۔“ میں اس کے قریب پہنچ
حیرت زدہ ہو کر آکر کہا۔ ”غیروں کی طرح کیوں بات کر رہی ہو ڈیئر؟“
ٹائیگر میں تمہارے واسطے جان دے سکتی ہوں۔ غیر نہ سمجھو لیکن یہ بتاؤ روپا
دوڑا کے معلوم ہو گیا ہے؟“
میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ ”روپا دیوی کون؟“
وہ ہنس دی۔ ”میرے پاس وقت نہیں ہے نعیم ...... لیکن اتنا جانتی ہوں وہ تمہارے غم میں دیوانی ہو چکی ہے۔ آج وہ مہارانی سے ملنے آئی تھی۔ اچھا ہوا میں اس کو ویٹنگ روم میں لے گئی اور اس کی بڑبڑاہٹ سے سمجھ گئی کہ بیمار ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر واپس کیا۔ ورنہ اس کا تو خیر کیا بگڑتا۔ آج تمہاری خیر نہیں تھی۔“ ساوتری کی باتیں سن کر میرا دماغ چکرا گیا۔ میں نے فریم پکڑ کے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک ثانیئے میں اندھیرا دور ہو گیا اور میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کی انکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ آہستہ سے بولی۔ ”تو کیا سچ مچ زخمی ہو نعیم۔۔۔؟“
میں نے کہا۔ ”ہاں ساوتری۔ میں زخمی ہوں ...... تم نے ایک بار پھر مجھے موت کے منہ سے بچا لیا ہے۔ روپا نے بھی بچایا لیکن وہ واقعی دیوانی ہے۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ساڑھی کے پلو سے آنکھیں پونچھتی ہوئی بولی۔ ”وہ کچھ نہیں نعیم۔ میں تمہیں پوجتی ہوں۔ لیکن یہ روپا دیوی کیا وہ اس وقت تمہارے بنگلے میں تھی؟“ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”اوما جا دیوا۔ وہ تمہارے خون کے چھینٹوں والی ساڑھی۔۔۔۔ دیکھ کر رات بھر روتی رہی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ساوتری کیا یہ سب اس نے خود کو تم بتایا؟“
وہ مسکرا دی۔ ”تو اور کون بتا سکتا تھا۔“
”تم پھر اس کے پاس جاؤ۔ میری جان۔ تم اسے سمجھا سکتی ہو کہ میں ٹھیک ہوں اور اگر وہ مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہے تو زبان بند رکھے۔“ وہ لوٹ کر لفٹ کی طرف چلنے لگی۔ میں نے اس کو روک کر کہا۔ ”میں چند روز کے لئے باہر جا رہا ہوں ساوتری۔ کیا تم مجھے شام سے پہلے کہیں مل سکتی ہو؟“
”آج نہیں پریتم۔ واپس آنے پر میں تمہیں ضرور ملوں گی۔ اپنی حفاظت کرنا ...... خدا تمہاری حفاظت کرے۔“ میں اس کو لفٹ میں اوپر جاتے دیکھتا رہا اور جب وہ نظروں سے غائب ہو گئی تو سیڑھیاں اترنے لگا۔ میں پھر اتنی کمزوری محسوس کر رہا تھا جیسے ابھی ابھی چوٹ کھا کر اٹھا ہوں۔ پورچ میں پہنچا تو بنارس خاں بھاسکر کی جگہ لینے کے لئے آتا ہوا ملا۔ اس کے سوالات سے بچنے کے لئے سیلوٹ کا جواب دیتے ہی میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

کوارٹر میں پہنچتے ہی میں نے یونیفارم اتاری۔ واسو نے دو تین گلاس موسمی کا رس اور پھر زعفرانی دودھ کا پیالہ بھر کر پلایا۔ چار بجے کے قریب چکن سوپ پی کر میں کیپٹن کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ انہوں نے اس نئے پروگرام کی وجہ دریافت کی تو میں نے انہیں مختصر الفاظ میں تمام واقعہ سمجھایا۔ بولے "تمہیں کھسکنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی۔ اگر تمہارا زخم بگڑ گیا تو کیا ہو گا؟"

"واپس چلا آؤں گا سر۔" میں نے کہا۔ "بھاسکر ساتھ ہے۔ آپ اسے اشارہ کر دیں کہ شکار کے بجائے مجھے سنبھالنے کی کوشش کرے۔" انہوں نے الماری سے بوتل نکال کر ایک گلاس میں تھوڑی انڈیلی اور میری طرف سرکا دی۔ میں نے گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا۔ بولے۔ "بھاسکر کو سمجھا دوں گا کہ تمہاری بیماری کا کوئی من گھڑت افسانہ سنا کر ہر وقت تمہارے ساتھ رہے۔ دیکھنا یہ ہے پارٹی میں اور کون کون ہے؟"

پانچ بجے بھاسکر ڈاج لے کر آ گیا۔ میرا سوٹ کیس اس میں میں رکھا اور شکاریوں کے نام کیپٹن کو بتائے۔ انہوں نے کہا۔ "ٹھیک ہے' ان کے لئے دوسری گاڑی منگوا لو اور وہاں بھی ان کے قیام کا علیحدہ انتظام کرانا۔ سارجنٹ نعیم کی طبیعت دوپہر سے اچھی نہیں ہے......"

بھاسکر نے کہا۔ "سر آپ نے مجھے دوپہر کو بتا دیا تھا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں انہیں کمرے سے نکلنے ہی نہ دوں گا اور اگر طبیعت خراب ہوئی تو فوراً" واپس لے آؤں گا۔"

شام کو چھ بجے ہم دھاروہیڑہ میں پہنچ گئے۔ ذیلدار نے اپنی حویلی میں ہی ہمارے قیام کا انتظام کیا تھا۔ کھانے کے دوران بھاسکر نے اس کو میرے بیمار ہونے کے متعلق بتایا اور رات کو دس بجے جب گانے کا پروگرام ہوا تو میرا اور بھاسکر کا سامان ڈیوڑھی کے ایک کمرے میں منتقل کرایا جا چکا تھا۔ میں گانے کی محفل میں شریک نہ ہوا۔ بھاسکر کے جانے کے بعد میں نے ذیلدار کو بلوایا اور اس کے خط کا تذکرہ کر کے تفصیلات پوچھیں۔ اس نے بتایا۔ "آپ کے جانے کے دو روز بعد ان پورنا مندر کی پہاڑی کے پاس جنگل میں ایک ادھ کھائی لاش اور ایک بندوق گوالوں کو نظر آئی اور انہوں نے مجھے اطلاع دی۔ یہ صبح نو بجے کا واقعہ ہے۔ دس بجے جب میں گھوڑی پر سوار ہو کر وہاں پہنچا تو پنجر پڑا ہوا تھا۔ بندوق غائب تھی۔ میں نے اس طرف جانے والے ایک ایک آدمی کو بلا کر پوچھا لیکن بندوق کا کوئی پتا نہ چلا۔ اسی لئے میں نے مودی صاحب کے خط میں اس کا کوئی ذکر بھی نہ کیا۔ اب آپ بتائیں آپ کا خیال ہے؟" میں نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کسی شکاری کی لاش ہے جو اپنی غفلت سے کسی درندے کا شکار ہو گیا۔ لیکن بندوق کا غائب ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا۔" میری سمجھ میں اور بھی کئی باتیں نہیں آ رہی تھیں۔ مثلاً" دوسری دو بندوقیں کہاں

غائب ہوئیں؟ لیکن ان کا ذکر کس طرح کر سکتا تھا۔

ذیلدار نے کہا۔ "میری سمجھ میں بھی کچھ نہیں آتا۔"

"ممکن ہے کسی دوسرے گاؤں کا کوئی آدمی ..... یا کوئی چور اچکا ادھر سے گزرا ہو اور بندوق دیکھ کر للچا گیا ہو۔"

ذیلدار نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہاں ایسا کوئی نہیں ٹائیگر۔ بندوق دیکھ کر کانپ جانے والے لوگ ہیں۔"

"بدمعاش ایسے نہیں ہوتے۔ ہتھیار مل جانا تو ان کے لئے بہت بڑا انعام ہے کوئی اور شکاری تو نہیں آیا تھا؟"

"میرے پاس کوی نہیں آیا۔ بالا بالا آ کر نکل گیا ہو تو معلوم نہیں ...... خیر...... گانا نہیں سنو گے؟"

"تھوڑی دیر بعد اگر طبیعت ٹھیک ہوئی تو شاید آ جاؤں۔ آپ سنیں۔"

وہ ہنس دیا۔ "میں بوڑھا آدمی راگ رنگ میں کیا دلچسپی لوں گا۔ آپ سرکاری درباری لوگ آ جاتے ہیں تو ذرا رونق ہو جاتی ہے ...... ویسے کسی افسر یا درباری نے آج تک پاتروں کو اتنا بڑا انعام نہیں دیا جتنا آپ نے ایسا معلوم ہوتا ہے آپ کسی بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"یہ آپ کی محبت ہے شریمان۔ اتنا ضرور ہے کوئی مجھے مان یا محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو میں اس کے لئے بڑے سے بڑا بلیدان دینے کو تیار ہو جاتا ہوں۔ روپیہ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے۔"

ذیلدار نے اٹھتے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "خدا تمہیں بڑی عمر دے سارجنٹ۔ اس عمر میں یہ سنسکار کسی کے نہیں ہوتے۔"

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "آپ میری عزت افزائی کر رہے ہیں شریمان۔" وہ میری پیٹھ تھپک کر چلنے لگا۔ اسی وقت اس کا نوکر اندر آ کر بولا۔ "شریمان تابو آپ کو سلام کرنے آ رہی ہے۔" میں نے ہنس کر ذیلدار کی طرف دیکھا۔ اس نے نوکر سے کہا۔ "آنے دو۔" نوکر چلا گیا۔ میں نے کہا۔ "شریمان یہ تابو کیا نام ہوا میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

مسکرا کر بولا۔ "مہتاب۔"

"تو کیا یہ لوگ مسلمان ہیں؟" میں نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"ہونگے کبھی۔ اب تو نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ نٹ لوگ ہیں۔ مرد کھیل کرتب دکھاتے ہیں۔ عورتیں ناچتی گاتی ہیں۔ عید بقرعید بھی مناتے ہیں اور ہولی دیوالی بھی۔ نہ پوجا کرتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں۔" میں یہ سوال کر کے جھینپ گیا۔ تابو نے اندر آ کر ذیلدار کو سلام کیا۔ میری طرف دیکھ کر ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی۔ "سلام حضور ...... کیسی طبیعت ہے

آپ کی؟"

میں نے کہا۔ "اچھی نہیں تابو۔"

مسکرا کر بولی۔ "سرکار آج تو اچھی ہونی چاہیے۔ ہم تو آپ کی آس لے کر آئے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اتنی بری بھی نہیں ہے کہ تمہاری آس پوری نہ کر سکوں۔" وہ سر جھکا کر مڑی اور چلتے چلتے کہنے لگی۔ "خدا آپ کو سلامت رکھے۔"

ذیلدار چلتے چلتے پھر کرسی پر ٹک گیا۔ آہستہ سے بولا۔ "سارجنٹ صاحب آج آپ کے ساتھ بہت سے آدمی ہیں۔ زیادہ بڑا انعام نہ دیں...... یا اگر دینا ہی چاہیں تو یہاں بلا کر علیحدگی میں دیں۔ جلنے والے ہزار باتیں بنا لیتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "شریمان آپ نے ایسی عمدہ نصیحت کی ہے جو ایک باپ ہی اپنے بیٹے کو کر سکتا ہے۔ میں اس جذبے کا بے حد ممنون ہوں۔"

ذیلدار مسکرا کر اٹھا اور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد گانا شروع ہو گیا۔ میں پڑا پڑا سنتا رہا۔ محفل رنگ پر آئی تو بھاسکر اندر آیا اور بولا۔

"سارجنٹ صاحب ناچ دیکھنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟"

میں نے کہا۔ "نہیں۔ میں سونا چاہتا ہوں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

بولا "حکم؟"

"تابو سے کہہ دیں گانا سننے نہیں آؤں گا۔ صبح ان کی سرکیوں میں آ کر خود انعام دے جاؤں گا۔"

وہ مسکرا دیا۔ "انعام کیا سر...... ڈسپلن قائم رکھنے کے لئے آپ کی ضرورت ہے۔"

میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔ "ڈسپلن؟"

بولا "سر' تابو وغیرہ کے ساتھ ایک نئی لڑکی ہے کوئی...... اس پر ہلڑ مچ رہا ہے۔ ہمارے تمام ساتھی شراب پئے ہوئے ہیں اور......"

میں ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ "ذیلدار کہاں گئے؟"

"انہوں نے بہت سمجھایا سر' لیکن کوئی نہیں سنتا۔ آخر وہ پریشان ہو کر چلے گئے۔"

میں نے کپڑے پہنتے ہوئے کہا۔ "اچھا تم ان سے جا کر کہو اگر......"

"کس سے کہوں صاحب...... گاؤں والے بھی ایسی ہی حرکتیں کر رہے ہیں۔"

"اچھا ان سے کہو میں آ رہا ہوں اور اگر وہ باز نہ آئے تو محفل برخاست کر دوں گا۔" بھاسکر تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں نے کوٹ پہنتے ہوئے اس کو بولتے سنا۔ شور اور زیادہ بڑھنے لگا۔ میں نے پی کیپ سر پر رکھی اور باہر نکل آیا۔ محفل درہم برہم ہو چکی تھی

اور ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ پاتریں اور ان کے سازندے ایک لڑکی کو اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ میرے ساتھ آنے والے شراب کے نشے میں اس کو چھیڑ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی لڑکی نے چیخ کر کہا۔ "دربار!" یہ گلابو تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹ کر کہا۔ "ہٹ جاؤ۔ کیا بدتمیزی ہے۔" دو پیچھے ہٹ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے لیکن اسماعیل اور کھگے دونوں اکڑ کے کھڑے ہو گئے۔ گاؤں کے چند جوان لڑکے بھی شرارت کر رہے تھے۔ لیکن وہ ٹھٹھک کر ادھر ادھر ہو گئے اور گلابو موقع پاتے ہی دوڑ کر میرے پیچھے آ گئی۔ میں نے اسماعیل کی طرف دیکھ کر کہا۔ "گانا نہیں سننا چاہتے کیا؟"

وہ آگے بڑھ کر کہنے لگا۔ "گانا ہی سن رہے ہیں۔"

ایک سازندے نے کہا۔ "سرکار یہ تو ہاتھا پائی کر رہے ہیں۔ کوئی لڑکی کی ساڑھی کھینچ رہا ہے کوئی پیچھے سے چٹکی لے رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "بڑی ذلیل حرکت ہے اسماعیل۔ چلو بیٹھ جاؤ اپنی جگہ پر۔"

کھگے آگے بڑھ کے بولا۔ "کیا پاتروں کے ساتھ تفریح کرنے پر بھی پابندی ہے سارجنٹ صاحب؟"

"تفریح سے تمہارا کیا مقصد ہے کھگے؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

بولا۔ "یہ ہمارے کھلونے ہیں۔" میرا خون کھول اٹھا۔ گھونسے کے سوائے اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ لیکن ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "کھلونا خریدنا پڑتا ہے کھگے۔ کیا تم نے اس کی قیمت ادا کر دی؟"

"آپ آرام کریں سارجنٹ صاحب۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ میں نے بھاسکر کی طرف دیکھا۔ "اس بدتمیز کو میرے سامنے سے دفع کر دو بھاسکر۔" بھاسکر نے ایک قدم بڑھایا تھا کہ اسماعیل اس کے سامنے آ گیا اور چیخ کر بولا۔ "مجال ہے کسی کی؟"

"مجال؟" میں نے پتلون کی جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔ "یہی الفاظ پھر کہو اور اپنا بھیجا ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ لو۔" وہ کانپ گیا پستول دیکھتے ہی لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ راول اور کرلاسکر کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ بھاسکر نے کھگے کی گردن پکڑ کر ایک جھٹکا دیا اور پیچھے سے ٹک لگائی۔ وہ لڑکھڑا کر میرے پیروں کے پاس آ گرا۔ میں نے اس کی گردن پر پیر رکھ دیا اور بھاسکر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "گاڑی لے آؤ بھاسکر۔ میں ان دونوں کو اسی وقت ہزہائی نس کے سامنے پیش کروں گا۔" اس نے راول اور کرلاسکر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس کو سنبھالو ...... اور اگر نہیں سنبھالتے تو میں تم کو بھی سنبھالتا ہوں۔" کرلاسکر نے بڑھ کر اسماعیل کو پیچھے دھکیلا اور کرسی پر بٹھا دیا۔ میں نے پستول جیب میں ڈال لیا اور ذیلدار کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں ان دونوں کو دلاس پور لے جا رہا ہوں شرمیان ...... اور ہزہائی نس سے ان کی تفریح کا انتظام کراتا ہوں لیکن

آپ گاؤں والوں کو بتا دیں کہ بات یہیں ختم نہیں ہوئی میں صبح پھر واپس آ رہا ہوں اور وہ نام دیہاتی جنہوں نے اس لڑکی کو ستایا ہے کل دوپہر کو یہاں بکروں کی طرح چیخ رہے ہوں گے ......" چند آوازیں آئیں۔ "دھنیہ ہو سرکار آئے ہو تو ایسا ہو۔"

بھاسکر ڈاج لے کر آ گیا۔ میں نے کھکلے کو اٹھا کر کھڑا کیا اور دھکیل کر کار میں ٹھونس دیا۔ بھاسکر نے اسماعیل کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ کانپنے لگا۔ کرلاسکر اور راول گڑگڑانے لگے۔ "صاحب ایسا نہ کیجئے مہاراجہ انہیں تہس نہس کر ڈالیں گے۔ آپ نے جو سزا دے دی ہے وہ کافی ہے۔" میں نے ذیلدار کی طرف دیکھا۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔ "میرے خیال میں کافی ہے صاحب۔ اگر یہ تحریری معافی مانگ لیں۔"

میں نے کہا۔ "آپ جو مناسب سمجھیں شریمان۔"

ذیلدار نے راول اور کرلاسکر سے کہا۔ "یہ آپ دونوں کی ذمہ داری ہے۔"

میں نے مڑ کر کلابو اور تابو کی طرف دیکھا ہے وہ اپنے سازندوں کے ساتھ ایک طرف کھڑی تھیں۔ مجھے اپنی طرف مخاطب دیکھ کر سب نے ہاتھ جوڑ لئے۔ میں نے حویلی کی طرف چلتے چلتے کہا۔ "میں ان کی اس حرکت پر شرمندہ ہوں گلابو۔ مجھے تمہاری محفل بگڑ جانے کا بھی افسوس ہے لیکن اس کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ تم سب صبح آٹھ بجے آ کر اپنا انعام لے جانا۔"

سازندوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "دربار آپ کے اس انصاف سے ہمیں سب کچھ مل گیا۔ مائی باپ۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "پھر بھی تمہیں آٹھ بجے یہاں حاضر ہونا ہے۔ ورنہ مجھے تمہارے ہاں آنا پڑے گا۔" ذیلدار نے انہیں اشارہ کیا اور وہ دعائیں دیتے ہوئے چل دیئے۔ میں ذیلدار کو ساتھ لے کر حویلی میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں بھاسکر ان کو لے کر اندر آ گیا۔ کرلاسکر نے کہا "سارجنٹ صاحب آپ ہمارے انچارج ہیں۔ ہم آپ سے معافی مانگنے کو تیار ہیں ----"

"یہ بڑی شرم کی بات ہے کرلاسکر۔" میں نے کہا۔ "لیکن خیر اب بات ختم ہو گئی۔ اسماعیل اور کھکلے کو جیسا کہ ذیلدار صاحب نے کہا ہے' لکھ کر معافی مانگنی پڑے گی۔ اور آپ چاروں صاحبان اپنی رائفلیں بھاسکر کے حوالے کر دیں۔ اب ہم آپ لوگوں پر بھروسا نہیں کر سکتے۔"

کرلاسکر نے ہاتھ جوڑ لئے۔ "یہ تو بہت بری بات ہے صاحب ہزہائی نس کو معلوم ہو گا تو۔"

"حکم کی تعمیل کرو۔ میں یہیں بات ختم کر سکتا ہوں۔ تم دونوں سے مجھے زیادہ شکایت بھی نہیں ہے۔" وہ سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد بھاسکر اور کرلاسکر

چاروں بندوقیں لے آئے اور کونے میں کھڑی کر کے چلے گئے۔ ذیلدار کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "شریمان! اب مجھے یہ تو بتایئے کہ کیا واقعی یہاں کوئی شیر یا چیتا وغیرہ ہے۔؟"

"ضرور ہو گا ورنہ شکاری کو کوئی لکڑ بگھا یا بھیڑیا تو نہیں مار سکتا۔" ذیلدار نے کہا۔ میں نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "مر گئے پھر تو .... ہزہائی نس نے کہا ہے' شیر کی لاش لئے بغیر نہ لوٹنا۔ اور یہاں صرف قیاس پر گاڑی چل رہی ہے۔"

"آپ کچھ دن یہاں تلاش تو کریں۔ پھر دیکھا جائے گا"

"مجھے یقین نہیں شریمان کہ اس علاقے میں شیر ہو۔ وہ شکاری ممکن ہے سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے مر گیا اور بعد کو جنگلی جانوروں نے کھا پی کر برابر کر دیا ہو۔"

"آپ ان چار آدمیوں کو واپس بھیج دیں۔ اگر یہ ...."

"صبح پہلا کام یہی کروں گا۔" میں نے بات کاٹ کر کہا۔

"اچھا تو پھر آرام کیجئے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "شیر چیتے اگر یہاں نہیں ہیں تو دوسرے علاقے میں کہیں نہ کہیں مل ہی سکتے ہیں....... ہزار پانسو خرچ ہو جائینگے تو کون سی بڑی بات ہے۔" وہ مسکراتا ہوا چل دیا۔

دوسری صبح چائے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے اپنے غیر پسندیدہ ساتھیوں کو دلاس پور چلتا کر دیا اور ذیلدار کے مشورے پر شکار کا ایک بہترین پلان مرتب کیا۔ آٹھ بجے کے قریب بھاسکر اور میں رائفلیں لے کر جنگل کی طرف نکل گئے۔ ان پورنا مندر والی پہاڑی کے قریب دور دور تک انسانی ہڈیاں بکھری تھیں۔ میں آگے بڑھنے لگا تو بھاسکر نے کہا۔ "چھوڑیئے صاحب آپ کی طبیعت پہلے ہی اچھی نہیں ہے۔ آیئے چلتے ہیں۔"

میں نے کہا "ٹھیک کہتے ہو۔ انسان جیسے سرکش درندے کا یہ انجام دیکھ کر بڑھنے کے بجائے قدرت کے انصاف کی داد دینی چاہئے .... آؤ۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "سر ہمارا شاستر بھی یہی کہتا ہے کہ جو جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔"

"میں کھیتی باڑی کے متعلق زیادہ نہیں جانتا۔ بھاسکر۔ اتنا سمجھتا ہوں کہ ....." میں نے چلتے چلتے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "اللہ رے اس گلشن ایجاد کا عالم۔ جو صید کا عالم' وہی صیاد کا عالم ...... یہ یہاں کسی کو شکار کرنے آیا ہو گا' خود شکار ہو گیا۔"

دس بجے حویلی پہنچے تو بیٹھک میں گلابو' تابو اور دو تین سازندے بیٹھے ہوئے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کر سلام کیا اور "قدم قدم پر خیر" کی دعائیں دینے لگے۔ ذیلدار نے کہا۔ "دیکھ آئے صاحب؟" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جی دیکھ آئے۔ آپ آج چار پانچ آدمیوں کو بھیج کر کسی اونچے درخت پر نالے کے قریب کسی درخت پر

مچان بندھوا دیں۔ ہم کل شام کو ایک بکرا لے کر جائیں گے اور وہیں بیٹھیں گے۔ ممکن ہے دو تین راتوں میں کوئی نتیجہ نکل آئے۔" ذیلدار "اسی وقت' صاحب اسی وقت۔" کہتا ہوا اٹھ کر چل دیا۔ میں گلابو اور تابو وغیرہ کی طرف مخاطب ہوا۔ تابو نے کہا۔ "دربار رات کو اس لڑکی کو پہلی بار محفل میں لائے تھے ہم آپ کی وجہ سے ہمیں بڑا دکھ ہے کہ آپ اس کا گانا نہ سن سکے۔"

"کوئی بات نہیں تابو پھر کبھی سن لیں گے۔" میں نے بھاسکر کو اپنے سوٹ کیس کی چابی دیتے ہوئے کہا۔ "انہیں پچاس روپے دے دو بھاسکر۔ وہ سوٹ کیس کھولنے لگا۔ تابو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دربار' آپ ہی کا دیا ہوا کھاتے ہیں ...... ہم تو یہ کہنے ......"

میں نے ہنس کر کہا۔ "کیوں جھوٹ بول رہی ہو تابو .... سب کو بھگوان دیتا ہے۔ یہ اور بات ہے تولنے میں ڈنڈی مار جاتا ہے۔ کس کے پلے پڑتا ہے کسی کے نہیں۔" گلابو اور تابو کھکھلا کر ہنس دیں۔ سازندے صرف مسکرا کر رہ گئے۔ ایک بڈھے نے سلام کرتے ہوئے کہا۔ "سرکار آپ نے ایسی بات کہی ہے کہ ..... بس کیا عرض کروں؟" میں اس کے گریز پر ہنس دیا۔ بھاسکر نے سوٹ کیس سے روپے نکال کر میرے سامنے کر دیئے۔ میں نے پچاس روپے تابو کو دے دیئے۔ سب نے ہزاروں سال جینے کی دعائیں دیں۔

تابو نے کہا۔ "دربار اس کا گانا کب سنو گے؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "لمبی قینچی چلانا چاہتی ہو تابو' شاید۔"

بولی۔ "نہیں سرکار یہ بات نہیں ہے۔ آپ قسم لے لیں۔"

میں نے کہا۔ "پھر؟ اور کیا بات ہے؟"

کہنے لگی۔ "سرکار ابھی سے اتنا اچھا گاتی ہے کہ راج دربار میں ایسی کم ہوں گی۔ ہم چاہتے ہیں آپ ایک بار سن لیں۔ اگر آپ سمجھیں کسی قابل ہے تو شری حضور کے دربار میں بلوا لیں۔"

میں ہنس دیا۔ "سنو تابو۔ اگر میں نے اس کے گانے ناچنے کی تعریف کی تو شری حضور کہیں گے شکار کھیلنے کے بجائے میں راجہ اندر بنا بیٹھا رہا ہوں۔"

وہ ہنس دی۔ "سرکار۔ وہ تو آپ ہیں۔ اگر آپ کے راجہ اندر ہونے سے غریبوں کا بھلا ہو جائے تو کیا ہرج ہے؟"

میں نے کہا "اچھا۔ آج رات پھر آ جاؤ۔ اگر واقعی اس میں کچھ جان نظر آئی تو میں مودی صاحب سے ذکر کروں گا۔"

"جیو دربار گھنے گھنے جیو۔" کہتے ہوئے وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر نکلنے لگے۔ گلابو چلتے چلتے رک گئے اور میری طرف دیکھا۔ میں نے مسکرا کر بھاسکر کی طرف دیکھا۔ وہ چابی میرے حوالے کر کے سگریٹ سلگاتا ہوا باہر کھسک گیا۔ گلابو نے میدان خالی دیکھ کر

کہا۔ "شیام میں رات بھر سوئی ہوں تو قسم لے لو۔ ہر مرتبہ کتے بھونکنے پر باہر نکل آتی تم کہ شاید تم آ گئے۔ لیکن تم کہاں آنے والے تھے ..... آج آؤ گے؟"

"کوشش کروں گا ..... ابھی مجھے بھاسکر پر زیادہ بھروسہ نہیں ہے۔"

"اچھا پھر تم نہ آنا۔ میں تابو کو لے کر یہاں آ جاؤں گی۔ تابو بھاسکر کو سنبھال سکتی ہے۔"

"کل سہی گلابو۔ میں آج کل سے بہتر ہوں۔ کل آج سے بہتر ہونگا۔"

"مجھے نیند نہیں آئے گی شیام۔

"تم یہاں آگئیں تو پھر مجھے بھی نہیں آئے گی۔"

"اچھا شیام۔ ایک وعدہ کرو۔"

"کیا۔۔؟"

"تم مجھے ولاس پور بلاؤ گے۔"

"گانا سننے کے بعد وعدہ کروں گا۔ اگر تم ٹھس نکلیں تو مہاراجہ اس بنا پر تو تمہیں لانے سے رہے کہ تم ان کے باڈی گارڈ کو چاہتی ہو یا ان کا باڈی گارڈ تمہیں چاہتا ہے۔"

"منظور ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "چیز کھانے کو پیسے نہیں دو گے شیام؟" میں نے جتنے نوٹ میرے پاس پڑے تھے سب اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اس نے مسکرا کر بلاؤز کے مخروطی ابھاروں میں غائب کر دیئے۔ مجھے ہنسی آگئی۔ مسکرا کر قریب آتی ہوئی بولی۔ "کس بات پر ہنسے؟"

"سوچ رہا ہوں۔ یہ تمہارے مندر کے کلس یا ایڈورڈ ہشتم کی بوسہ گاہ" وہ کچھ نہ سمجھی۔ کیسے سمجھ سکتی تھی کہ میرا اشارہ نوٹوں پر چھپی ہوئی تصویر کی طرف تھا۔ "ہونہہ" کہہ کر مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی بھاسکر اندر آگیا تو میں نے ہنس کر کہا۔ "شیر دیر تو یہاں ہے نہیں مائی ڈیئر۔ شیرنی کا شکار کرنا چاہو تو اور چاہو گے کیا چاہنا پڑے گا۔ یہ کلس ہو چکا ہے۔"

وہ کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "سر آپ میرے افسر ہیں۔ جب آپ خود ہی مجھے دوستی کی دعوت دے رہے ہیں تو میں کہاں کا گم تم بدھ ہوں کہ سوتی چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔"

میں نے اٹھ کر اس کو سینے سے لگا لیا۔ "آج سے ہم دوست ہیں۔" اس نے ہٹ کر سیلوٹ کرتے ہوئے کہا۔ "تھینک یو سر۔"

تھوڑی دیر بعد ذیلدار کے ساتھ دو معمر آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں نے جھک کر درباری سلام کیا۔ میں نے جواب دے کر ذیلدار کی طرف دیکھا اور انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ذیلدار نے کہا۔ "یہ یہاں کے سفید پوش ہیں۔ سرکار دربار میں پوچھے

جاتے ہیں۔ عزت دار ور قابل اعتماد ہیں۔"

میں نے دونوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہئے شریمان میں کیا سیوا کر سکتا ہوں۔؟"

ایک نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔ "دربار ہم آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں۔ رات کو جن لڑکوں نے پاتروں سے چھیڑ چھاڑ کی ان میں دو لڑکے ہم دونوں کے ہیں۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "شریمان آپ میرے بزرگ ہیں معافی مانگ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ اپنے بچوں کو ڈانٹ دیں کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں دیہاتی لوگ تو اپنے گاؤں کی ہر بہن بیٹی کو اپنی بہن بیٹی سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتی ہوں۔"

دونوں نے بیک زبان کہا۔ "دربار ڈانٹا کیا ہم نے آج انہیں کھانا پانی بھی نہیں دیا۔ ہم آپ کے پاس تو اس لئے آئے کہ رات کو آپ بہت ناراض ہو گئے تھے۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو لات گھونسے مارے اور صبح ہی واپس بھگا دیا۔ اب عرض یہ ہے کہ ....."

"میں نے ان کو اس لئے سزا دی کہ وہ سرکاری آدمی تھے جن کا کام رعایا کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کرنا ہے نہ کہ خود ان کے لئے خطرہ بننا۔"

دونوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "دھنیہ ہو سرکار۔ پرجا رکھشک ہو تو ایسا ہو۔"

میں نے کہا۔ "یہ ہمارا دھرم ہے شریمان جی۔ آپ لوگوں کے بچوں کو تو صرف ڈرانا تھا اور وہ ڈر گئے۔ یہ کافی ہے۔" دونوں شریمان اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ ذیلدار نے کہا۔ "اب کھانا کھا لیں تو اچھا ہے دو تین گھنٹے آرام کر کے شام کو مچان کا معائنہ بھی کرنا ہے۔"

میں نے کہا۔ "جیسی آپ کی مرضی۔" وہ اٹھ کر کھانے کا انتظام کرتے چلا گیا اور میں آنکھیں بند کر کے اپنے کردار کا محاسبہ کرنے لگا۔ میری بلند اخلاقی اور پاکیزگی کے پس پردہ آوارگی اور مقصد براری کے سوا کچھ نہ تھا۔ گزشتہ شب اگر یہی عامیانہ حرکتیں گلابو کے سوا کسی دوسری لڑکی کے ساتھ کی گئی ہوتیں تو میں زیادہ سے زیادہ یہی کر تاکہ ناراض ہو کر چل دیتا۔ لیکن گلابو سے میرے کچھ عہد و پیمان تھے۔ اس لئے اس کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کر کے میرے انتقام سے کس طرح بچ سکتا تھا۔ بہرکیف مجھے کسی قدر افسوس بھی تھا کہ میں نے ان کو ضرورت سے زیادہ سخت سزا دی تھی۔ صرف اس خیال سے کہ ہزہائی نس ریاستی حکام کو غیر ضروری بالا دستی دینے کے خلاف تھے اور ایسے معاملات میں' جن سے رعایا میں ان کی مقبولیت براہ راست متاثر ہوتی ہو کسی جانبداری کے روادار نہ تھے۔ مجھے یقین تھا کھنگے اور اسمٰعیل کی مجال نہ تھی کہ وہ اس معاملے کو مہاراجہ تو درکنار اپنے افسروں کے نوٹس میں بھی لا سکیں۔ قانونی طور پر میں محفوظ تھا۔ غیر قانونی طور پر ان سے کمزور نہ تھا۔ سہ پہر کی چائے پینے کے بعد میں بھاسکر کو ساتھ لے کر "مچان" کا معائنہ

کرنے گیا۔ اور دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ مچان اناڑی پن کا شاہکار تھا۔ ڈھاک کے بلند
درخت پر ساٹھ ستر فٹ کی اونچائی پر چار لکڑیوں کے فریم پر رندہ کیے ہوئے تختے اور
لگا کر تخت طاؤس تیار کیا جا رہا تھا۔ چار بڑھئی اور دس بارہ مزدور کام میں جتے ہوئے تھے
مچان ابھی نامکمل تھا۔ شاید ان کے خیال میں شیر ایک پندرہ بیس فٹ چھلانگ لگانے و
درندہ نہیں بلکہ اڑنے والا پرندہ تھا اور شکری ایک معمولی سارجنٹ نہیں بلکہ خود ہزہائی ن
تھے میں نے ہنس کر بھاسکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی ہنس دیا۔ میں نے ایک بڑھئی سے کہا۔
بھئی اتنی محنت کیوں کر رہے ہو۔ سیدھا سادہ سا مچان باندھ کر پرال ڈلوا دی ہوتی۔"

بولا۔ "دربار آپ کے لئے کیا ہم کھیت کے رکھوالوں جیسا مچان باندھتے۔؟"

میں نے کہا۔ "اچھا۔ جیسی تمہاری مرضی۔"

بولا۔ "دربار بن جائے جب دیکھنا۔"

میں نے کہا۔ "زیادہ خوبصورت بنا دیا تو میں واس پور لے جاؤنگا۔" بھاسکر نے
ہلا کر چلنے کا اشارہ کیا اور ہم واپس ہو گئے۔

رات کو دس بجے ناچ گانے کی محفل سجائی گئی۔ تابو اور گلابو کے علاوہ دو پاتریں او
بھی آئی تھیں۔ آج شروع سے ہی نظم و ضبط قائم تھا۔ تمام لوگوں نے گزشتہ شب کے
واقعے سے سبق حاصل کر لیا تھا اور جنہوں نے شرارت کی تھی وہ پہچانے جانے کے خوف
سے آنے کی جرات ہی نہ کر سکے تھے۔ بارہ بجے تک وغیرہ ہو غیرہ کا ناچ گانا ہوتا رہا۔ اس
کے بعد گلابو کی باری آئی۔ اس کا ابتدائی کہروا ہی غضب تھا۔ وہ ایسے ایسے توڑ لے رہی
تھی جو رقاصہ نہیں ایک ربڑ کے جسم والی نٹ کی لڑکی ہی لے سکتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا اس
کے جسم میں ہڈیوں کے بجائے اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔ محفل پر سکوت طاری تھا اور
سارنگی بجانے والے استاد کے سوا' جو کبھی کبھی اس کی حوصلہ افزائی کے لئے "ٹھر کے بٹیا"
اور "جم کے بٹیا" یا کیا کہنے ہیں۔ "جراہٹ کے بٹیا" کے نعرے لگا رہا تھا۔ دوسری کوئی
آواز نہ تھی۔ ہر شخص ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا کہ کہیں پلک جھپکانے میں کوئی ٹھمکا نظر
سے نہ نکل جائے۔ ناچ ختم ہوتے ہوتے ہیں میں نے اور بھاسکر نے دس دس روپے
دیئے۔ پاندان کے تکلف کے سوا وہ ہر اعتبار سے شہر کی معروف رقاصاؤں کا جواب تھی۔
تھوڑی دیر پنکھا جھل کر پسینہ خشک کرنے کے بعد وہ گانا گانے کے لئے کھڑی ہوئی اور
موری ناج سرم تورے ہاتھ" سے گزرتی ہوئی درباری' شنکر' مالکونس وغیرہ سنا کر غزلوں پر آ
گئی۔ سرتال سے واقفیت کے علاوہ اس کی آواز میں بھی بلا کا لوچ تھا۔ میں مسحور ہو کر رہ
گیا۔ وقفے کے دوران سگریٹ سلگاتا ہوا سوچ رہا تھا۔ اتفاقیہ طور پر ٹوٹ کر میری گود میں آ
گرنے والا یہ بہشتی سیب کس قدر شیریں نکلا۔ لیکن کیا اس کی خاطر آدم کی طرح میرے
لئے جنت کو ترک کر دینا ممکن ہے؟ "شاید نہیں ...... تو کیا حضور جد امجد نے اس سیب کے

لیے بہت بڑی قربانی دی؟" میں خیالات کی رو میں بہتے بہتے بہکنے لگا۔ "نہیں ..... شاید یہ سرے سے قربانی ہی نہ تھی۔ ایک شدید جسمانی مطالبہ تھا جس کی آسودگی کے لئے اس ایک سیب کے سوا کوئی دوسرا سیب تو کجا گندم کا دانہ تک نہ تھا۔ چنانچہ بڑے ابا حضور نے اسی کو بغل میں دبایا' جنت کو بائی بائی ٹاٹا کہا اور آنکھیں بند کر کے زمین کی طرف چھلانگ لگا دی۔ یہ پہلا پیرا شوٹ جمپ تھا۔ جو اگر بڑی اماں حضور کے علاوہ کوئی دوسری سائڈ ہیروئن دستیاب ہوتی تو ہرگز نہ لیا جاتا۔ ہائے رے ایک سلپ کہ لغزش کہیں جسے۔ ہمارا بیڑہ غرق ہونا تھا۔ اور وہ بھی سیبوں کے انبار میں۔" سازوں سے ابھرتی ہوئی موسیقی نے مجھے خیالات فاسدہ کے جال سے نکالا اور میں نے سگریٹ کا کش لے کر گلابو کی طرف دیکھا۔ اس نے الاپ لے کر گردن کے ایک جھٹکے کے ساتھ مسکرا کر میرے چہرے پر نظر ڈالی اور بھیروں کے بول شروع کر دیے۔ "پیا سونے دے میکا جگی ساری رات۔"

آواز کے زیروبم اور زرت کے چلت پھرت نے میرے جذبات میں ہلچل مچا کر رکھدی۔ کرسی سے اٹھ کر ایک نوٹ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور "تمہارے گانے سے مجھے بھی نیند آ گئی۔" کہتا ہوا بیٹھک کی طرف چل دیا ...... میرے ساتھ ہی بھاسکر بھی اٹھ گیا۔ میں سلیپنگ سوٹ پہن کر بستر پر بیٹھ رہا تھا کہ وہ گانا ختم کر کے رخصتی سلام کرنے کے بہانے تابو کے ساتھ چھم چھم کرتی بیٹھک میں آ گئی اور مسکرا کر کہنے لگی۔ "کیسا گاتی ہوں میں شیام؟"

اسی وقت ذیلدار کو داخل ہوتے دیکھ کر بات بدلتے ہوئے بولی۔ "شیام کلیان کیسا گایا میں نے حضور۔؟"

ذیلدار نے کہا۔ "تیری ایسی کی تیسی۔ شیام کلیان کب گایا تو نے کیا بالکل اناڑی سمجھتی ہے ہمیں؟"

ہنس کر بولی۔ "آپ کو نہیں شریمان چاچا جی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی دربار کو راگ راگنی کا کچھ گیان ہے یا نہیں۔ آپ سچ کہتے ہیں۔ میں نے ایمن کلیان گایا تھا۔ اچھا نمستے نمستے دربار۔"

میں نے کہا "تم بہت اچھا گاتی ہو گلابو۔ ناچتی بھی خوب ہو۔ جاؤ آرام کرو۔" وہ دونوں جھک کر سلام کرتی ہوئی روانہ ہو گئیں۔

شام کو چار بجے ہم پھر مچان دیکھنے گئے۔ کام ختم کیا جا چکا تھا اور سوتی رسوں کی سیڑھی لٹکائی جا رہی تھی۔ میں نے بھاسکر کو چڑھ کر دیکھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مچان پر چڑھا اور دیر تک جنگل کا تفصیلی جائزہ لے کر نیچے اترا تو مسکرا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا ہے" تو بولا۔ "صاحب اور تو جو کچھ ہے وہ ہے' لیکن یہ مچان۔ معلوم ہوتا ہے اڑن کھٹولا نیچے اترتے اترتے درخت میں پھنس گیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہیں سے نظر آ رہا ہے۔"

بولا "سر لیکن شیر تو یہاں ہے نہیں۔ صرف مچان کی خوبصورتی سے کیا شری حضو
خوش ہو جائینگے۔؟"

میں نے اس کا بازو پکڑ کے کہا۔ "آؤ واپس چلیں ...... کل سے ڈرامہ شروع ہ
گا۔"

اس نے چلتے چلتے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ "ڈرامہ کیا صاحب؟"

میں نے ہنس کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس جنگل میں شیر نہیں ہے۔ لیکن
دیکھو گے کہ ڈراپ سین میں ایک شیر' چیتا یا تیندوا ضرور آئے گا اور شری حضور ہمیں
انعام دیں گے۔"

"اور کیا چاہئے ہمیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "کسی طرح خالی ہاتھ نہ جائیں
اور سب کچھ گوارا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "آج آرام کرینگے۔ کل مچان پر رات گزار دیں گے
پرسوں شام کو چپ چاپ ڈاج لے کر غائب ہو جائیں گے اور لوٹیں گے تو گاڑی میں ہزہائ
نس کی خوشنودی کا سامان ہو گا۔"

"ایسی کونسی جگہ ہے صاحب جہاں ......"

"ابھی نہیں بتا سکتا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"مجھے بھی سسپنس میں رکھنا چاہتے ہیں آپ؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ سسپنس ہی سمجھو ...... کم از کم کہانی کے کلائمیکس کو پہنچنے تک تو میں سسپنس
قائم رکھنا ہی چاہتا ہوں۔ بہرکیف دوسرا' جس کا تعلق تمہاری ذات سے ہے' ختم کر سکتا
ہوں۔"

وہ ہنس دیا۔ "کیا سر؟" اس نے پوچھا۔

"تابو۔" میں نے کہا۔ "وہ آج آ رہی ہے۔"

"اور گلابو نہیں کیا صاحب؟"

"وہ بھی اس کے ساتھ آ رہی ہے ..... لیکن تمہیں اس کو تابو کے زریعے کہلوا دینا
ہے کہ تمہارا شیام زخمی ہے۔"

وہ چلتے چلتے رک گیا اور گھبرا کر بولا۔ "کیا واقعی سر؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

بولا۔ "پھر میرا خیال ٹھیک ہی تھا صاحب۔"

"تم کو کیسے خیال آیا۔۔؟"

"پہلی رات جب آپ نے اسماعیل پر پستول نکالا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا آپ ضرور
زخمی ہیں۔ ورنہ اس کی گستاخی پر گھونسہ لگائے بغیر نہ رہتے۔"

میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تم نے بڑی حد تک صحیح سمجھا۔ لیکن بھاسکر میں غصے میں بھی گھونسہ نہیں مارتا۔"

"لیکن یہ کیسے ہوا؟"

"ہو جایا کرتا ہے بھاسکر ڈیئر۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک حادثہ تھا ہو گیا۔ ویسے بھی میرے جسم میں کچھ زیادہ ہی خون تھا۔ اور پڑا پڑا خراب ہو رہا تھا۔" وہ میری صحت سے متعلق چند دعائیہ کلمات کہہ کر خاموش ہو گیا۔

رات کے دس بجتے ہی گاؤں میں سناٹا چھا گیا۔ بازار سرے سے تھا ہی نہیں۔ مختلف مقامات پر شارع عام پر اور کہیں کہیں گلیوں میں اکا دکا دکانیں کھانے پینے کی چیزوں کی۔ بساط خانے اور کپڑے وغیرہ کی تھیں جو سر شام ہی بند ہو جایا کارتی تھیں۔ سب سے زیادہ بارونق اور دیر تک کھلی رہنے والی دکانیں حلوائیوں کی تھیں۔ جہاں مٹھائیاں اور دودھ وغیرہ فروخت ہوتا تھا لیکن وہ بھی بند ہو چکی تھیں اور اس وقت ہر جگہ تاریکی اور خاموشی تھی۔ بھاسکر چند منٹ پہلے میرے کمرے میں آیا تھا اور ہم بیٹھے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے۔ زیلدار کھانا کھانے کے بعد فوراً" ہی حویلی میں چلا گیا تھا۔ اسے معلوم تھا ہم دونوں پیتے ہیں اس لئے کھانے کے بعد وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا تھا۔ ادھر ادھر کی دو چار باتیں کرنے کے بعد بھاسکر نے مسکرا کر پوچھا۔ "صاحب کیا آپ نے ان کو آنے کے لئے کہہ دیا تھا؟"

میں نے کہا۔ "نہیں۔ لیکن وہ ضرور آئینگی۔"

"سر۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "شیام کا لفظ سن کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ پچھلی مرتبہ میری غیر حاضری میں آپ بانسری بجا چکے ہیں۔ اسی لئے آپ کا دعوی کہ وہ ضرور آئینگی محض قیاس نہیں، تجربے کی بنا پر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انتظار آخر کب تک اور کیوں؟" دور گلی میں کتے بھونکنے کی آواز آئی اور میں اسکو جواب دیتے دیتے رک گیا۔ کتے زور زور سے بھونکنے لگے۔ میں نے بھاسکر کی طرف دیکھا۔ وہ اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے بستر پر دراز ہو کر دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے اور روپا کے طرز عمل سے پیدا ہونے والے خطرات پر غور کرنے لگا۔ وہ شروع ہی سے ابنارمل تھی۔ اور اب تو معلوم ہوتا تھا اس کا دماغی توازن بگڑ چکا ہے۔ وہ کسی بھی لمحے ایسی قیامت برپا کر سکتی تھی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے اپنا انجام قریب نظر آنے لگا۔ بیٹھک کے عین سامنے چوک میں ایک کتے کے بھونکنے اور بھاسکر کے اس کو ڈانٹنے کی آواز سن کر میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا اور میں نے بستر پر اٹھتے ہوئے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ جس وقت سگریٹ سلگا رہا تھا بھاسکر گابو کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا۔ ان دونوں کے پیچھے تابو تھی۔ گابو نے مسکرا کر کہا۔ "آخر مجھ کو آنا پڑا نا؟"

"تو کیا ہوا؟" میں نے تابو کو دروازہ بند کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کون

سے تار ٹوٹ گئے ستار کے؟"

وہ ہنس دی "اچھا نہیں ٹوٹے شیام۔ اب بیٹھنے کو بھی نہیں کہو گے کیا؟"

میں نے تابو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پہلے ان دونوں کو پھوٹنے دو۔"

بھاسکر نے گلابو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "گلابو بائی' میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ صاحب زخمی ہیں۔ اس لئے نہ آسکے ورنہ تمہارے پاس وہیں۔"

گلابو نے کہا۔ "ہم بھی گھائل ہیں۔ دونوں برابر ہو گئے۔"

تابو اور بھاسکر کواڑ کھول کر باہر نکل گئے۔ گلابو نے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ "کدھر سے زخمی ہیں حضور؟" اس نے پلٹ کر قریب آتے ہوئے کہا۔

میں نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بالائی منزل کا پلاستر اکھڑ گیا ہے۔" اس نے میرے سر سے رومال ہٹا کر دیکھا اور چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ "ٹانکے لگے ہوئے ہیں۔ کیسے ہوا یہ شیام؟"

"گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ بیٹھ جاؤ۔" وہ پلنگ پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ میرا سر دبانے لگی۔ چند منٹ بعد بولی۔ "شیام برا نہ ماننا۔ لیکن تم گھوڑے سے گرتے تو شری حضور تمہیں شکار کو کبھی نہ بھیجتے۔"

میں نے ہنس کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تو پھر کیسے زخم آیا تمہارے خیال میں؟"

"مجھے کیا معلوم۔ پر اتنا سمجھ سکتی ہوں کہ کوئی ایسی بات ہے ..... جو......"

"مثلاً "کیا۔؟"

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"چھوڑو شیام۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے ولاس پور لے چلو۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی۔" مجھے ہنسی آگئی۔ بستر پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں جلد بلواؤں گا۔ لیکن تم وہاں زیادہ سے زیادہ مہینے میں ایک دو مرتبہ گانے کے لئے آیا کرو گی۔ راج محل میں رہنے کون دے گا تمہیں اور پھر میری حفاظت تم کرو گی؟ ..... تم؟"

وہ مسکرا دی۔ "تمہیں کیا معلوم شیام۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"میرے خیال میں تمہیں ولاس پور جانے کے بجائے ..... شادی کر لینی چاہئے گلابو۔ شہر میں تم۔" میں آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

وہ بولی۔ "میں سمجھ گئی شیام۔ لیکن میں ایسا نہ کروں گی .... تم مجھے اپنی نگرانی میں رکھنا ......"

"میں راج محل سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

"تو پھر میں یہیں رہوں گی۔ تم میرے آنے جانے کے لئے گاڑی کا انتظام کرا دینا اور کبھی کبھی آتے رہنا۔"

"یہ کوشش کر سکتا ہوں۔"

"یہ بہت ہے۔ اس وقت سر دبانے کے علاوہ اور کیا خدمت کروں؟"

میں ہنس دیا۔ "شکریہ گلابو ...... یہ بتاؤ میں تمہارے لئے اور کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم نے بہت کچھ کر دیا۔ شیام ...... میرے پاس تمہارے دیئے ہوئے اڑھائی تین سو روپے ہیں۔ یہی چھپانے مشکل ہو رہے ہیں۔ اگر زیادہ ہو گئے تو ماں باپ وہی کر ڈالیں گے جو تم نے ابھی کہا۔"

میں نے کہا۔ "شادی؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے کہا۔ "تو اچھا تو ہے۔"

مسکرا کر بولی۔ "میری شادی ہو چکی ہے شیام۔ صرف ڈھول نہیں بجائے گئے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ میں دوبارہ بیاہی جاؤں؟"

میں نے کہا۔ "نہیں گلابو۔"

"تو پھر دوبارہ یہ بات زبان پر نہ لانا۔ جب تک کہ میں خود ذکر نہ چھیڑوں۔"

"اچھا۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ پینا چاہتی ہو؟"

اس نے نظریں گھما کر میری طرف دیکھا اور بولی۔ "میں نے کبھی نہیں پی شیام۔ کیا تم مجھے پلانا پسند کرتے ہو؟" میں نے نفی میں گردن ہلائی۔

"تو پھر کیوں کہا؟"

"میں سمجھا تھا شاید تم پیتی ہو گی۔ دیسی یا خود ساختہ میں تمہیں انگریزی پلاتا۔"

"شکریہ جناب۔ آپ نے خوب سمجھا۔ شاید آپ نے یہ بھی سمجھا ہو گا کہ میں۔"

اس نے میرے سینے سے سر لگا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں نے اس کا سر سینے سے ہٹا کر منہ چوم لیا اور کہا۔ "نہیں اتنا احمق بھی نہ سمجھو۔"

"تو پھر اگر میں تمہارے خواب دیکھتی ہوں تو کیا غلط ہے کیا۔ مجھے یہ حق نہیں۔؟"

"تمہیں حق ہے۔" میں نے زچ ہو کر کہا۔ "لیکن خواب دیکھنے سے فائدہ ---؟"

"اس وقت نہیں۔ کچھ دن بعد میں تم سے پوچھوں گی۔ شیام بتاؤ میں کس کے خواب دیکھوں ...... اور ...... اور .... خیر جانے دو۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"کہہ ڈالو گلابو۔" میں نے اس کی کمر تھپتھپا کر کہا۔

اس نے میرے بازو پر آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔ "اور وہ ایک شریف زادے کی غیرت کا امتحان ہو گا۔" میں اس کی بات سن کر چکرا گیا۔ جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس کا سر سینے سے لگا کر بالوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھے بھینچ لیا۔

دوسرے روز شام کو چار بجے ہم نے مچان کے قریب ایک بکرا بندھوایا اور کھانے

سے فارغ ہونے کے بعد بندوقیں لے کر مچان پر پہنچ گئے۔ تمام رات میں بے خبر پڑا سوتا رہا اور بھاسکر بکرے کی آوازیں سن سن کر جمع ہونے والے گیدڑوں کو بھگاتا رہا۔ صبح چائے کے وقت ہم واپس آ گئے اور رات کو شیر کی موجودگی کا افسانہ گھڑ کے چند لوگوں کو سنا دیا۔ تھوڑی دیر میں یہ خبر تمام گاؤں میں پھیل گئی اور لوگ جنگل میں جاتے ہوئے ڈرنے لگے۔ مویشی چرانے والے بھی گاؤں کے حدود سے باہر نہ گئے۔ پروگرام کی تکمیل کے لئے قرب و جوار کی تمام بستیوں میں خوف و ہراس پھیلانا ضروری تھا۔ بھاسکر تمام دن سوتا رہا۔ اور میں ذیلدار کے دوستوں کو شیر نظر آنے اور بچ کر نکل جانے کا واقعہ نپے تلے الفاظ میں سناتا رہا۔ خوف زدہ نہ ہونے کی تاکید کر کے زیادہ سے زیادہ خوف زدہ کرتا رہا۔ اور شیر کو ختم کئے بغیر واپس نہ جانے کا یقین دلاتا رہا۔ آج تمام دن بیٹھک میں غیر معمولی رونق رہی۔ شام کو میں نے ذیلدار کو اپنے خفیہ پروگرام سے آگاہ کیا۔ اور اس سے وعدہ لیا کہ ہمارے یہاں سے جانے کو صیغہ راز میں رکھا جائے۔ ہماری غیر حاضری کے دوران اگر کوئی دلاس پور سے آئے تو اس کے سوا کچھ نہ کہا جائے کہ ہم شکار کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔ باقی ہم خود سنبھال لیں گے۔ ذیلدار خوش تھا کہ ہم یہ سب کچھ اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

رات کو آٹھ بجے ہم نے اپنا تمام سامان ڈاج میں رکھا اور بڑودہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں آنے والے ہر شہر میں پٹرول پمپ پر چند منٹ پٹرول اور چائے کے لئے ٹھہرتے ہوئے ساڑھے گیارہ بجے بڑودہ پہنچ گئے۔ یہاں تھوڑی دیر آرام کیا۔ پٹرول ٹینک بھروا دیا اور رتلام کی طرف چل دیئے۔ میں نے راستے میں بھاسکر کو اقبال سنگھ کے متعلق بتایا اور اپنے پروگرام کی وضاحت کی۔ وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ مالوے کا جنگل، شیر، چیتے اور ریچھ وغیرہ جیسے خطرناک جانوروں سے بھرا پڑا ہے اور موسم گرما میں انگریز شکاری دور دور سے شیر کے شکار کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ اسے یہ سن کر تعجب ہوا کہ اقبال سنگھ کو نان میٹرک ہونے کے باوجود ڈی ٹی ایس نے محض اس بناء پر گارڈ کی حیثیت سے ریلوے میں لے لیا ہے کہ وہ ایک بہترین شکاری ہے اور دو تین سال کے عرصے میں پانچ چیتے اور تین شیر مار چکا ہے۔ مجھے خود بھی معلوم نہ تھا۔ اس وقت اس کا ٹوٹل اسکور کیا تھا۔ صبح سوا آٹھ بجے ہم رتلام پہنچ گئے اور جس وقت ہماری گاڑی اقبال سنگھ کے بڑے بھائی کے کوارٹر کے سامنے رکی وہ جافری میں یونیفارم پہن رہا تھا۔ "بالے" کہتے ہی وہ میری آواز پہچان کر باہر نکلا اور کار سے اترتے اترتے مجھ سے لپٹ گیا۔ کمر میں ہاتھ ڈال کر مزاج پرسی کرتا ہوا اندر لے گیا۔ اور کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "تیرا ٹیلیگرام ملا تھا نعیم۔ لیکن میں شیو رائٹ کے ساتھ شکار پر گیا ہوا تھا۔ چار پانچ روز بعد لوٹا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس لئے نہ آ سکا۔ ٹھہر میں تیرے لئے ناشتا لاؤں۔"

میں نے ہاتھ پکڑ کے کھینچ لیا۔ "میں جھٹکے کا ناشتہ کرنے کو نہیں آیا ہوں بے۔ پہلے یہ بتا کہاں جا رہا ہے؟"

بولا۔ "نو بجے والی فکسڈ ٹرین سے ناگدہ جا رہا ہوں۔ چلتا ہے؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "یہ بتا واپس کب آئیگا؟"

"شام کو چھ بجے۔"

"ناگدہ میں کتنا وقت فاضل ہو گا؟"

"تقریباً" چار گھنٹے۔ چل جنگل میں منگل منائینگے۔"

"اتنی دیر میں ایک شیر یا چیتا مار دینے کا وعدہ کرتے ہو تو چلتا ہوں۔"

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "دو ہیں۔ لیکن تیری والی کیا ہوئی؟"

"ہے تو لیکن بے بے بڑبڑائیگی۔"

"کہہ دینا ڈی ٹی ایس آیا ہوا ہے۔ جا جلدی لے آ اور بتا کار کہاں کھڑی کریں؟"

"لائن کے کونے پر نیم کے نیچے۔" اس نے چلتے چلتے کہا۔

میں اٹھ کر باہر نکلنے لگا تو پلٹ کر بولا "بے بے کو سلام نہیں کرے گا۔؟"

میں نے کہا۔ "شام کو واپسی پر ...... پونے نو بج رہے ہیں۔ اگر دس منٹ میں پلیٹ فارم پر نہیں پہنچے تو تیری گاڑی لیٹ ہو جائے گی۔ جا جلدی کر۔ ہم گاڑی کھڑی کر کے بندوقیں وغیرہ لے کر ٹرین پر جا رہے ہیں۔ کوئی بڑی چادر ہو تو کار پر ڈلوا دینا۔" وہ ہنس کر اندر چلا گیا۔

بھاسکر کو سیکنڈ کلاس میں بٹھا کر میں بریک وان میں اقبال سنگھ کے پاس آ گیا۔ راستے میں ناگدہ پہنچنے تک وہ میرے حالات پوچھتا رہا اور میں نے اسکے پسندیدہ موضوع کے سوا اپنی ترقی اور مہاراجہ کی نظر عنایت کے افسانے اتنے پھیلا کر بیان کیے کہ اس کو اپنے چچا چچی کی خیریت دریافت کرنے تک کا ہوش نہ رہا۔ آخر ناگدہ اسٹیشن پر اترنے کے بعد ویٹنگ روم میں میں نے اس کو کرنل گجندر سنگھ اور اس کے خاندان کی "کلکتا کے سا چار" دیئے۔ اپنی بہن۔ بہنوئی اور ان کے بچوں کے حالات پوچھے اور کھانا کھانے کے لئے ریفر یشمنٹ روم کی طرف چل دیئے۔ کھانے کے دوران میں نے اس کو اپنے سر کے زخم کے متعلق بتایا۔ وہ مجھے ریلوے ہاسپٹل میں لے گیا اور ڈاکٹر نے ٹانکے نکال کر ڈریسنگ کر دی۔ زخم بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر ویٹنگ روم میں ستانے کے بعد اقبال سنگھ نے کہا "آؤ تمہیں جنگل کی سیر کرا لاؤں۔"

میں نے کہا۔ "شکار کا کوئی چانس؟"

وہ ہنس کر بندوق اٹھاتے ہوئے بولا۔ "ہاں صاحب بہادر کی آمد کی خبر سن کر شیر اور

چیتے صف بستہ کھڑے ہونگے۔ جس کی طرف اشارہ کیجئے گا دم ہلاتا ہوا آگے بڑھ کر قدموں میں سر رکھ دے گا۔ سچ کہنا بے پہلے کبھی گیدڑ بھی مارا ہے؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "بارہ سنگھا مارا ہے۔ اور وہ بھی ٹھیک بارہ بجے۔ پھر آج تو ایک رتلام سے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ شیر نہ ملا تو وہی سہی۔"

"کیوں ولاس پور میں کوئی نہیں تھا کیا؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں ایک کرنل ہے لیکن وہ چاچا بن چکا ہے۔" میں نے بندوق اٹھاتے ہوئے کہا۔ "چل آگے ہو واگورو۔"

وہ ہنستا ہوا ڈیننگ روم سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم دونوں بھی نکل کر چلے گئے۔ مسافر خانے کے سامنے کھڑے ہوئے ایک تانگے میں سوار ہوئے اور شہر سے دوسری طرف جانے والی سڑک پر ہو لئے چند میل جانے کے بعد جنگل شروع ہو گیا۔ اقبال سنگھ نے تانگے والے کو ٹھہرنے کو کہا اور تانگے سے اتر کر پہاڑی نالے کی پلیا سے گزرتے ہوئے جنگل میں داخل ہو گئے۔ تین بجے تک میلوں کا چکر کاٹنے کے بعد ایک ٹیکری پر دو تین ہرن چرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اقبال سنگھ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "گرا دے دیکھیں۔"

"کونسا؟" میں نے بندوق سیدھی کرتے ہوئے پوچھا۔

"سینگوں والا۔" میں نے نشانہ لے کر ٹرائیگر دبایا۔ ہرن نے ایک چھلانگ لگائی اور ٹیکری سے نیچے آ رہا۔ دوسرے ہرن چھلانگیں لگاتے ہوئے جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ تینوں نے دوڑ کر تڑپتے ہوئے ہرن کو پکڑ لیا۔ گولی گردن توڑ کر شانے کی ہڈی میں رک گئی تھی۔ میں نے چاقو نکال کر ذبح کر دیا۔

شام کی ٹرین سے اقبال سنگھ ہرن لے کر چلا گیا۔ ہم یہیں رہ گئے۔ دوسرے روز وہ اسی ٹرین سے پانچ روز کی رخصت لے کر آنے کا وعدہ کر کے گیا تھا۔ میں نے اس کو سمجھا دیا تھا کہ ہماری آمد محض ذاتی نوعیت کی ہے اس لئے وہ کسی اور شکاری کو ساتھ نہ لائے۔

شام کا کھانا کھانے کے بعد ہم ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر کے آفس میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کہ کانٹا بدلنے والا ایک دیہاتی کو لے کر ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا "صاحب یہ آپ لوگوں کے آنے کی خبر سن کر آیا ہے۔ اس کے گاؤں کے قریب جنگل میں ایک چیتا ریوڑ میں سے کئی بکریاں لے جا چکا ہے۔" میں نے دیہاتی کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سلام کرتا ہوا آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "صاحب میں آنند پور بانس سے آیا ہوں۔ ہمارے ہاں ایک چیتا لاگو ہو گیا ہے۔ اگر آپ اس کو مار دیں تو بڑی کرپا ہو۔"

میں نے پوچھا۔ "تمہارا گاؤں یہاں سے کتنی دور ہے چودھری؟"

بولا۔ "چھ میل، پورب کی طرف پہاڑ کی تلہٹی میں ہے۔ ایک ندی کے کنارے۔"

ابھی چلو صاحب۔ ہم چار پانچ آدمی آئے ہیں۔ ہمارے پاس گھوڑے ہیں۔ دو تین کوتل ہیں، آپ لوگوں کے لئے۔"

میں نے بھاسکر کی طرف دیکھا۔ بھاسکر نے کہے۔ "بابو اقبال سنگھ کو آ لینے دیجئے سر۔"

"تمہیں ہمارے متعلق کس نے بتایا چودھری؟" میں نے پوچھا۔

ایک تانگے والے نے ہمارے گاؤں کے ایک آدمی سے ذکر کیا تھا کہ رتلام سے شکاری آئے ہوئے ہیں۔ اس نے آ کر مجھے بتایا۔ میں کھیا ہوں صاحب اگر آپ مہربانی کر کے چلیں تو بڑا احسان ہو گا۔ ہم بہت پریشان ہیں۔ رات کو کوئی گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اور سارے گاؤں میں ایک بھی بندوق نہیں ہے ..... برچھے بھالے، کلہاڑیاں اور تلواریاں ہیں سو ان سے شیر چیتے تو نہیں مارے جا سکتے۔"

میں نے کہا۔ "چودھری گھبراؤ نہیں۔ کل ہمارا بہترین شکاری دوست دوپہر کی گاڑی سے آ رہا ہے۔ تیسرے پہر ہم آنند پور میں ہوں گے اور چیتے کو مارے بغیر واپس نہ ہوں گے۔"

وہ کہنے لگا۔ "پھر ہم رات کو یہیں ٹھہرتے ہیں سرکار۔ کل آپ کو ساتھ لے کر ہی جائینگے۔"

"بہتر ہے" میں نے کہا۔ "لیکن ٹھہرو گے کہاں؟"

"ٹھہرنے کا تو انتظام ہے صاحب ..... اچھا اجازت ..... میں کل دس ایک بجے حاضر ہونگا" وہ سلام کر کے چل دیا۔

ہمیں آنند پور بانس آئے ہوئے چار دن گزر چکے تھے۔ اقبال نے وسط جنگل میں ایک درخت پر مچان بندھوایا تھا اور ہم مسلسل تین راتیں اس میں بیٹھ کر گزار چکے تھے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بکرا بندھا رہتا اور چیتا گاؤں میں کسی نہ کسی باڑے میں گھس کر بکری بھیڑ اٹھا کر غائب ہو جاتا۔ میں رات بھر جاگنے اور تمام دن سونے سے بری طرح تنگ آ چکا تھا اور اقبال سنگھ کو یہاں سے چل دینے پر ابھار رہا تھا۔ لیکن وہ تیار نہیں ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کس مصیبت میں پھنس گئے۔

چوتھی رات ہم نے جنگل کو جانے کے بجائے کھیا کی حویلی کی چھت پر اڈا جمایا۔ یہ حویلی گاؤں کے سرے پر تھی اور درختوں اور جھاڑیوں کے سوائے کسی دوسرے مکان کی آڑ نہ تھی۔ سامنے کے رخ پر پانچ سو گز کے فاصلے پر پہاڑی تھی۔ دس بجے تک ہر آہٹ کتے بھونکتے اور دوڑتے بھاگتے پھرتے رہے لیکن اس کے بعد قطعی خاموش ہو گئے۔ ہم آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ اقبال نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ہمیں چپ ہونے کا اشارہ کیا۔ چند منٹ سکوت میں گزر گئے۔ دفعتہً ایک کتا تیزی سے بھاگتا ہوا حویلی کے پہلو والی

گلی میں غائب ہو گیا وہ اس قدر سہما ہوا تھا کہ غرانا بھی بھول گیا تھا۔ ہم چوکنے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اسی وقت چیتا ایک مکان کے احاطے کی باڑ سے چھلانگ لگا کر جھاڑیوں کی طرف دوڑا۔ اس کے منہ میں ایک بھیڑ کی گردن دبی ہوئی تھی۔ حویلی سے اس کا فاصلہ ڈیڑھ سو گز کے قریب تھا۔ ہم تینوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اقبال کی پیشانی پر بندھی ہوئی ٹارچ سے ایک تیز شعاع نکلی۔ روشنی پڑتے ہی چیتے کے منہ سے بھیڑ چھوٹ کر گر پڑی اور اس نے پلٹ کر دیکھا۔ تینوں رائفلوں نے شعلے اگلے اور چیتا ایک چھلانگ لگا کر چت ہو گیا۔ تڑپ کر اٹھا اور پھر چھلانگ لگائی اور غرا کر گر پڑا۔ میں نے تیسری مرتبہ چھلانگ لگانے کی کوشش کرتے دیکھ کر بندوق سیدھی کی تو اقبال نے ہاتھ بڑھا کر پکڑتے ہوئے کہا۔

"کیوں کھال کا ناس مار رہا ہے۔ ختم ہو گیا۔ چل اٹھائیں۔"

مکھیا لالٹین لئے ہوئے اوپر گیا۔ "مار دیا صاحب بہادر؟" اس نے بے چینی سے کہا۔

اقبال نے سر گھما کر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ پڑا ہے" مکھیا دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑا۔ چیتا ہاتھ پاؤں رگڑ کے ٹھنڈا ہو گیا۔ ہم مکھیا کو ساتھ لئے ہوئے نیچے اترے۔ تھوڑی دیر میں لوگ لالٹینیں لے لے کر نکلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مجمع ہو گیا۔ ہم نے مکھیا سے کہہ کر اسی وقت بیل گاڑی جتوائی اور چیتے کو اس میں ڈلوایا۔ آدھ گھنٹے تک مرد عورتیں اور بچے چیتے کو دیکھنے آتے رہے۔ اس اثناء میں پانچ چھ گھوڑے گھوڑیاں فراہم کر لئے گئے اور ہم اڑھائی بجے ناگدہ پہنچ گئے۔ چار بجے بمبئی جانے والی گڈس ٹرین کے بریک میں چیتے کو ڈلوایا اور چھ بجتے بجتے رتلام پہنچ گئے۔

گاڑی رکتے ہی ہم گارڈ کو ساتھ لے کر ریفرشمنٹ روم میں آئے۔ منہ ہاتھ دھو کر ناشتا کیا۔ چائے پینے کے بعد بھاسکر سے کار منگوا کر پلیٹ فارم کے آخری سرے پر بریک وان کے قریب رکوائی اور تینوں نے مل کر چیتے کو گھسیٹ کر نیچے اتارا اور کار کی پچھلی سیٹ کے درمیانی حصے میں ٹھونس کر دروازہ بند کر دیا۔ ریلوے لائنز میں آ کر بے بے کو سلام کیا۔ بمن اور بے بے کے لئے دو سو روپے بمشکل تمام اقبال کی جیب میں ڈالے اور بمن اور بہنوئی سے ملے بغیر اسی وقت ولاس پور کی طرف روانہ ہو گئے۔ بڑودہ میں دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کیا۔ گاڑی دھلوائی۔ موبل آئل اور پیٹرول ڈلوایا اور پھر چل دیئے۔ شام کو پانچ بجے دھاروبیڑہ پہنچ کر ذیلدار سے معلوم کیا کہ ولاس پور سے تو کوئی نہیں آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ خود ہی وہاں گیا تھا اور مودی صاحب سے کہہ کر آیا ہے کہ شکاری رات دن جنگل میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔

چھ بجے تک چیتے کی نمائش کرانے کے بعد چائے ناشتہ کر کے ولاس پور کی طرف چل دیئے۔ چیتے کو دو گولیاں لگی تھیں۔ ایک کنپٹی پر اور دوسری کولہے پر۔ میں نے تیسری گولی خالی جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ خواہ وہ کسی کی بھی ہو۔ دو گولیاں لگنے کے معنی تھے کہ

ہم دونوں ہی کامیاب شکاری تھے۔ راج محل پہنچتے پہنچتے ہم نے ہزہائی نس کو سنانے کے لئے افسانہ مرتب کر لیا۔ تاکہ دونوں کے بیانات میں تضاد پیدا نہ ہو جائے۔

ساڑھے سات بجے شیو' غسل اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم دونوں درباری لباس پہن کر کیپٹن دلیش مکھ کی محبت میں ہزہائی نس کو سلام کرنے کے لئے ادھر گئے۔ آٹھ بجے کھانا کھانے کے بعد طلبی ہوئی اور ہم ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ ہمارے پیچھے پیچھے چار آدمی کمبل میں لپٹا ہوا چیتا لے کر اندر داخل ہوئے۔ ڈرائنگ روم اس وقت راج کماریوں سے بھرا ہوا تھا۔ چیتا ہزہائی نس کے قریب رکھ دیا گیا۔ انہوں نے اٹھ کر سر سے پیر تک غور سے دیکھا۔ پلٹوا کر دیکھا اور بولے۔ "جوان پٹھا ہے کس وقت شکار ہوا نعیم؟"

"کل رات دو بجے کے قریب یور ہائی نس۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا؟ تو شاید اسی جگہ نہیں مرا۔"

میں نے کہا۔ "نہیں یور ہائی نس۔ پہلی گولی کولھے پر لگی تھی۔ کئی میل نکل گیا۔ رات کو تلاش نہ کیا جا سکا۔ صبح بڑی مشکل سے نظر آیا۔"

حملہ تو نہیں کیا-----؟"

"چھلانگ لگا کر بھاسکر کی طرف چلا ہی تھا کہ میں نے فائر کر دیا یور ہائی نس----- اور یہ گولی مہلک ثابت ہوئی۔"

"کتنا فاصلہ تھا-----؟"

"مشکل سے پچاس یا ساٹھ گز یور ہائی نس۔"

"شاباش ٹائیگر۔ ویلڈن بھاسکر۔ ہم دونوں کی کارکردگی سے خوش ہوئے۔" ہم نے جھک کر چرن چھو لئے۔ ہزہائی نے دونوں کی پیٹھ تھپکی اور کیپٹن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کل چار بجے دونوں کو پھر پیش کرو یشونت" کیپٹن نے سلام کیا اور ہم اٹینشن ہو گئے۔ ہزہائی نس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم دونوں کئی راتیں جاگے ہو گے نعیم؟ دو روز آرام کرو۔"

میں نے کہا۔ "یور ہائی نس میں کل ڈیوٹی پر آؤں گا۔ یہ تمام ہفتہ آرام ہی میں گزرا ہے دن بھر سوتے رہے ہیں۔

مہارانی نے کہا۔ "ٹھیک ہے ٹائیگر کل ضرور آؤ۔"

مہاراجہ ہنس دیئے۔ "واقعی ٹائیگر ہم بھی اکثر سوچتے ہیں تم ہمارے دربال ہال کی شوبھا ہو۔" میں نے پھر جھک کر ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے اور سیدھا ہونے لگا تو یشودھرا کے چہرے پر نظر پڑی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

ہزہائی نس کے ڈرائنگ روم سے لوٹے تو کیپٹن نے بھاسکر سے کہا۔ "تم تو کل چھٹی مناؤ بھاسکر۔ ہاں تین بجے اسی طرح ٹپ ٹاپ ہو کر میرے پاس پہنچ جانا۔" بھاسکر سیلوٹ کر کے روانہ ہو گیا۔ کیپٹن مجھے ساتھ لئے ہوئے بنگلے میں داخل ہوئے۔ ڈرائنگ روم میں

آتے ہی برب کو الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا "سر میں اس باادب باملاحظہ وردی میں بھنچا جا رہا ہوں ...... اگر ...."

میری بات کاٹ کر بولے۔ "پچھلے سال کی سلی ہوئی ہے نا .... تم اس تیزی سے پھیل رہے ہو کہ ربر کی فلیکسیبل یونیفارم تمہارا سات دے سکتی ہے ..... سرکار زخم کیسا ہے اب؟"

"بھر گیا سر۔" میں نے ہیٹ اتار کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔" اب حکم ہو تو ......"

انہوں نے گردن کے جھٹکے سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دس منٹ میں واپس۔"

میں سلام کر کے تیزی سے باہر نکل گیا۔ یونیفارم اتار کر واسو کے حوالے کی اور سلیپنگ سوٹ پہن کر واپس پہنچا تو کیپٹن کے سامنے ساغرو مینا رکھے ہوئے تھے اور منہ سے سگریٹ لگا ہوا تھا۔ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "پیو اور پلاؤ۔" میں نے دو گلاسوں میں انڈیل کر کہا "آپ کی صحت کے نام" مسکرا کر ایک گھونٹ لیا اور گلاس ہونٹوں سے ہٹاتے ہوئے بولے۔ "نعیم تم نے اسماعیل وغیرہ کو وہاں سے کیوں بھگا دیا تھا؟"

میں نے گلاس خالی کر کے رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی وہ دونوں کچھ غلط ثابت ہونے لگے تھے۔ کیا انہوں نے آپ سے شکایت کی؟"

"ہاں۔ یہی ہیں وہ کئی دوستوں سے یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ تمہیں ایک پاتر سے دلچسپی ہے۔"

"آپ بھاسکر سے پوچھئے گا کہ کیا ہوا؟"

انہوں نے گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "کیا میں تمہارا یقین کرتا؟"

"تو پھر اس نے ..... میرا مطلب ہے اسماعیل نے پوری بات کہی۔ کیپٹن ڈیڈی۔ میں نے اس کو بھرے مجمع میں کک بھی لگائی ہے اس لئے کہ اس نے ایسی حرکت کی تھی کہ آپ یا ہزہائی نس ہو تو اسی وقت شوٹ کر دیتے۔" کیپٹن خاموش ہو گئے۔ میں نے گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا اور خالی کر کے رکھتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی سچ ہے کہ مجھے ایک گانے والی سے دلچسپی ہے۔ لیکن اس حد تک کہ وہ کسی طرح ہزہائی نس کے دربار تک پہنچ جائے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" انہوں نے چونک کر کہا۔

"وہ اس قابل ہے سر۔" میں نے ان کے گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے۔ اچھا گاتی ناچتی ہو ..... یا بہت خوبصورت ہو۔ دل میں گھسنے والے خطوط رکھتی ہو یا کچھ اور بلا ہو۔ لیکن دربار کے کچھ اور آداب بھی ہوتے ہیں جنہیں یہ راجہ نواب کسی طرح نظرانداز نہیں کر سکتے۔"

"مثلاً" کیا سر ــــــــ؟"

"چھوڑو کنڈ۔ ہو سکتا ہے...... تمہاری دل کشی ہو۔"

"آپ کی بات سے۔ میری دل کشی سر؟" میں نے کہا "اور کس لئے وہ میری کچھ نہیں ہے۔"

"دربار میں نٹنیاں اور کنجریاں پیش نہیں کی جا سکتیں۔ چاہے وہ اندر لوک سے آئی ہوں۔"

"میرا خیال تھا درباروں میں فن کے لحاظ سے۔ خیر اتنی زیادہ دلچسپی مجھے بھی نہیں۔"

"خدا کرے۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔ میں نے گلاسوں میں اور انڈیلی۔ اور گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں اب بالکل صحتیاب ہوں۔"

کیپٹن نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ "پھر؟...... کیا ارادہ ہے؟"

"خون کے بدلے خون سر۔"

"احمق مت بنو۔" انہوں نے کہا۔

"عقلمندی کا تقاضا کیا ہے سر؟ معذرت کا خط لکھوں؟"

"سب کچھ بھول جاؤ.... تم اچھے جا رہے ہو کنڈ۔ کل تمہیں انعام و اکرام کے لئے طلب کیا گیا ہے۔ ممکن ہے پروموشن لے مرو..... بات دب گئی ہے اس وقت اکھڑنے کا موقع نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔" میں نے ہنس کر سر جھکا لیا۔ مجھے خاموش دیکھ کر سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے بولے۔ "آج رات تم یہیں سو رہے ہو۔ اور میں تمہیں نو بجے سے پہلے نہیں جگاؤں گا۔" میں نے سگریٹ نکال کر سلگایا اور دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔ "تھینک یو سر۔"

صبح دس بجے میں ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔ ممتا نے چیتا شکار کرنے کی مبارکباد دی۔ ایڈی کانگ نے بھی اظہار مسرت کیا۔ آج میں معمول سے زیادہ ایکٹو تھا۔ روانگی کے وقت جس قسم کی الجھنوں میں گرفتار تھا وہ سب دور ہو چکی تھیں۔ بزرائی نس مزید مہربان نظر آ رہے تھے میرا ذہن بار بار ساوتری کی دانشمندی کی طرف منتقل ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اس وقت کامیابی کی طرف گامزن تھا۔ ورنہ حالات بالکل برعکس ہوتے۔ رات کو وہ ڈرائنگ روم میں موجود تھی لیکن میں اس کی طرف دیکھ بھی نہ سکا تھا۔ سوچ رہا تھا اگر آج اسموکنگ روم میں چائے پینے کا موقع بھی مل جائے تو۔ اپنا دل ہاتھوں پر رکھ کر اسے پیش کر دوں۔ پھر خود ہی اس شاعرانہ خیال پر ہنسی آگئی۔ دل پیش کرنے کا سلیس اردو ترجمہ عملی طور ٹوٹ کر چل دینے کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں ندامت محسوس کرنے لگا اور سگریٹ سلگا کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب روپا لفٹ سے نکل کر کاریڈور میں آئی۔ میں اس کو دیکھتے ہی آگے بڑھا۔ وہ مسکرا کر پلٹی اور لفٹ کی طرف چلنے لگی۔ میں نے قریب پہنچ کر کہا۔ "روپ کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

وہ لفٹ کے دروازے پر رک کر بولی۔ "تڑپ رہی ہوں نعیم۔ تم ٹھیک ہو گئے؟"
"میں بالکل ٹھیک ہوں روپ۔ لیکن تمہارے تڑپنے کی وجہ!"
"انتقام انتقام ...... میں بہت جذباتی ہوں ڈیریسٹ۔ لیکن اب مطمئن ہوں۔ تم گئے اور میں نے سو جان کا انتظام ......"
"یہ نہ کرو روپ ..... میں خود ......"
"نہیں ..... خیر وہ ہو گیا۔ چند روز میں سن لو گے وہ جھیل میں گر کر ڈوب گیا۔
مجھے اس کی باتیں سن کر پسینہ آ گیا۔ اس نے میرے چہرے سے گھبراہٹ کا اندازہ لگا لیا اور مسکرا کر بولی۔ "گھبراؤ نعیم؟"
میں نے نیچی آواز میں کہا۔ "قتل کسی مسئلے کا حل نہیں ہے روپ یہ مسائل پیدا کرتا ہے ..... میں ....."
"الفاظ ضائع نہ کرو نعیم ...... یہ ہو چکا ہے ...... اور کافی مہنگا پڑا ہے ...... اب بتاؤ کہاں مل سکتے ہو ..... میں تمہارے مکان پر نہیں آ سکتی۔" اسی وقت زینے پر آہٹ ہوئی۔ وہ لفٹ میں داخل ہو گئی اور میں کیبن کی طرف چل دیا۔
پونے چار بجے کیپٹن اور بھاسکر پہنچ گئے۔ میں نے باہر نکل کر سلام کیا۔ کیپٹن نے سر سے پیر تک تنقیدی نظر ڈال کر میرے ٹرن آؤٹ کا جائزہ لیا۔ نکٹائی گرہ ٹھیک کی، پینٹ کی کریز کو زاویے بدل بدل کر دیکھا اور بولے۔ "آؤ۔"
چند منٹ ایڈی کانگ کے چیمبرز میں سگریٹ پینے کا بعد ہم ہزہائی نس کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور سلام کیا۔ یہاں اس وقت مہارانی کے سوا ہزہائی نس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ مسکرا کر سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیتے ہوئے بولے۔ "لیفٹننٹ ہم نے نعیم کو سارجنٹ میجر پرموٹ کرنے کا اور بھاسکر کو پانچ سو روپے انعام اور تنخواہ میں دس روپے ترقی دینے کا فیصلہ کیا ہے ...... کیا کہتے ہو؟"
کیپٹن نے سر جھکا کر کہا۔ "یور ہائی نس بالکل ٹھیک ہے۔ اس سے زیادہ فیاضانہ انعام ان دونوں کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے؟"
مہارانی نے مسکرا کر کہا۔ "یور ہائی نس نعیم کو پانچ سو روپے میں اپنے پرس سے دیتی ہوں۔"

ہزہائی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "چلئے وہ بھی ہم دیئے دیتے ہیں یور ہائی نس۔"
کیپٹن نے کہا۔ "ایک ہی بات ہے۔ یور ہائی نس۔ انعام بہرحال ہرہائی نس ہی اپنے شبھ ہاتھ سے عطا فرمائینگی۔" دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس دیئے۔ کیپٹن منہ پھرا کر مسکرا دیئے۔ ہزہائی نس نے بزر دبایا۔ بغلی دروازے سے ساوتری اندر داخل ہوئی اور سر جھکا کر بولی۔

"آگیا مہاراج۔؟"

مہارانی نے کہا۔ "اسموکنگ روم سے مودی کو بھیجو ...... اور ان سب کے لئے چائے کا انتظام کراؤ۔" وہ سر جھکا کر اٹھتی ہوئی دروازے میں غائب ہو گئی۔ ہزہائی نس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "دھاروہیڑہ کا ذیلدار تمہاری تعریف کرتا ہے نعیم۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یہ آپ کے چرنوں کا پرتاپ ہے' یورہائی نس۔ میں ذیلدار صاحب کا شکر گزار ہوں۔"

مسکرا کہنے لگے۔ "ہم نے تمہاری شکایت ملنے پر اس کو بلایا تھا۔ اس نے بتایا۔ اسماعیل اور کھلکے نشے میں تھے سارجنٹ نعیم نے جو کچھ کیا وہ پرجا کے دل میں مہاراجہ کی محبت بڑھانے والی بات تھی۔"

"میری زندگی کا مقصد ہی اس کے سوا اور کیا ہے یورہائی نس کہ پرجا کے دل میں آپ کی محبت بڑھانے کی کوشش کروں۔ ان دونوں شکاریوں نے گاؤں کے لوگوں کے سامنے گھٹیا حرکتیں شروع کر دی تھیں مجھے مجبورا" ......"

"ہمیں معلوم ہے۔" ہزہائی نس نے کہا۔ "اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ڈسپلن رکھنے کے لئے طاقت استعمال کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے جو ہوا ٹھیک ہوا۔" اسی وقت مودی اپنے ساتھ ایک لڑکے کو لئے ہوئے اندر داخل ہوا جو دونوں ہاتھوں سے ایک آبنوسی کشتی تھامے ہوئے تھا۔ مودی نے ہزہائی نس اوز مہارانی کو جھک کر سلام کیا اور کیپٹن کو انعام کی مبارکباد دی۔ کیپٹن نے مہاراجہ اور مہارانی کی ذرہ نوازی کا اعتراف کر کے عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا۔ لڑکے نے آگے بڑھ کر کشتی مہارانی کے سامنے کر دی۔ انہوں نے ایک مخملیں تھیلی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ٹائیگر!"

میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور تھیلی اٹھا کر آنکھوں سے لگا لی۔ انہوں نے دوسری پر ہاتھ رکھ کر بھاسکر کا نام لیا۔ انعام دینے کے بعد ہزہائی نس نے کیپٹن کو اشارہ کیا اور وہ سلام کر کے ہمیں لے کر سموکنگ روم کی طرف چل دیئے۔ دروازے پر پرمیلا نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا اور راستہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ کیپٹن نے پرمیلا کی طرف دیکھ کر مرہٹی میں کہا۔ "تو کہاں سے آ دھمکی پرمیلا۔ تجھے دکھ کر تو میری بھوک بھاگ جاتی ہے۔"

وہ ہنس کر بولی۔ "اچھا تو ہے دادا (بڑے بھائی) پانچ پانچ تھالیاں صاف کرنے والے لے کر آئے ہو۔ ان کو فائدہ پہنچے گا۔" کیپٹن ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ میں نے چلتے چلتے رک کر کہا۔ "کہاں مل سکتی ہو شام کو؟" اس نے دیوار کی آڑ میں ہو کر انگوٹھا دکھا دیا۔ میں نے ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ کمرے میں ایک میز مٹھائیوں اور پھلوں کی پلیٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ میز کے دوسری طرف ساوتری کھڑی تھی۔ کیپٹن اور بھاسکر کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ میں دوسری طرف جا کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ ساوتری نے آہستگی سے جالی دار

خوان پوش اٹھایا۔ کیپٹن نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "بسم اللہ کرو۔"

ساوتری ہنس کر مرہٹی میں بولی۔ "نہیں ٹائیگر۔ ماں کی قسم بس نہیں ملایا۔ بے فکر ہو کر کھاؤ۔"

میں نے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔ "سر ہے کوئی جواب' ان آفت کی پرکالیوں کا؟"

کیپٹن نے مسکرا کر کہا۔ "بڑی تیز ہیں بھئی۔ ہزبائی نس سے بھی نہیں چوکتیں۔ ہم کیا چیز ہیں؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "ایسا تو نہیں ہے سر۔ ہم بھی چیز تو ہیں اور آپ تو پھر۔ بہت ہی بڑی چیز ہیں۔" کیپٹن اور بھاسکر ایک بجے کھانا کھا چکے تھے۔ میں نے اسی ضیافت کے انتظار میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ پلیٹ کے بعد پلیٹ خالی کرتا رہا۔ کیپٹن اور بھاسکر دیکھتے رہے۔ جب ختم کر چکا تو بولے۔ "شاباش میرے صف شکن۔"

ساوتری نے کیپٹن سے مرہٹی میں کہا۔ "خدا اس کی بیوی پر رحم کرے اگر وہ باورچن نہیں ہے۔"

کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "خدا کس کس پر رحم کرے۔ میں ان کے اس ذہانت آمیز جملے پر بھڑک اٹھا۔ دل چاہتا تھا اس معنی آفرینی پر انہیں داد دوں لیکن مصیبت یہ تھی کہ اتنی اردو وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ معنی آفرینی کا مفہوم سمجھ سکیں اور مثال دے کر میں انہیں نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اس لئے چپ ہو گیا۔ کیپٹن اٹھ کر واش بیسن پر ہاتھ دھونے گئے۔ ساوتری ان کے پیچھے پیچھے گئی اور ہینگر سے تولیہ لے کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ہاتھ پونچھتے ہوئے واپس آئے تو بھاسکر چلا گیا۔ میں نے دل میں سوچا۔ یہ موقع غنیمت ہے۔ بھاسکر واپس آیا تو میں نے جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر اس کے ہاتھ میں دیا اور بیسن کی طرف چل دیا۔ ہاتھ دھوتے دھوتے کہا۔ "ساوتری آج رات کو آ سکتی ہو؟"

بولی۔ "نعیم دل تو چاہتا ہے ابھی تمہارے ساتھ چلوں میری جان ...... لیکن تمہارے پاس آتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "کیوں پر -تما؟"

اس نے تولیہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم راجکمار بن چکے ہو نعیم-----"

میں نے کہا۔ "ساوتری میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں۔ راجکماریاں مجھ سے کھیل سکتی ہیں میری نہیں ہو سکتیں۔ تم میری ہو سکتی ہو۔ تم ...."

"میں تمہاری ہو چکی ہوں نعیم ...... میں آج ضرور آؤنگی لیکن سوچتی ہوں کہ اگر میرے آنے کے بعد پچھلے دروازے سے روپا کماری آ گئی تو میرا کیا ہو گا ...... تمہارا کیا ہو گا؟"

کو؟"

"وہ کہہ چکی ہے اب نہیں آئے گی۔ تم گیارہ بجے آ جاؤ۔ پلیز۔" میں نے چلتے چلتے کہا۔ وہ چائے لانے چلی گئی۔ میں سگریٹ سلگا کر میز کے سامنے ٹہلنے لگا۔ کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "زیادہ کھا گئے نا؟"

میں نے کہا۔ "ذرا بیلٹ ٹائٹ ہو گئی ہے سر۔ بیٹھ سکتا ہوں۔"

بھاسکر نے کہا۔ "سر دھاروہیڑہ میں ایک ایک سیر ربڑی کھڑے کھڑے پی جایا کرتے تھے۔ وزن میں میں بھی ان سے کچھ کم ہی ہوں۔ لیکن آدھ سیر بھی ہضم نہیں کر سکتا۔"

"بھاسکر میں اکثر سوچتا ہوں۔ چالیس سال کی عمر میں یہ کیا بلا بن جائے گا۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "سر آپ کو یقین ہے کہ میں چالیس سال کی عمر تک پہنچ سکوں گا۔"

کیپٹن ہنس دیئے۔ "نہیں اگر تمہارے چرنے کا یہی انداز رہا تو بہت پہلے ایک دھماکہ ہو گا اور تم واجد علیشاہ کے پڑوس میں پہنچ جاؤ گے۔"

"سر آج آپ جملے چست کرنے کے موڈ میں ہیں۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن کہاں راجہ بھوج' کہاں تنخواہ تیلی۔ میری ایک ماہ کی تنخواہ واجد علی شاہ کے پان کے ایک بیڑے کی قیمت سے بھی کم ہے۔ اس سے میرا کیا تقابل؟" وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ پرمیلا اور ساوتری چائے کی ٹرے لئے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ چائے پی کر ہم عقبی دروازے سے نکل کر نیچے آئے اور اپنے اپنے بنگلوں کو چل دیئے۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آٹھ بجے کھانا کھا کر میں نے تھیلی اٹھائی اور کیپٹن کے بنگلے پر پہنچا۔ وہ کھانا کھا کر چہل قدمی کرنے کے لئے نکل رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر اندر لوٹ آئے اور بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "تمہیں پروموشن کی خوشی میں چند لوگوں کو پارٹی دینا ہو گی نعیم۔"

میں نے الماری کھول کر تھیلی رکھتے ہوئے کہا۔ "دے ڈالئے سر۔ کیا مجھ سے کہنے کی ضرورت بھی ہے؟"

"اس سنڈے کو تین بجے .... ٹھیک رہے گا۔"

"ہر ڈے ٹھیک ہے سر .... جب آپ چاہیں۔" میں نے بوتل اور گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آدھی بھی نہیں ہے تو۔"

"پربھ سے دوسری نکلوا لو۔ لیکن مہمانوں کی فہرست بناؤ۔"

"سر یہ کام مجھے کہاں آتے ہیں۔ آپ اپنے اسٹینو سے بنوالیں تو بہتر ہو گا۔"

کیپٹن ہنس دیئے۔ "اچھا تو انڈیلو۔" میں نے دونوں گلاس بھر کے بوتل خالی کر دی اور پربھ کو آواز دی۔ وہ ڈرتا ہوا اندر آ کر بولا۔ "حکم صاحب بہادر۔" میں نے خالی بوتل

اٹھا کر دکھائی وہ سر جھکا کر پینٹری کی طرف چل دیا۔ میں نے گلاس اٹھا کر کہا۔ "سر یہ لبر جام۔ ہزہائی نس کی صحت کے نام۔"

کیپٹن نے آہستگی سے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "زندہ باد مہاراجہ۔" گلاس ہونٹوں تک پہنچے تھے کہ میجر برنی نے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "آخ چھیں------!"

کیپٹن نے ایک طویل گھونٹ لے کر کہا۔ "آیئے برنی صاحب۔" میں نے گلاس آدھا خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور کرسی سیدھی کر کے کہا۔ "بیٹھئے میجر صاحب۔" پرب نے نئی بوتل لا کر میز پر رکھ دی میجر برنی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کھولو سالی کو۔" وہ بوتل کھولنے لگا۔ کیپٹن نے کہا۔ "برنی صاحب اپنا ٹائیگر سارجنٹ میجر ہو گیا .... اور ......" میجر برنی نے مسکرا کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کانگریچولیشنز نعیم۔" میں نے مصافحہ کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور تیسرے گلاس میں انڈیل کر ان کی طرف بڑھایا۔ کیپٹن نے کہا۔ "اسے پانچ سو روپیہ انعام بھی ملا ہے میجر۔"

ہنس کر بولے۔ "او فائن۔ سب روپے کی وہسکی منگا لو کیپٹن۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "سر نفتی پر سنٹ مارجن رہنے دیں تو میں آپ کو اندر لوک کی اپسرا کا گانا سنوا سکتا ہوں۔"

میجر نے ہونٹوں سے گلاس ہٹا کر کہا۔ "کیا واقعی؟" میں نے کہا۔ "بالکل!" کیپٹن نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ "تو جانے دیجئے سر۔"

میجر برنی کیپٹن کی طرف دیکھ کر بولے۔ "کیوں کیپٹن کیا اعتراض ہے آپ کو؟"

"بولے۔" بے وقوف ہے .... نٹنی کو اپسرا کہتا ہے۔"

میجر نے اچھل کر کہا۔ "آہ' دستر خوان پر چٹنی اور ..... آگے کیا کہوں کیپٹن' آپ مہاتما گوتم بدھ ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اس حد تک جانا ممنوع ہے برنی صاحب۔ آپ اس کو اہانت سمجھیں گے۔"

کیپٹن نے کہا۔ "اسی لئے تو میں نے کہا تھا تم بے وقوف ہو یوکہ ماحصل ہوش۔"

میں نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ایز یو پلیز۔"

گیارہ بجے جب مجھے ہر چیز دگنے فاصلے پر دکھائی دینے لگی تو دونوں افسروں سے معذرت طلب کر کے لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا اور سنبھل سنبھل کر چلتا ہوا بنگلے پہنچ گیا۔ دروازے پر ہاتھ مارتے ہی کواڑ کھل گئے اور میں یہ دیکھ کر کھولنے والا کوئی نہ تھا اندر جاتے جاتے ٹھٹک کر رہ گیا۔ اسی وقت پیچھے سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میرا ہاتھ شکستہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور گھسیٹتی ہوئی جنگلوں کے کونے پر لے گئی۔ میرا نشہ ہرن ہو گیا۔ "کیا ہے

شکنتلا؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہارے بنگلے میں چار آدمی چھپے ہوئے ہیں۔" اس نے ادھر اودھر دیکھ کر سرگوشی کے لہجے میں کہا۔ "تم کیپٹن کے پاس چلے جاؤ ...... لیکن زبان نہ کھولو تو بہتر ہے۔"

"شکریہ پریتما۔" میں نے روشوں کی طرف چلتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ کون تھا ---؟"

"سو جان اور اس کے ساتھی' جنہیں میں نہیں جانتی۔ میں نے انہیں باتیں کرتے سنا۔ اور ان کے آنے کے چند منٹ بعد چھپتی چھپاتی یہاں آ گئی۔ اس وقت واسو سامنے والے دروازے پر ایک آدمی سے کہہ رہا تھا۔ "سارجنٹ صاحب کیپٹن کے بنگلے گئے ہوئے ہیں۔" میں اس طرف آئی تو وہ چاروں پچھلے دروازے سے بنگلے میں داخل ہو رہے تھے۔ میں نے سو جان کو پہچان لیا۔ کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اچھا جاؤ نعیم .... میری جان۔"

میں نے روشوں کی آڑ میں پہنچ کر اسے چوم لیا۔ وہ بھرائی ہوئی واز میں بولی۔ "یہ وقت محبت کرنے کا نہیں ہے نعیم .... خدا کے لئے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو۔ میں تمہاری ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے شکنتلا۔ تم نے میرے لئے زبردست بلیدان دیا ہے۔ لیکن تم لیس بھی تو ایسے حالات میں .... اچھا خدا حافظ جاؤ۔"

"نہیں۔" اس نے کہا۔ "میں تمہیں کیپٹن کے بنگلے میں جاتا دیکھ کر جاؤں گی۔"

"میں وہاں نہیں جا سکتا شکنتلا۔ یہیں رہوں گا۔"

"پھر میں بھی یہیں ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میرے پاس اس وقت پستول بھی نہیں ہے کہ ان سے لڑنے کا خیال کر سکوں۔ تم جاؤ میری جان۔"

"لیکن تم یہاں سے کیوں نہیں ہٹ جاتے؟"

"کوئی ایسی ہی بات ہے .... شکنتلا۔ پلیز تم چلی جاؤ ...... پلیز۔" میں نے کہا مجھے خوف تھا کہیں ساوتری آ پہنچی تو سو جان مجھے پھنسانے کے لئے فوراً" اس کو قتل کر ڈالے گا۔ شکنتلا کچھ دیر سوچتی رہی پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم ...... اور ...... کسی کا انتظار ......" میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ لیکن روپا کماری نہیں ایک وفادار دوست ہے۔ اب تو مان جاؤ پریتما اس نے بلاؤز کے نیچے سے ایک چھوٹا سا پستول نکال کر میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "الیون شاٹ۔ غضب کا نشانہ ہے لیکن پلیز استعمال نہ کرنا ڈیئر۔" میں نے ایک بار پھر اس کو چوما اور پیٹھ تھپک کر کہا۔ "گڈ نائٹ ڈیئر۔" وہ مسکرا کر روانہ ہو گئی۔ کچھ دور نکل گئی تو میں روشوں کی آڑ سے نکل کر بنگلوں

کے کونے پر آ گیا اور پچھلے دروازے کی طرف راستے کی نگرانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میجر برنی کیپٹن کے بنگلے سے نکل کر سامنے والی رو کے کونے پر آئے اور جھومتے جھامتے مخالف سمت میں چلتے ہوئے دوسرے بنگلوں کی طرف گھوم گئے۔ میں تیزی سے چلتا ہوا کیپٹن کے بنگلے پر پہنچا۔ وہ دروازے میں کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر بولے۔

"میں تمہارے پاس ہی آ رہا تھا نعیم ...... لیکن تم یہاں کیسے؟"

میں نے قریب پہنچ کر کہا۔ "گڑ بڑ ہے کچھ ڈیڈی۔"

چونک کر کہنے لگا۔ "کیا؟ اس رات جیسی؟"

"شاید زیادہ خطرناک۔ اندر تین چار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" وہ پلٹ کر بنگلے میں داخل ہوتے وئے بولے۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔"

میں آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا کونے کی طرف چلنے لگا۔ ایک آدمی نے میرے بنگلے سے گردن نکال کر جھانکا اور پیچھے ہٹ گیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں کونے کی آڑ میں ہو گیا۔ دو منٹ نہیں گزرے ہونگے کہ کیپٹن اسٹین گن لوڈ کرتے ہوئے میرے قریب پہنچ گئے۔ "ہیں یا نکل بھاگے؟" انہوں نے پوچھا۔

"وہ بھاگنے والے نہیں ہیں ڈیڈی۔ یہ بتایئے کیا کرنا ہے۔" بولے "تم یہیں ٹھہرو۔ میں جا کر دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ دروازہ کھٹکھٹانے کے بجائے میرا نام لے کر آواز دیجئے۔ یقیناً" آپ کی آواز سن کر وہ گھبرا جائینگے۔ اگر بھاگیں تو بھاگ جانے دیجئے۔ فائر نہ کیجئے۔ اگر مقابلہ کریں تو اسٹین گن مجھے دے کر آپ ہٹ جایئے ...... میں خود ......"

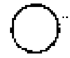
چلتے ہوئے بولے۔ "تمہارا آخری جملہ بکواس ہے۔ اور سب کچھ اسی طرح ہو گا۔"

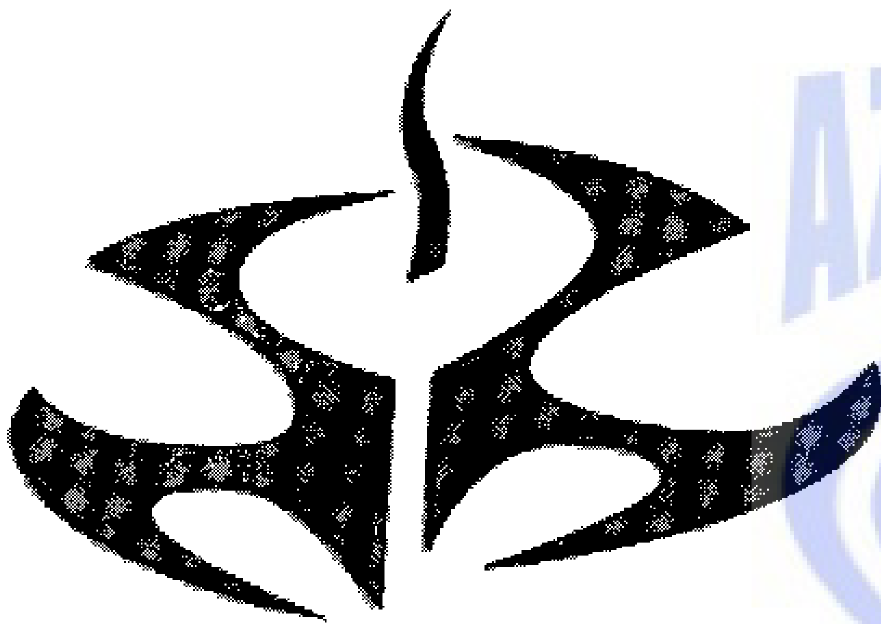
میں نے کہا۔ "تھینک یو سر۔" وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ میرے بنگلے کے دروازے پر جا کر انہوں نے کنڈی کھٹکھٹائی اور چیخ کر کہا۔۔۔ "ٹائیگر۔۔۔۔۔!" دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے۔ اندر کھسر پھسر ہونے لگی۔ کیپٹن نے دروازہ بند کر کے پھر کھٹکھٹایا اور آواز دی۔ "ٹائیگر ...... ٹائیگر۔ نعیم ...... باہر آؤ۔" جواب کے بجائے اندر صحن میں کئی آدمیوں کے دوڑنے اور چلنے کی آہٹ ہوئی۔ کیپٹن نے پھر آواز دی۔ "نعیم باہر نکلو ...... میں کیپٹن دلیش مکھ بول رہا ہوں۔" تین سر کمپاؤنڈ وال پر دکھائی دیئے اور غائب ہو گئے۔ وہ برابر والے بنگلے میں کود چکے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "ادھر منتقل ہو گئے۔" کیپٹن نے اسٹین گن کی نالی سے دروازہ دھکیلا اور دیوار کی طرف نشانہ لیتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ میں ان کے شانہ بشانہ چل رہا تھا۔ کسی نے سر ابھار کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ میں نے بیڈ روم میں داخل ہو کر لائٹ کی۔ کیپٹن دیر تک دروازے میں کھڑے رہے۔ آخر میں نے کہا۔ "اندر آ جایئے سر ...... کھیل ختم ہو گیا۔" انہوں نے دروازہ بند کیا اور کرسی

بیٹھتے ہوئے بولے۔ "واسو کو کہیں باہر بھیج دیا تھا کیا تم نے۔"

میں نے کہا۔ "نہیں۔ ارے؟ مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں رہا۔"

اٹھتے ہوئے بولے ...... "چلو اس کے کمرے میں دیکھتے ہیں۔" کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور واسو منہ پر رومال ڈالے بے خبر سو رہا تھا۔ کیپٹن نے ہاتھ بڑھا کر اس کو جھنجھوڑا۔ وہ بے ہوش تھا۔ رومال اٹھاتے ہی ان کی زبان سے نکلا۔ "کلوروفارم!"





میں نے گھبرا کر کہا۔ "سر ختم تو نہیں ہو گیا؟" کیپٹن نے کوئی جواب نہ دیا۔ نبض دیکھتے رہے۔ پھر اس کے سینے پر کان رکھ کر دل کی دھڑکنیں سننے لگے۔ آخر سیدھے ہوتے ہوئے بولے۔ "نہیں ..... لیکن کیا کہا جا سکتا ہے۔ دوڑ کر میرے بنگلے جاؤ اور ڈاکٹر کو ....." وہ بولتے بولتے رک گئے۔

"فون کر کے ڈاکٹر کو بلاؤں۔" میں نے ان کا جملہ پورا کرنا چاہا۔

بولے ..... "نہیں .... ڈاکٹر کو بلانا مناسب نہیں۔ وہ چند روز پہلے بھی .... اس کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے چلو اور پنکھے کے نیچے لٹاؤ۔" میں نے جھک کر اس کو کندھے سے لگایا اور کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھا لیا۔ اپنے بیڈ روم میں لا کر مسہری پر لٹایا۔ کیپٹن نے پنکھا کھول دیا۔ چند منٹ میں اس کا تنفس مربوط ہونے لگا۔ کیپٹن نے پانی میں رومال بگو کر اس کے چہرے پر پھیرا۔ چلو میں پانی لے کر منہ میں ٹپکایا۔ اور نبض پر انگلیاں رکھ کر دیکھیں۔ سینے کو اوپر نیچے ہوتے دیکھ کر میں نے کہا۔ "سر اب کچھ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی برانڈی پلائیں----؟" وہ مسکرا کر بولے۔ "برانڈی امرت نہیں ہوتی کہ ہر مرض میں دی جا سکے۔ کیا معلوم کلوروفارم کی بے ہوشی میں الکحل فائدہ کرتی ہے یا نقصان۔" میں نے ان کے ہاتھ سے گیلا رومال لے کر پھر واسو کے منہ پر پھیرا۔ کیپٹن کچھ سوچ کر بولے۔ "اسمیلنگ سالٹ ہے نعیم----؟" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ کہنے لگے۔ "بپ سے جا کر کہو تھوڑا نوشادر اور چونا دے دے۔"

"ایمونیا کا رب بنا کر سنگھانا چاہتے ہیں سر۔؟"

"کوشش کرتے ہیں۔ شاید چھینکیں آتے ہی آنکھیں کھول دے۔" انہوں نے کہا۔

میں تیزی سے باہر نکل گیا۔ ساوتری ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن کسی بھی لمحے پہنچ سکتی تھی۔ میں تیزی سے باہر نکل گیا۔ مجھے خود بھی باہر نکلنے کے لئے ذرا سے اشارے کی ضرورت تھی۔ ساوتری ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن کسی بھی لمحے پہنچ سکتی تھی۔ دروازے پر آتے ہی کیپٹن کے بنگلے جانے کے بجائے کونے پر پہنچ کر رک گیا۔ اسی وقت روشوں کی آڑ میں ایک آدمی کی گردن سے اوپر کا حصہ نظر آیا اور فوراً غائب ہو گیا۔ میں نے خطرہ محسوس کر کے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ میری جیب میں جو زنانہ پستول تھا وہ اتنے فاصلے کے لئے قطعی بیکار تھا۔ اس لئے فرار کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ ہر لمحے فائر کا خطرہ تھا لیکن

نازل نہ ہوا اور مجھے پیچھے ہٹتا ہوا دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ اندر سے کیپٹن کے بولنے کی آواز آئی۔ میں غور سے سننے لگا۔ وہ مرہٹی میں کہہ رہے تھے۔ "نعیم آ جائے تو کافی بنوا دوں۔" میں سمجھ گیا واسو ہوش میں آ گیا ہے اور کیپٹن اسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ دروازہ بند کیا اور تیزی سے اندر داخل ہوا۔ وہ تکیئے سے کمر لگائے بیٹھا تھا۔ "اوہ واسو۔۔۔!" میں نے تقریباً" چیخ کر کہا۔ کیپٹن نے کہا۔ "نعیم یہ ٹھیک ہے' جلدی سے کافی تیار کرو۔" واسو نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کیپٹن نے ہاتھ لگا کر روک دیا۔ میں باورچی خانے کی طرف بڑھ دیا۔ دروازہ کھول کر روشنی کی اور کافی کاٹن تلاش کرنے لگا۔ درجنوں ڈبے ریک اور کپ بورڈ پر پڑے ہوئے تھے۔ میں الجھ کر رہ گیا۔ اس کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ پہلے سٹوو جلا کر پانی رکھ دیا جائے۔

ایک ڈبے پر پولسن کافی لکھا دیکھ کر اٹھایا تو وہ خالی تھا۔ میں پانی گرم کرنے کو رکھ کر اسٹور روم پر آیا۔ کواڑوں کو دھکا دیا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔

"یہ کیا۔۔۔؟" میں بڑبڑایا۔ اسٹور کا ایک ہی دروازہ تھا۔ بند ہونے کے معنی اس کے سوا کیا ہو سکتے تھے کہ اندر کوئی موجود ہے۔ خود بخود میرا ہاتھ جیب میں پہنچ گیا۔ میں نے پستول نکالا اور دوسرے ہاتھ سے دروازے کو دھکا دینا چاہا۔ اسی وقت دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ دراز میں سے کسی نے جھانکا۔ میں نے پستول سیدھا کیا۔ دروازہ نیم وا ہو گیا۔ سامنے ساوتری کھڑی تھی۔ "اوہ!" میں نے سرگوشی کے لہجے میں کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ ساوتری نے کنڈی لگائی اور میں نے اس کو سینے سے لگا لیا۔ "کب سے یہاں ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"آہ نعیم۔" اس نے گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "تم کہاں تھے۔ یہاں تو..... شکر ہے انہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور میں......"

"شکر ہے تم بچ گئیں۔" میں نے جو کچھ ہو سکتا تھا اس کے تصور سے سہم کر کہا۔ "ابھی یہیں رہو کیپٹن بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"کون تھے وہ نعیم..... ان کے پاس پستول اور تلواریں تھیں۔ کیپٹن نے آواز دی تو سب۔"

"پھر بتاؤں گا پہ ...تمہ۔ مجھے کافی بنانی ہے۔ تم اس بکس پر بیٹھ جاؤ۔" میں نے کافی کاٹن شیلف میں سے اٹھایا اور آہستہ سے دروازہ کھول کر نکل گیا۔ کافی کی ٹرے لے کر بیڈ روم میں پہنچا تو واسو کرسی پر بیٹھا ہوا کیپٹن کو تمام واقعہ سنا رہا تھا۔ اٹھتے ہوئے بولا۔ "صاحب بہادر معاف کرنا آج آپ کو میرے لئے......"

میں نے ہنس کر کہا۔ "پاگل ہے' واسو' مجھے خوشی ہے کہ تو ٹھیک ہو گیا۔ باقی سب دیکھا جائے گا۔" کافی پی کر واسو بالکل ٹھیک ہو گیا۔ وہ ٹرے اٹھا کر چلنے لگا تو میں نے روک

دی۔ "تم یہیں صوفے پر آرام کرو۔ میں خود رکھ آؤں گا۔"

کیپٹن نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "میرے خیال میں تم دونوں میرے بنگلے میں چلو نعیم۔ یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "سر آپ واسو کو لے کر جائیے۔ اس وقت ایک بجنے والا ہے۔ میں صبح تک جاگ کر ان کا انتظار کروں گا۔ خدا کرے وہ ایک بار پھر ادھر کا رخ کریں۔"

"اچھا پھر میں بھی یہیں ٹھہرتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"سر آپ کیوں اپنی نیند خراب کرتے ہیں۔ کیا میں انہیں ہینڈل نہیں کر سکتا؟"

"کر سکتے ہو۔ لیکن میرے ساتھ ہونے سے یہ ثابت ہو گا کہ تم نے قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔"

"سر انہی الجھنوں کی وجہ سے میں خاموش ہوں۔ ورنہ وہ اب بھی دور نہیں گئے۔ میں نے روشوں کے پیچھے سے ایک آدمی کو جھانکتے دیکھا ہے۔"

"کب؟"

"ابھی آپ کے بنگلے کی طرف جاتے ہوئے۔ اسی لئے میں واپس آگیا۔" انہوں نے اسٹین گن اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "سر وہاں جا کر ان پر حملہ کرنے کا کوئی جواز؟ یہاں کم از کم حفاظت خود اختیاری کا حق تو ہے۔" وہ چلتے چلتے رک گئے اور مسکرا کر بولے۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے سلام کر کے کہا "سر اسٹین گن یہاں چھوڑ جائیے اور میرا پستول لے کر واسو سے اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے اپنے بنگلے تشریف لے جائیے۔ باقی مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ اگر وہ اس طرف آ گئے تو..... بہرکیف میں انہیں ایک وارننگ ضرور دوں گا۔

کیپٹن نے میرا پستول لیا اور واسو کو ساتھ لے کر چل دیئے میں اسٹین گن لے کر ان کے ساتھ باہر نکلا اور جب تک وہ روشوں کے سامنے سے گزر کر گھوم نہ گئے دروازے پر کھڑا دیکھتا رہا۔

بیرونی دروازے کی کنڈی چڑھا کر میں نے اسٹور کا دروازہ کھولا۔ اور ساوتری کو لے کر کمرے میں آیا۔ دروازے کا بولٹ چڑھا کر مسہری پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ بیٹھنے کے بجائے مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ "یہ سب کیا ہے نعیم؟" اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ "کچھ نہیں پرمیتا۔" میں نے کہا۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ آنکھیں پونچھ کر میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "نعیم تم تو بہت خطروں میں گھرے ہوئے ہو۔ میں کیا کروں؟" میں نے ہنس کر اس کے بالوں پر ہونٹ رکھ دیئے ...... وہ چند لمحے میرے کندھے پر سر رکھے خاموش کھڑی رہی۔ پھر علیحدہ ہو کر دونوں

ہاتھوں سے بازو تھام کر کہنے لگی۔ "کیا یہ سب روپا کماری کی وجہ سے نہیں؟"

میں نے کہا۔ "کیا کر سکتے ہیں ڈیئر..... تم بیٹھو گی نہیں؟"

وہ مسہری کے بجائے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اس نے میرے سینے سے سر لگا دیا۔ میں نے اس کو آغوش میں لے لیا۔ "بتاؤ ساوتری' میری جان کس طرح تمہارے کام آ سکتی ہے۔ تم مجھے خرید چکی ہو۔"

"ایسی بات نہ کہو نعیم..... میں تمہیں پوجتی ہوں۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے.........

لیکن کیا تم کسی طرح میرے ہو سکتے ہو؟"

"مجھے اپنا سمجھو پرتیما۔" میں نے ضمیر کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر کہا۔ خدا جانے یہ جملہ میں کتنی بار دوہرا چکا تھا۔

"میں تمہیں اپنا نہ سمجھتی تو سب کچھ قربان کرنے کے لئے کبھی یہاں نہ آتی نعیم۔ لیکن۔ تم۔" وہ بولتے بولتے رک کر میرا منہ تکنے لگی۔

"رک کیوں گئیں ساوتری؟" میں نے کہا۔

"برا تو نہیں مان جاؤ گے۔" میں نے اس کو زور سے بھینچ لیا۔ وہ ہنس دی۔ "میرے برا ماننے سے ڈرتی ہو تو پھر مجھے کیا خاک اپنا سمجھتی ہو؟"

"میں کہہ چکی ہوں۔ میں تمہیں اپنا دیوتا سمجھتی ہوں نعیم...... خیر اتنا اشارہ کر سکتی ہوں کہ روپا تمہیں جس طرح چاہتی ہے۔ اس طرح چاہنے والوں کی کہانیاں لوگ کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ میں تمہیں کہانی نہیں بننے دوں گی۔"

"کہانی نہیں بننے دو گی۔ لیکن کیسے؟"

"میں ایک ہفتے کے بعد بتاؤں گی اگر...... ناراض تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

"میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں بعد تم بھی اتنی ہی عقلمند ہو جاؤ گی۔ جتنی روپا ہے۔ اگر تمہیں یقین ہو گیا کہ میں تمہارا ہوں۔"

"اچھا۔" وہ مسکرا دی۔ "لیکن میں تمہاری زندگی سے کھیلوں گی نہیں۔ اس کی حفاظت کروں گی۔"

"وہ بھی کر رہی ہے۔ لیکن نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"جو عورت اپنی محبت کو راز نہیں رکھ سکتی وہ کیا حفاظت کرے گی نعیم۔۔۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے کہا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور میرے سینے پر سر ٹکا دیا۔ میرے ہونٹ اس کے بالوں پر چپک گئے اور تھوڑی دیر میں آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ وارفتگی کا یہ لمحہ گھنٹوں میں تبدیل ہو گیا اور جب میں نے آنکھیں کھول کر رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو صبح کے چار بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ساوتری اسی طرح صوفے پر ٹانگیں پھیلائے میری گود میں سر رکھے سو رہی تھی۔ میں نے سگریٹ نکال کر

سلگانے کے لئے دیا سلائی جلائی تو وہ کسمسائی اور مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔ میں نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ "بج رہے ہیں ساوتری۔"

سنبھل کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "تو کیا ہم سو گئے تھے؟"

میں ہنس دیا۔ "نہیں، ہم نہیں۔ صرف تم۔"

"تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں نعیم-----؟"

"جگا تو دیا۔ مجبوراً" اس خیال سے کہ شاید تم جان جاہو گی ورنہ کبھی نہ جگاتا۔"

وہ مسکرا دی۔ "اب مجھے یقین ہو گیا نعیم تم مجھے واقعی اپنی سمجھتے ہو۔ تم نے میری حفاظت کی۔"

"حفاظت؟ کس سے بھلا؟"

"خود سے۔"

"یہ تم نے صحیح کہا۔ اور شاید میری زندگی میں تم پہلی لڑکی ہو جس کی زبان سے میں یہ بات سن رہا ہوں۔"

"میں نے کچھ ایسا ہی محسوس کیا نعیم ..... تم نہیں سمجھ سکتے اس اخلاقی بلندی پر میں تمہیں کیا سمجھنے لگی ہوں۔"

"پستی بلندی کچھ نہیں ساوتری۔ تم نے مجھے دیوتا کہا ہے۔ میری زندگی بچائی ہے۔ میں تمہیں اپنانے میں کامیاب نہ رہا تو لوٹنے کی کوشش کبھی نہ کروں گا۔ میرا عہد ہے۔"

اس نے جواب دینے کے بجائے میرے پاؤں چھو لئے۔ میں چمک کر اٹھ کھڑا ہوا اور گود میں اٹھا کر اس کا منہ چوم لیا۔ وہ ہنس دی۔ میں نے اس کی کمر تھپکتے ہوئے کہا۔ "جانے سے پہلے میرے ہاتھ سے چائے پیتی جاؤ پریتما۔"

"دیر ہو جائے گی نعیم .... ورنہ میں خود تمہیں اپنے ہاتھ سے پلاتی۔"

"تم کئی مرتبہ پلا چکی ہو۔ آج مجھے موقع دو ...... یہ میری تمنا ہے۔"

"یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے نعیم ...."

"تمنا میں----- منو کامنا میں مناسب نامناسب کچھ معنی نہیں رکھتے۔" میں نے چلتے ہوئے کہا۔ وہ سر جھکا کر خاموش ہو گئی۔ دونوں پرائمس جلا کر دس منٹ میں چند انڈوں کا آمیٹ اور چائے تیار کر کے میں ٹرے لے کر بیڈ روم میں پہنچا تو وہ دروازے میں کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ "تم نے الٹی گنگا بہائی ہے نعیم۔" وہ ہنس کر کہنے لگی۔ میں اس سنمان انوپم سنمان کا کس طرح شکریہ ادا کروں؟" میں نے ٹرے میز پر رکھ کر اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "اب اتنا شرمندہ بھی نہ کرو پریتما کہ میں عہد توڑنے پر مجبور ہو جاؤں۔" وہ کھکھلا کر ہنس دی۔ میں نے اس کو صوفے پر بٹھا کر کہا۔ "آہستہ ہنسو ڈیئر..... اور شروع ہو جاؤ۔" اس نے چمچے سے انڈا اٹھایا۔ اور میرے منہ میں دینے لگی۔ میں نے پھونک مار

کر کہا۔ "گرم ہے ..... اس نے گھبرا کر ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ میں نے چمچ لے کر اس کے منہ سے لگا دیا۔ اس نے منہ کھول دیا اور انڈا چباتی ہوئی بولی۔ "کتنے جھوٹے ہو نعیم' اس کو گرم کہتے ہیں؟"

میں نے پیالوں میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔ "جھوٹ بول کر تمہیں اپنا جھوٹا کھلانا تھا۔ لو اور کھاؤ۔"

مسکرا کر بولی۔ "تمہارا جھوٹا کھانا تو میرا دھرم ہے پریتم۔"

"شکریہ۔" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے تم زبان سے جھوٹا کہنے کے باوجود مجھے سچا سمجھتی ہو۔" اس نے میرا کپ اٹھا کر منہ سے لگایا اور گھونٹ لے کر کہنے لگی۔ "نعیم تم نے عملی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ تم مجھے اپنی سمجھتے ہو۔ تم نے کسی راجکماری کو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلائی ہو۔ ایسا میں نہیں مانتی۔"

"یہ صحیح ہے .... لیکن ......" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کسی راجکماری نہ کہو۔ صرف روپا تک ہی محدود رکھو۔" وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی اور چائے پینے لگی۔ چائے پینے کے بعد میں دروازے تک اس کے ساتھ آیا اور حد نظر تک میدان خالی دیکھ کر اشارہ کیا۔ وہ سیڑھیوں سے اتر کر ہاتھ ہلاتی ہوئی راج محل کی طرف چل دی اور روشوں کی آڑ میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں دروازہ بند کر کے بیڈ روم میں آ گیا۔ اسی وقت کسی نے پچھلے دروازے پر دستک دی۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "کون ہے؟" جواب میں کیپٹن کی آواز سن کر تیزی سے صحن میں آیا اور دروازہ کھول کر کہا۔ "گڈ مارننگ سر۔" وہ اندر آ گئے اور بولے۔ "کیا رات بھر جاگتے رہے؟"

میں نے کہا۔ "جی نہیں' ابھی تھوڑی دیر پہلے جاگا ہوں۔ آپ ایسے صحیح موقع پر آئے ہیں سر' کہ بس۔" میں بولتے بولتے رک گیا۔ میز پر میری حماقت کا ثبوت موجود تھا۔ نظر پڑتے ہی کیپٹن نے کہا۔ "چائے پی رہے تھے؟"

"جی۔" میں نے ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کے واسطے لا رہا ہوں۔" وہ مسکرا دیئے۔ میں تیزی سے باہر نکل گیا۔ لیکن کھیل ختم تھا۔ وہ دو کپ دو پلیٹیں اور چمچے دیکھ چکے تھے۔ میں چائے اور انڈے ٹرے میں رکھ کر لایا اور کیپٹن کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ بہت جلدی جاگ اٹھے سر۔"

چائے انڈیلتے ہوئے بولے۔ "ہاں۔ بلکہ یوں سمجھو سویا ہی نہیں اونگھتا رہا۔ بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ بھی ایک کپ پیو۔"

میں ہنس دیا۔ "آپ کے ساتھ پیوں گا سر۔ لیکن پی بھی کیا۔"

"آج بھی شاید وہ ادنیٰ عورت یہاں آئی تھی؟"

میں ڈھٹائی کی ہنسی ہنسنے لگا۔ "شاید آپ دو کپ اور دو پلیٹیں دیکھ کر کہہ رہے

ہیں۔"

"نہیں" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہارے صوفے پر وینی بھی پڑی ہوئی ہے۔"
میں نے گردن گھما کر دیکھا جوڑے کا گجرا مسلا ہوا پڑا تھا۔ مجھے پسینہ آ گیا۔ "معلوم نہیں یہ کہاں سے آ گیا۔" میں نے کیپٹن کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہتھیلی پر سر لے کر پھرنے والوں کو یہ حق ہے کہ مرتے مرتے بھی کھیر کا چمچہ ان کے منہ میں ہو۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ بات نہیں ہے سر...... لیکن ...... کیا عرض کروں۔"

"عرض کیا کرو گے۔ چلو ایک کپ اور لاؤ اور چائے پیو۔ شکر ہے آج کا سورج بھی طلوع ہوتا دیکھ رہے ہو۔" میں باورچی خانے سے کپ لے آیا۔ چائے پینے کے بعد وہ میری مسہری پر لیٹ گئے۔ میں نے انہیں سگریٹ اور لائٹ دی۔ ایک کش لے کر کہنے لگے۔ "رات کو اسٹین گن نکالتے ہوئے دیکھا۔ تمہاری انعام کی تھیلی الماری میں رکھی ہوئی ہے۔"

"آپ ٹی پارٹی دے رہے ہیں نا۔ کیا روپے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"اتنی بڑی پارٹی تو نہیں کہ......"

"میں اس لڑکی کا ناچ دکھانا چاہتا تھا۔ جسے آپ نے بری طرح مسترد کر دیا۔"
وہ ہنس کر اٹھ بیٹھے اور سگریٹ جھاڑتے ہوئے کہنے لگے۔ "سمجھا۔ خیر بلوا لو۔ میں ہزہائی نس سے اجازت لے لوں گا۔"

میں نے کہا۔ "سر زحمت نہ کیجئے۔ مجھے اس سے اتنا تعلق نہیں ہے جتنا آپ سمجھتے ہیں۔"

"خیر نہ سہی۔" انہوں نے کہا۔ "اگر بلانا چاہتے ہو تو اجازت ہے' غزل گا لیتی ہے کیا؟"

"وہ خود ایک غزل ہے سر۔"

"ایسی ہے؟ تو تم خود جا کر لاؤ۔ کتنے میں آ جائے گی؟"

"بالکل فری سر۔ آپ اپنے ہاتھ سے سو روپے دے دیجئے تو زندگی بھر آپ کی تعریف کرتی رہے گی۔"

"میں دس دس روپے دیتا رہوں گا۔ تاکہ دوسرے آفیسر بھی لٹیں۔"

"سر آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "اتنے جتی ستی تو نہیں جتنا ظاہر کرتے ہیں۔"

"یہ میں نے کب کہا کہ میں کوئی رشی ہوں۔ تمہیں تو یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ناکام عاشق ہوں۔ ایک ناکام عاشق ...... بلاہ .... لیکن اچھا ہے۔ تقدیر کے سوا کوئی دشمن نہیں رکھتا۔"

"تقدیر آپ کی لونڈی ہے سر..... آپ خواہ مخواہ شانتا سالوی کے پجاری بن بیٹھے ..... ورنہ لڑکیوں کی پوری بٹالین آپ کو پریزنٹ آرمز کر رہی ہوتی۔ اور ان کے لئے آپ کو ایک حرم سرا قائم کرنی پڑتی۔"

کیپٹن نے قہقہہ لگایا اور اٹھ کر میری کمر تھپکتے ہوئے بولے۔ "جیتے رہو کڈ۔ اور ہمیں اس طرح ہنساتے رہو۔" اور وہ ہنستے ہوئے چل دیے۔

گیارہ بجے کے قریب یشودھرا کاریڈور میں آتی دکھائی دی۔ میں تیزی سے لفٹ کی طرف چلا وہ چلتے چلتے رکی اور پلٹ کر لفٹ کے دروازے پر پہنچ گئی اور بٹن پر ہاتھ رکھتی ہوئی کہنے لگی۔ "نعیم شام کو آٹھ بجے ہینگنگ برج پر ..... آؤ گے۔؟"

"آنکھوں سے یشو۔ میں تمہارے لئے بے چین ہوں۔"

"یشودھرا بھی تڑپ رہی ہے نعیم۔"

"ڈیانا کارنر میں چاندنی بھی ریت کے ذروں سے ٹکرا کر مایوس لوٹ رہی ہے۔ کئی روز سے۔" وہ مسکرا کر لفٹ میں داخل ہو گئی اور دروازہ بند کر کے اوپر جانے لگی۔ میں سلام کر کے کیبن میں چلا آیا۔

تین بجے میں کیبن میں بیٹھا ہوا سہ پہر کی چائے پی رہا تھا کہ کیپٹن بھاسکر، وجے اور بنارس خان کو لئے ہوئے زینے کی طرف آتے دکھائی دیے۔ میں نے دو تین گھونٹ لے کر چائے ختم کی اور باہر نکل کر سیلیوٹ کیا۔ کیپٹن نے ہال میں نظر دوڑائی۔ "ٹائیگر، رسالدار میجر ہاشمی نہیں آئے کیا ابھی۔؟"

میں نے کہا۔ "جی نہیں۔ کیوں آتے وہ؟"

بولے۔ "تو تمہیں بھی نہیں معلوم کیا غضب ہو گیا؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "خیریت تو ہے سر۔؟"

"خیریت کیا۔" انہوں نے ہال میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "دربار سو جان سنگھ جی مدھو ساگر میں ڈوب گئے۔"

"یہ کیسے ہوا سر؟" میں نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"سر صوبہ اور ڈگے وغیرہ کے ساتھ مچھلی کے شکار کو گئے تھے مجھے تو اے ڈی سی نے فون پر اطلاع دی۔" چیمبر کے دروازے پر پہنچتے ہی مسٹر مہتا اور اے ڈی سی باہر نکل آئے اور باتیں کرنے لگے۔ جو حادثے سے متعلق تھیں۔ ہزائی نس کے چائے پینے کا وقت تھا۔ اس لئے ابھی تک ان کو اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ میں روپا کی پیش گوئی پر غور کرتا ہوا کیبن کی طرف چلنے لگا۔ وہ واقعی کانٹا نکالنے میں ماہر تھ۔ میں نے میز کی دراز سے سگریٹ نکالا اور کرسی پر بیٹھ کر پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہاشمی صاحب آتے دکھائی دیے۔ وہ یونیفارم میں تھے۔ ان کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ میں کیبن سے نکل کر باہر آیا۔ سلام کرنے سے پہلے

مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولے۔ "کانگریچولیشن مبارک ہو۔" میں نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "شکریہ میجر۔"

مسکرا کر بولے۔ "ذرہ نوازی۔ کیپٹن دلیش مکھ آ گئے کیا؟"

"ایڈی کانگ چیمبرز میں ہیں' جائیے۔" میں نے کہا۔ وہ عادتاً" سلام کے لئے ہاتھ اٹھا کر ہال کی طرف چل دیئے۔ چار بجنے میں چند منٹ باقی تھے کہ کیپٹن اور رسالدار میجر باہر نکلے۔ میں نے کیپٹن سے پوچھا "سر کیا حکم ملا؟"

انہوں نے چلتے چلتے کہا۔ "ہم سب مدھو ساگر جا رہے ہیں۔ تمہیں شاید ہزہائی نس کے ساتھ آنا پڑے۔ یہیں ٹھہرو۔"

میں نے سیلیوٹ کر کے کہا۔ "بہتر ہے سر۔" وہ سب چلے گئے۔

موجودہ حکمران خاندان سے سوہان کا دور پرے کا کوئی رشتہ رہا ہو گا۔ ہزہائی نس اور ان کے بھتیجے بھانجوں اور قریبی رشتہ داروں کو نہ اس کی زندگی سے کوئی دلچسپی تھی نہ موت سے۔ اس لئے میرا خیال تھا کہ ہزہائی نس اور مہارانی تو درکنا راج محل سے شاید ہی کوئی جانے کی زحمت گوارا کرے لیکن چونکہ وہ پچیس چھبیس سال کا جوان عمر آدمی تھا ورنہ صرف یہ کہ حادثے کی موت مرا تھا بلکہ ابھی تک اس کی لاش بھی جھیل میں سے نکالی نہ جا سکی تھی۔ لہٰذا رسم دنیا کے علاوہ خاصا اچھا تماشا بھی دیکھنے کو مل رہا تھا۔ اس لئے چند منٹ بعد ہزہائی نس مجھے فون کر کے اندر طلب کیا تو نصف درجن سے زیادہ راجکماریاں ڈرائنگ روم میں موجود تھیں اور مہارانی کے سوا سب مدھو ساگر جانے کو تیار تھیں۔ ان میں یشودہرا اور سادھنا دیوی نہیں تھیں۔ روپا بھی نہیں تھی۔ مہاراجہ کو لے کر مدھو ساگر پہنچا تو پل کے قریب بارہ دری پر چھ سات کاریں' ایمبولینس' ٹرکس اور لاریاں کھڑی ہوئی تھیں اور سینکڑوں آدمیوں کا ہجوم تھا۔ چار پانچ کشتیاں جھیل میں اس سرے سے دوسرے سرے تک آ جا رہی تھیں اور جگہ جگہ سطح آب سے ایک دو فٹ اوپر سوتی رسے پھیلائے جا رہے تھے۔ کہیں کہیں غوطہ خود کشتیوں میں تیار بیٹھے ہوئے تھے۔ رسالدار میجر ہاشمی کے جوان بھی موجود تھے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ جھیل میں جس جگہ حادثہ ہوا' پانی کی گہرائی ایک سو سات فٹ تھی۔ ڈائیونگ سوٹ کے بغیر کسی غوطہ خور کے لئے تہہ تک جا کر واپس آنا ممکن نہ تھا۔ ہزہائی نس کے لئے راج محل کی دوسری منزل کی بارہ دری پر نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جہاں چند صوفوں پر مہاراجہ' ایڈی کانگ اور دو تین درباری وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن دلیش مکھ بھی آ گئے۔ ہزہائی نس نے ان سے انتظام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ برٹش کیمپ سے دو تین ڈائیونگ سوٹ اور گیس سلنڈر منگوا لئے گئے ہیں۔ اس کے بعد کوشش کی جائیگی۔

ہزہائی نس نے کہا۔ "روشنی کا انتظام؟"

"پروویکس موجود ہیں۔" کیپٹن نے جواب دیا۔ اسی وقت اوپر کی بارہ دری میں خواتین پہنچ گئیں۔ ایک درباری نے کہا۔ "کچھ بھی کہو۔۔۔ مدھو ساگر بارہ سال میں ایک بھینٹ ضرور لیتا ہے۔" ہزہائی نس نے اسے گھور کے دیکھا۔ کیپٹن نے کہا۔ "شریمان حادثے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مدھو ساگر کے علاوہ دوسری جھیلوں اور تالابوں میں بھی لوگ ڈوبتے رہتے ہیں۔"

دو تین گھنٹے تلاش کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ لاش کا کہیں پتا نہ تھا۔ ساڑھے سات بجے ہزہائی نس اٹھ گئے اور دس بجے تک کوشش جاری رکھنے کا حکم دے کر چل دیے۔ واپسی میں کیپٹن بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہزہائی نس کو ڈرائنگ روم میں پہنچا کر میں کیپٹن کے ساتھ واپس ہوا۔ راستے میں میں نے کہا۔ "سر اپنی ٹی پارٹی کا کیا ہو گا اب؟"

کہنے لگے۔ "ملتوی ...... صبح تک اگر لاش نہ نکالی جا سکی تو چوبیس گھنٹے میں پھول کر خود اوپر آ جائے گی اور پھر ہمیں تمام دن کرہستہ تو رہنا ہی پڑے گا ..... کیا ہمارے اتار کا ستیاناس مارا ہے کمبخت نے۔"

"سر مجھے تو کل کی چھٹی دے دیں۔"

"میرے بنگلے چلو۔ رات بر چھٹی مناتے ہیں۔"

"میں شہر جانا چاہتا ہوں سر۔ اگر آپ اجازت دیں۔" کیپٹن نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا۔ دروازے پر پہنچ کر میں رک گیا۔ بولے "اندر آ جاؤ۔" میں اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "اگر اس دوڑ بھاگ میں ہزہائی نس طلب کر لیا تو؟"

"گیارہ بجے تک واپس آ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بیرے کو کھانا لانے کو کہا۔ پھر میری طرف مخاطب ہو گئے۔ "مجھے حیرت ہے نعیم .... تم ان خطرناک حالات میں بھی خود کو خطرے میں ڈالنے سے باز نہیں آتے۔"

"سر آج میں بہت بور ہوا ہوں۔ چند دوستوں سے ملنے کو جی چاہتا ہے آپ کچھ اور نہ سمجھیں۔ چاہیں تو اپنی کار عنایت فرما دیں۔"

وہ ہنس دیے۔ "خوب ...... اسے کہتے ہیں یک نہ شد دو شد۔"

"سر اسی لئے کہ میں خود کو ایکسپوز نہیں کرنا چاہتا۔"

انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "اچھا لے جاؤ۔ کھانا تو کھا لو۔"

"کھانا تو شہر میں ہی کھاؤں گا ڈیڈی۔"

"شامت اعمال۔ میں ناحق تمہیں یہاں گھسیٹ لایا۔ اچھا جاؤ۔" انہوں نے کار کی چابی نکال کر میری طرف اچھال دی۔

میں گاڑی لے کر بنگلے پہنچا تو آٹھ بج رہے تھے۔ تیزی سے اندر داخل ہوا اور یونیفارم اتارنے لگا۔ واسو نے کہا۔ "صاحب کھانا نکالوں؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔ صرف کوٹ اتار کے لا دو۔" اس نے آگے بڑھ کر ہینگر سے کوٹ اٹھایا اور مجھے تھما دیا۔ میں نے شرٹ اور پینٹ تبدیل کئے بغیر کوٹ پہنا۔ ہولسٹر اتار کے پستول جیب میں ڈالا اور باہر نکل گیا۔ ابھی سوا آٹھ نہیں بجے تھے کہ پل پر پہنچ گیا۔ نیشنل گارڈن کی طرف ٹرن لینے سے پہلے پیچھے کی طرف نظر دوڑائی تو پل کے دوسرے سرے پر ایک کار تیزی سے اسی طرف آتی دکھائی دی۔ فاصلہ ہونے کے باعث صاف پہچانی نہ جا سکی لیکن اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ وہیل پر کوئی عورت تھی۔ اور وہ شودھرا نہیں تھی اور کار بھی رنگین شیشوں والی نہ تھی۔ میں نے اسپیڈ کم کر کے اس کو نکل جانے کا موقعہ دیا۔ لیکن شاید وہ کار کی پلیٹ نمبر دیکھ چکی تھی۔ جونہی میں نے برٹش کیمپ کی طرف ٹرن لیا اس نے رفتار کم کی اور باگ میں جاتے جاتے کیمپ کی طرف گھوم کر اور گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے اور نیک کر کے چند قدم پر جا کر رک گئی۔ یہ روپا ہی تھی۔ میں نے گاڑی روک کر سلام کرتے ہوئے کہا۔ "یور ایکسی لینسی آپ؟"

مسکرا کر بولی۔ "کہاں جا رہے تھے؟"

"ذرا سا راستہ دیکھئے اور دیکھ لیجئے۔ لیکن آپ اس وقت یہاں کیسے------؟"

"تمہاری تلاش میں جہنم میں بھی جا سکتی ہوں۔" میں دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل آیا۔ "آیئے پھر میں آپ کو کرنل جندر سنگھ سے متعارف کراؤں۔" میں نے کہا۔

"وہ کون ہے؟"

"وہ جہنم کا سیکنڈ ان کمانڈ ہے۔ ہمیں کس آرام دہ طریقے پر رومسٹ کرنے کی سفارش کر سکتا ہے۔"

وہ ہنس دی۔ "خیر اس وقت تو کہیں اور چلو' مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

"سب کچھ سامنے ہے یور ایکسی لنسی۔" میں نے آگے بڑھ کر آہستہ سے کہا۔ "اہتمام کا شکریہ ...... لیکن کیا اس وقت ہمارا اس طرح ملنا خطرناک نہیں؟"

"تو پھر گاڑی بیک کرو۔"

"یہ گاڑی کیپٹن کی ہے روپ۔ اگر تم میرے ساتھ مرنا چاہتی ہو تو میں اس کو یہیں چھوڑ کر تمہاری گاڑی میں چلتا ہوں۔ بیک کرو۔" اس نے مسکرا کر گاڑی بیک کی اور ... پر پہنچتے ہی امین پور کی طرف رخ کر لیا۔ میں نے دیکھا مرنے کی دھمکی کا اس پر کوئی ... تھا۔ میں نے کیپٹن کی گاڑی کو آگے بڑھایا اور کرنل جندر سنگھ کے بنگلے کے پیچھے ... کر کے ... تو وہ اسٹیئرنگ وہیل سے ہٹ کر ایک طرف ٹکی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی

ہنس کر بولی۔ "شوفر مجھے امین پور لے چلو۔" میں نے وہیل سنبھال کر دروازہ بند کیا اور گیئر ڈال کر تیزی سے اسٹارٹ لیا وہ سرک کر قریب آ گئی۔

"آج میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہے نعیم۔ اب اگر موت بھی آئے تو اس اطمینان کے ساتھ مروں گی کہ دنیا کی طرف میرا کچھ باقی نہیں۔"

"کیا میری طرف بھی کچھ نہیں۔۔؟" میں نے ہنس کر کہا۔ وہ لپٹتی ہوئی بولی۔ " تمہیں میں ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

"گاڑی میں پٹرول کتنا ہے روپ؟" میں نے موضوع گفتگو بدلنے کے لئے کہا۔ مسکرا کر بولی۔ "وہاں جانے کے لئے گاڑی کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"روپ!" میں نے تقریباً" چیخ کر کہا۔ "یہ آج کیسی باتیں کر رہی ہو ڈیئر؟"

"ڈر گئے۔؟"

"ڈرنا چاہئے۔ زندگی بار بار تو نہیں ملتی؟"

"میں نہیں ڈرتی۔"

"مجھے حیرت ہے۔ راجکماری ہونے کے باوجود بھی تمہیں زندگی سے دلچسپی نہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"میرے خیال میں تم کچھ دنوں کے لئے کہیں اور چلی جاؤ۔ ان حادثوں کا تمہاری صحت پر اچھا اثر نہیں پڑ رہا۔ اور یہاں یہ سلسلہ نہ معلوم کب تک جاری رہے۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن اب تمہیں اکیلا چھوڑ دینا خطرناک ہے یہی جو آج پاتال کی سیر کر رہا ہے نہ معلوم کس حد تک پہنچتا۔ اگر انتظام نہ کیا جاتا۔ اور ابھی ایک دو۔ نہ جانے کتنے باقی ہیں۔"

"موضوع بدلو روپ۔ یہ کچھ اچھا نہیں ہو رہا۔ قانون مکافات ہمیں وہی لوٹا کر رہے گا جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ خدا جانتا ہے میں ایک چیونٹی کو بھی مارنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہاں حالات ایسے ہیں کہ زندہ رہنا ہو تو اپنے سوا کسی کی زندگی کو زندگی نہ سمجھو۔ خیر ڈیئر اب تو بتاؤ پٹرول کتنا ہے؟"

"کیا ارادہ ہے۔۔۔۔؟"

"بھاگ چلیں۔ اگر پٹرول ہے"

"چھ سات گیلن ہے۔ پیچھے بکس میں ۱۰ چار لاکھ کا زیور کپڑا بھی ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔ میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ ڈیلائٹ کارنر کا علاقہ گزرتا دیکھ کر میری نگاہیں خود بخود اس طرف گھوم گئیں اور خیالات یشودھرا کی طرف منتقل ہو گئے۔ ممکن ہے وہ اس وقت ہینگنگ برج پر میرا انتظار کر رہی ہو۔ مجھے اپنے اس طرح اچکے جانے پر افسوس ہوا۔ مجھے خاموش دیکھ کر روپا نے کہا۔ "تم نے جواب نہیں دیا نعیم؟" میں نے

ایکسی لریٹر پر دباؤ بڑھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "جواب یہ ہے کہ ہم بھاگ رہے ہیں۔ ویران ریسٹ ہاؤس تک ..... جہاں تمہیں چٹانوں میں کھڑے کھڑے جنت کی سیر کرائی جائے گی۔"

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر مسکرا دی۔ "میں نے ابھی کہا تھا کہ دنیا کی طرف میرا کچھ باقی نہیں ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے تمہارا میری طرف بہت کچھ باقی ہے۔"

"باقی واقی کچھ نہیں ڈیریسٹ۔" میں نے اس کو گھسیٹ کر چومتے ہوئے کہا۔ "اتنا ضرور کہوں گا کہ بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑانے والے شہسواروں سے محبت کرنے والی شہزادیوں کو پھولوں کی سیج اور پہاڑ کی چٹانوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہونا چاہئے۔" اس نے مسکرا کر میرے کندھے میں کاٹ لیا اور دانتوں پر زور دیتی چلی گئی۔ میں نے درد سے بے چین ہو کر کہا۔ "آدم خور نہ بنو روپ۔" اس نے ہنس کر ایک لمحے کے لئے منہ اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اور پھر دانت گاڑ دیئے۔ ریسٹ ہاؤس قریب آتا جا رہا تھا اور چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔ میں نے رفتار میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "روپ گوشت کاٹ لو لیکن یاد رکھو میں ایسی جگہ کاٹوں گا کہ تم ایک ہفتہ کسی کو منہ نہ دکھا سکو گی۔" اس نے منہ ہٹا کر ہاتھ جوڑ لئے۔ "ایسا غضب نہ کرنا نعیم۔ میں اس سیڈ سٹک طرز عمل کی معذرت چاہتی ہوں۔"

"معاف کر دیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ گاڑی ریسٹ ہاؤس کے سامنے والے میدان میں روک کر بیک کی اور چٹانوں کے قریب ایک جھاڑی کی آڑ میں کھڑی کر کے باہر نکل آیا۔ روپا کسمساتی ہوئی باہر نکلی اور ادھر ادھر دیکھ کر کہنے لگی۔ "بڑی سنسان جگہ ہے نعیم۔ یہاں تو شیر وغیرہ بھی ہوں گے۔؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "ہیں تو ..... وہ چیتا میں نے یہیں سے مارا تھا۔" وہ پلٹ کر گاڑی کی طرف چلنے لگی۔ میں نے جھپٹ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیوں؟"

"میں درندوں سے ڈرتی ہوں نعیم .... چلو واپس چلتے ہیں۔"

"کیا واقعی ڈرتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں نعیم سچ میں ڈر رہی ہوں۔ جلدی گاڑی میں آ جاؤ۔ کہیں۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ میں نے اس کو گھسیٹ لیا اور ہنس کر کہا۔ "کیوں ڈر رہی ہو روپ۔ یہاں کوئی درندہ نہیں ٹائیگر کے سوا۔ آؤ چٹانیں توڑیں۔" وہ میری کمر میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہم پہاڑی کی بلندیوں میں کیوپڈ کی آنکھوں کو روشنی سے فیضیاب کر رہے تھے۔ واپسی پر اس کی چال ڈھال بدلی ہوئی تھی۔ تمام راستے میں اس کے جسم کا آدھا وزن اٹھائے ہوئے تھا۔ کیمپ کے گیٹ سے ایک فرلانگ کے

فاصلے پر میں کار سے اتر گیا۔ اس وقت دس بجنے والے تھے۔ وہ شب بخیر کہہ کر روانہ ہو گئی۔ میں نے کرنل سوڈھی کے بنگلے کے عقب سے کیپٹن کی کار لی اور ایک بار میں کھانا کھا کر راج محل میں پہنچا تو گیارہ بجے رہے تھے۔

چار پانچ دن گزر گئے۔ سو جان سنگھ کی انتم کریا کرم ہو چکی تھی۔ وہ کسی خاص اہمیت کا حامل نہ تھا۔ اور پھر اس کی موت بھی ایک قدرتی حادثے کا نتیجہ تھی جس میں کوئی بات مشتبہ نہ تھی۔ ریاست کا ایک سر صوبہ (انسپکٹر پولیس) اس کے ساتھ تھا۔ اس لئے جوانمرگ ہونے کے باوجود وہ بہت جلد رفت گزشت ہو گیا۔ شام کو چار بجے کے قریب جبکہ میں ڈیوٹی سے آف ہو کر چلنے کو تیار تھا۔ کیبن ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ "ہیلو" کہتے ہی کیپٹن نے مجھے اپنے بنگلے آنے کو کہا۔ میں نے "حاضر ہوتا ہوں سر۔" کہہ کر ریسیور رکھا اور بنارس خان کو دیو کرتا ہوا زینے کی طرف چل دیا۔ پانچویں منزل سے لفٹ نیچے آئی اور یشودھرا باہر نکلی۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے مسکرا کر پرس میں سے چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کے بی کے ہاں چلنا ہے نعیم۔ کتنی دیر میں کار لے کر آ سکتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ابھی چلئے۔"

"نہیں ...... ایک گھنٹے کے بعد ......" اس نے چلتے چلتے کہا۔ میں زینے سے اترنے لگا۔ کیپٹن کے بنگلے کے سامنے بھاسکر ان کی کار لئے ہوئے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی سیلیوٹ کر کے بولا۔ "سر' دھاروہیڑہ سے گلابو بائی کو لانا ہے۔" میری زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "ارے" وہ قریب آ کر کہنے لگا۔ "سر اکیلی تو نہیں آئیگی وہ ---- ایں نا-----؟" مجھے ہنسی آ گئی۔ "نہیں۔" میں نے سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔ "تابو کے بغیر کیسے آ سکتی ہے .... لیکن ......" میں کچھ سوچ کر جملہ پورا کئے بغیر بنگلے میں داخل ہوا۔ کیپٹن آرام کرسی پر لیٹے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ سلام کرتے ہوئے ہونٹوں سے منہال ہٹاتے ہوئے بولے۔ "بیٹھ جاؤ ..... پرب چائے لے آؤ۔" پرب کچن کی طرف چل دیا۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ کیپٹن بھی آرام کرسی سے اٹھ کر میرے سامنے صوفے پر آ بیٹھے۔ "کل تمہاری طرف سے ٹی پارٹی دے رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"بہتر ہے سر' دے ڈالئے۔" میں نے کہا۔ پرب نے چند چیزوں کی ٹرے لا کر میز پر رکھ دی۔

بولے۔ "یونیفارم تبدیل کر کے دھاروہیڑہ چلے جاؤ اور اس گانے والی کو لے آؤ۔"

میں ہنس دیا۔ "سر وہ اکیلی تو نہیں آئے گی ...... اور پھر اس کے قیام کا کہاں انتظام کیا آپ نے؟"

"یہیں لے آنا۔ میں نے ہزہائی نس سے اجازت لے لی ہے۔ چوبیس گھنٹے کی۔"

پربب نے دوسری ٹرے لا کر رکھدی اور چائے تیار کرنے لگا۔ میں نے کیپٹن سے جلسہ گاہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا۔ "ان ڈور اسپورٹس کلب۔"

میں نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔ "بہتر ہے سر۔ میں یشودھرا کماری کو لے کر بی کے ہاں جا رہا ہوں۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد۔"

"ارے۔" انہوں نے چونک کر کہا۔ "دس بجے تو محفل شروع ہو جانی چاہیے۔ اگر تم دیر سے۔"

"میں ذیلدار کے نام خط لکھ دیتا ہوں سر۔ بھاسکر جا کر لے آئیگا۔"

"خیر تم چائے تو پیو ...... سوچتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔ پھر مسکرا کر آہستہ سے بولے۔ "اب یشودھرا کماری اکثر تمہارے ساتھ باہر نکلنے لگی ہیں۔ نعیم منزل قریب معلوم ہوتی ہے۔"

"آپ کا خیال ہے ڈیڈی۔" میں نے کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یا پھر آپ حقائق سے گریز کر رہے ہیں۔ ورنہ حالات سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اول منزل سے صرف ایک گولی کے فاصلے پر ہوں۔"

"حماقت کی باتیں مت کرو۔" انہوں نے بگڑ کے کہا۔ اور کپ میز پر رکھ کے پربب کو اندر بلایا۔ میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر نگاہیں جھکا لیں۔ "چائے کا سامان سمیٹو پربب اور۔" انہوں نے الماری کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نعیم کے بچے نے موڈ خراب کر دیا۔" پربب نے میز خالی کر کے وہسکی کی بوتل اور گلاس رکھ دیئے۔

"وہ صرف مذاق تھا سر۔" میں نے کہا۔

"ہو گا۔ انڈیلو اور پیو۔ اپنی صحت کا جام۔ مجھے دو دو پلاؤ۔ جب تک کہ میں پہلی حالت میں نہ آجاؤں۔"

میں نے گلاسوں میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "سر مجھے ڈرائیو کرنا ہے اور آپ سے کیا بتاؤں' وہ کہاں بیٹھتی ہیں اور کس طرح بیٹھتی ہیں ..... اس لئے ------"

وہ مسکرا دیئے۔ "کیا میں نہیں سمجھ سکتا جو پڑھانے کی کوشش کر رہے ہو ..... لیکن ...... کیا انہیں معلوم نہیں ہے تم کلاس ون کے 'پینکڑ' ہو----؟"

"معلوم ہے۔ لیکن یہ تو مجھے خود بھی معلوم نہیں میں کس کلاس میں آتا ہوں۔ سچ پوچھئے تو میں خود کو شرابی ہی نہیں سمجھتا۔"

وہ ہنس دیئے۔ "اچھا خیر پیو تو۔ شرابی کیپٹن ویش کمھ ہے جو انسان ہی اس وقت بنتا ہے جب نشے میں ہو۔" میں نے گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ خالی کر کے سگریٹ سلگایا۔ ایک پیگ۔ اور پیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب اجازت اور آشیرواد ڈیڈی۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "ذیلدار کو لیٹر لکھتے جاؤ۔"

"ذیلدار انگریزی بہت کم جانتا ہے سر' آپ مرہٹی میں لکھ دیں۔ اور اگر میں سات بجے تک واپس آگیا تو خود بھی چلا جاؤں گا۔"

بولے۔ "اچھا جاؤ خدا حافظ۔"

میں نے پیکارڈ کا فیول ٹینک فل کرایا اور پورچ میں لا کر سیڑھیوں سے لگا دی۔ یشودھرا ابھی نہیں آئی تھی اس لئے گاڑی سے نیچے اترا اور ڈسٹر نکال کر کھڑکیوں اور شیشوں پر پھرانے لگا۔ گیٹ حوالدار کیبن سے نکل کر باہر آیا اور سیلوٹ کر کے بولا۔ "صاحب بہادر یہ آپ کو نہیں سجتا۔ لاؤ میں صاف کر دیتا ہوں۔ آپ اوپر جا کر راجکماری جی کو لے آئیں۔"

میں نے ڈسٹر سیٹ کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ "گاڑی صاف ہے حوالدار۔ ذرا شیشے پر پانی کے نشان نظر آ رہے تھے۔ تم مہربانی کر کے متا صاحب کو فون کر دو یشودھرا دیوی کی گاڑی آگئی ہے۔" وہ کیبن کی طرف چلنے ہی لگا تھا کہ لفٹ نیچے آئی اور سادھنا دیوی اور یشودھرا دیوی باہر آئیں۔ میں نے سیلوٹ کر کے پچھلا دروازہ کھولا اور وہ دونوں سوار ہو گئیں۔ گارڈ کی سلامی کے ساتھ میں نے وہیل سنبھالا اور گاڑی لے کر روانہ ہو گیا۔ ایسٹرن گیٹ سے نکلتے ہی یشودھرا اگلی سیٹ پر آگئی۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ "دیدی رانی آپ کئی دن کے بعد نظر آئیں۔ کیا وجہ؟"

بولیں۔ "طبیعت خراب تھی۔ یشودھرا نے نہیں بتایا تمہیں؟"

میں نے یشودھرا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نہیں دیدی۔"

"اگر کہتی بھی تو کیا کر لیتے۔" یشودھرا نے کہا۔

"دعا۔ پراتھنا۔" میں نے جواب دیا۔

انٹر سیکشن پر پہنچتے ہی میں نے گاڑی نیشنل گارڈن کی طرف موڑنی چاہی لیکن یشودھرا نے شہر کی طرف اسٹیئر کر دی۔ سادھنا ہنسنے لگیں۔ میں نے اسپیڈ بڑھا دی۔ حویلی قریب آتے ہی یشودھرا پچھلی سیٹ پر چلی گئی۔ گاڑی کو گیٹ پر روک کر میں نے ہارن بجاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کتنی دیر یہاں ٹھہریں گی۔ سادھنا دیدی؟"

بولیں۔ "تقریباً" گیارہ بجے تک ہم دونوں یہیں رہیں گے۔" پھاٹک کھل گیا۔ اور میں نے گاڑی کمپاؤنڈ میں لے کر سیڑھیوں کے قریب کھڑی کر دی سادھنا دیوی نے کہا۔ "یشودھرا شاپنگ کر کے کتنی دیر میں لوٹو گی؟" میں دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "ایک ڈیڑھ گھنٹے میں۔" وہ مسکرا کر باہر نکلی۔ میں نے تیزی سے دروازہ بند کر کے سادھنا کو رخصتی سلام کیا اور گاڑی لے کر باہر نکل لیا۔ مین روڈ پر آتے ہی یشودھرا پھر اگلی سیٹ پر تھی۔ میں نے اس کو ایک ہاتھ سے گھسیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ گاڑی پل پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے امین پور روڈ کی طرف اسٹیئر کرتے ہوئے اسپیڈ بڑھائی

اور بڑھاتا چلا گیا۔ ڈیلائٹ کارنر تیزی سے پس منظر میں جانے لگا۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "آج آپ کو زندگی کے نئے زاویے دکھائے جائینگے پریتما۔"

"کوئی اور کارنر تاڑ لیا ہے کیا؟" اس نے سادگی سے کہا۔

"نہیں۔ وہی کارنر' وہی ہم۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "زاویہ نہیں سمجھتیں کیا آپ؟"

"سوری ڈیئر۔ میں معمے حل نہیں کر سکتی۔"

"نہ کیجئے۔ جب آپ خود حل ہونے لگیں تو معمہ بھی حل ہو جائیگا۔"

"ڈیم اٹ۔"

"رائٹ۔ ابھی اندھیرا نہیں ہوا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "دراصل یہ کچھ پریکٹیکل قسم کی چیز ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔"

وہ مسکرانے لگی۔ ریسٹ ہاؤس کی بلند سطح شروع ہوتے ہی میں نے گیئر بدلا اور پہاڑی جھاڑیوں کی آڑ میں پہنچ کر انجن بند کر دیا۔ چند منٹ بعد ہم چٹان پر بیٹھے ہوئے غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ریسٹ ہاؤس کے سامنے دور دائیں پہلو میں پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور بلندوبالا درختوں اور کرکوندے اور بیریوں کی جھاڑیوں کے درمیان سے سڑک گزرتی تھی۔ بائیں جانب سو سوا سو فٹ نیچے ندی بہتی تھی جس میں آجکل چار پانچ فٹ گہری پتلی سی دھار کے سوا کچھ تھا تو پتھر اور چٹانیں تھیں یا دونوں کناروں پر گھنا جنگل تھا۔ ندی پر پچاس ساٹھ فٹ اونچا پل بنا ہوا تھا۔ یہی وہ سڑک تھی جو بلرام پور ہوتی ہوئی چکر کاٹ کر پھر دلاس پر سے جا ملتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سورج غروب ہو گیا۔ اور شفق کی سرخی پھیکی پڑنے لگی۔ یشودھرا دلاس پور کے حسین مناظر پر تبصرہ کر رہی تھی۔ وہ مجھ سے تین چار فٹ کے فاصلے پر کسی قدر بلندی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا رخ دلاس پور کی طرف تھا سڑک پر اندھیرا پھیلنے لگا تو وہ کسمسا کر اٹھی اور کہنے لگی۔ "چلو نعیم واپس چلیں۔"

میں اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ اس نے جھک کر میرا ہاتھ پکڑا اور اٹھانے لگی۔ میں نے ہنس کر اس کو گود میں گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں موسم کا حال سننے کے لئے تو نہیں آیا یشو۔"

"مجھے معلوم ہے پریتم۔" اس نے کہا۔ پھر وہ ہنس کر میری بانہوں میں جھول گئی اور گھوم کر نیچے اترنے لگی۔ اسی وقت میری نظر پل کے آخری سرے پر پڑی۔ "یہ کون آ رہا ہے؟" میری زبان سے نکلا۔ یشودھرا نے پلٹ کر دیکھا شہر کی طرف سے ایک کار کی روشنی سڑک سے پل کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ مجھے خطرے کا احساس ہونے لگا۔ دیہات کی

طرف کار میں جانے والے عام کاروباری لوگوں کا یہ وقت نہ تھا۔ یشودھرا کے چہرے پر بھی تفکر کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ "کون ہو سکتا ہے نعیم؟" اس نے سوال کیا۔ آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"آپ کار میں سوار ہو جائیں۔" میں نے کہا۔ "اور بلرام پور کی طرف چل دیں۔ میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔ آپ تھوڑی دیر بعد واپس ہوں اگر کار نکل جاتی ہے تو میں نیچے کھڑا ہوا ملوں گا اور اگر یہ ہماری تلاش میں آئے ہیں تو میں جنگل کی طرف نکل جاؤں گا اور کسی نہ کسی طرح راج محل یا وقت ہوا تو چغتائی صاحب کی حویلی پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور تیزی سے نیچے اتر کے کار اسٹارٹ کر دی۔ شہر سے آنے والی گاڑی نصف پل عبور نہ کرنے پائی تھی کہ یشودھرا جھاڑیوں سے نکل کر میدان میں گاڑی لائی اور لائٹ آن کیے بغیر بلرام پور کی طرف چل دی میں چٹان کی آڑ سے گاڑی کو دیکھتا رہا۔ یہ کوئی باہر کی کنورٹیبل شیورلے تھی جس میں ڈرائیور کے علاوہ چار آدمی خاکی وردیاں پہنے ہوئے سوار تھے۔ ہر ایک کے کندھے سے ریوالور ہولسٹر لٹکا ہوا تھا۔ رائفل کسی کے پاس نہ تھی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ گاڑی چڑھائی سے گزر کر اوپر آئی اور ریسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ چاروں آدمی دروازے کھول کر نیچے اترے ایک نے ٹارچ جلا کر چاروں طرف گھما کر دیکھا۔ "یہاں تو کوئی گاڑی نہیں ہے صاحب۔" ٹارچ والے جوان نے مرہٹی میں کہا۔ صاحب نے (جو کوئی بھی وہ تھا) سگریٹ نکال کر سلگایا اور کش لیتے ہوئے کہا۔ "ریسٹ ہاؤس کے پیچھے دیکھو۔" دو جوان چل دیے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر ایک نے کہا۔ "وہاں بھی نہیں۔" اس نے ٹارچ اپنے ہاتھ میں لی اور چاروں طرف روشنی ڈال کر دیکھتا رہا۔ اور نفی میں سر ہلا کر بولا۔ "اونہوں۔!"

"اطلاع تو یہ تھی کہ ایک گاڑی امین پور روڈ پر جاتی ہوئی دیکھی گی ہے۔ آگے چلیں صاحب؟"

"کدھر چلیں؟" صاحب پکارے جانے والے نے کہا۔ "امین پور یا بلرام پور؟"

"جدھر آپ کہیں صاحب۔ ان چٹانوں پر چڑھ کر دیکھیں؟"

وہ ہنس دیا۔ "بے وقوف کہیں کا۔ کار یہاں نہیں ہے تو چٹانوں پر کون ہو گا۔ آؤ امین پور کی طرف دیکھتے ہیں۔" چاروں کار میں سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی بیک کی اور سڑک پر ڈال کر گیئر بدلا تھوڑی دیر میں ماحول پر خاموشی طاری ہو گئی۔ میں گاڑی کو دور تک جاتے دیکھتا رہا اور جب انٹر سیکشن پر امین پور کی طرف ٹرن لیتے ہوئے دیکھا تو آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ ہر آہٹ پر میرا ہاتھ پستول پر پہنچتا رہا۔ لیکن نکلنے کی نوبت نہ آئی۔ دس منٹ اسی بے چینی کے عالم میں گزرے ہوں گے کہ درختوں کی آڑ سے ایک کار کے ہیڈ لیمپ کی روشنی سڑک پر پڑی۔ میں پھر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ یہ یشودھرا کی

پیکارڈ تھی جو ریسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ کر رکی اور میں تیزی سے نیچے اتر کے اس کی طرف لپکا۔ یشودھرا نے دروازہ کھولا۔ میں نے وہیل سنبھالا اور دروازہ بند کر کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پل عبور کرنے کے بعد پیچھے کی طرف دیکھا۔ شیورلے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ "ایک بار پھر بچ گئے' یشو" میں نے کہا۔

"کون تھا نعیم۔؟ میں نے گاڑی امین پور کی طرف جاتی ہوئی دیکھی لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ پہچان نہ سکی۔" یشودھرا نے کہا۔

"چار پانچ فوجی تھے' لیکن بھیجنے والا کون ہے یہ معلوم نہیں۔" میں نے کہا۔ "وہ خاموش ہو گئی۔ دس منٹ بعد ہم چغتائی صاحب کی حویلی پہنچ گئے اور سوا نو بج رہے تھے کہ راج محل میں داخل ہو گئے۔ یشودھرا نے سادھنا سے اس واقعے کا کوئی ذکر نہ کیا۔

میں دونوں کو اوپر پہنچا کر واپس ہوا تو بھاسکر گلابو' تابو اور ان کے تین سازندوں کو لے کر آ چکا تھا۔ انہیں ایک خالی بنگلے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ میں کیپٹن کے بنگلے پہنچا تو وہاں اس وقت اعلیٰ فوجی افسروں کا ہجوم تھا۔ میجر برنی بھی موجود تھے اور کوئی سیٹ خالی نہ تھی۔ میں نے کیپٹن کو سیلوٹ کیا۔ انہوں نے اٹھ کر تمام افسروں سے میرا تعارف کرایا۔ رات کے دس بجے سے صبح کے پانچ بجے تک ناچ اور گانا ہوتا رہا۔ ان دو گمنام اور بے حیثیت سے پاتروں نے سننے والوں کو مسحور کر دیا۔ تمام رات روپے کی بارش ہوتی رہی اور صبح کو جس وقت قیام گاہ کی طرف جانے لگیں تو لوگوں کے ہجوم سے نکلانے کے لئے کیپٹن اور میجر برنی کو ان کے ساتھ جانا پڑا۔ تمام دن سونے کے بعد سہ پہر کو کیپٹن نے دونوں کو راج محل کی پہلی دوسری اور تیسری منزل کے ان تمام کمروں کی سیر کرائی جو اس قسم کے سازو سامان سے آراستہ تھے جو کسی عجائب خانے میں ہی پایا جاتا ہے اور سیاحوں اور پبلک کو دکھائے جانے کے لئے مخصوص تھے۔ شام کو گانے والیوں کو مزید انعام دے کر رخصت کر دیا گیا اور بھاسکر ان کو کار میں بٹھا کر دھاروبیٹرہ چھوڑ آیا۔ میں اس تمام فنکشن کے دوران نہایت محتاط رہا۔ اور ان دونوں بہنوں سے مختصر سی رسمی بات چیت کے سوا کسی قسم کا تعلق ظاہر نہ ہونے دیا۔ لیکن اس کے باوجود کیپٹن کی طرف سے پارسائی کے بجائے اچھی ایکٹنگ کا سرٹیفکیٹ ملا۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد میں نے چند پیگ چڑھائے اور واسو کو کسی بھی حالت میں نہ جگانے کی تاکید کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

دوسرے دن میں کھانا کھا کر آٹھ بجے کیپٹن کے بنگلے پہنچا تو میجر برنی اور کیپٹن ٹھاکر ان کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ کیپٹن ٹھاکر بلارم کے رہنے والے تھے اور ان پاشا ٹائپ مونچھوں کی وجہ سے ہر جگہ پہچانے جاتے تھے۔ مجھ سے واقف تھے۔ چند روز پہلے ٹی پارٹی اور گانے کی محفل میں بھی ملاقات ہو چکی تھی۔ بیٹھتے ہی میجر برنی نے کہا۔ "ٹائیگر ختم ہو گئی۔ کیا چاہیں؟"

"یہ تو اچھی خبر نہیں سر۔" میں نے کہا۔
ٹھاکر نے کیپٹن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میرے بنگلے چلیے۔" پھر میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔ "کتنی پی سکتے ہو ٹائیگر؟"
کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "یہ نہ پوچھیے میرے اردلی کو بھیج کر اپنا تمام اسٹاک منگا لیجیے اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر شیرں کا پینا دیکھیے۔" ٹھاکر نے ہنس کر جیب سے پین نکالا اور پرچا لکھ کر پرب کو دے دیا۔ "تین بوتلیں ہیں کیپٹن۔ میں ان کو ختم ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر چاہے پہلی تاریخ تک بوند بوند کو ترسنا پڑے۔"
"ساڑھے گیارہ بجے ایک قطرہ نہ رہے۔" کیپٹن نے کہا۔
میجر برنی نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ "تین بوتلیں۔ تین گھنٹے' تین پینے والے ......"
ٹھاکر نے ہنس کر کہا۔ "چوتھا میں نہیں ہوں کیا؟"
"آپ ابھی سے ترسنے کی پریکٹس کیجیے کیپٹن۔" میجر برنی نے کہا۔ "ساقی اکثر محروم ہی رہا کرتا ہے۔"
کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "نہیں میجر صاحب ہم بخیل ملا نہیں ہیں کہ ساقی کو جنت کے وعدے پر ٹرخا کر پس پر وہ اپنا حوض بھرنا شروع کر دیں۔ ٹھاکر ہمارے شریک طعام اور شریک کلام ہیں تو شریک جام بھی رہیں گے۔"
"ویسے آپ پریشان نہ ہوں۔ اگلے ہفتے وسکی کی بارش ہونے والی ہے۔"
"کیوں۔۔؟"
"گورنر آ رہا ہے۔"
"اوہ۔ باڈی گارڈز کے مزے آگئے کیپٹن۔ ہم سوکھے رہ گئے۔" میجر نے کہا۔ "کتنے دن کا پروگرام ہے؟"
"خدا بہتر جانتا ہے۔" کیپٹن نے کہا۔ "آ رہے ہیں تو تمام تقریبات پوری کر کے جائیں گے۔"
"ہائے راما۔!" ٹھاکر نے کہا۔ "تو نے ٹھاکر کو کیپٹن بنایا اور شاید میجر یا کرنل بھی بنا دے گا۔ لیکن اگر چھ سات انچ زیادہ قد بھی دے دیتا تو آج باڈی گارڈز میں ہوتا اور ڈنر' ڈانس' وسکی' شکار' اسپورٹس اور سیر و تفریح میں انگریزوں کے دوش بدوش نہ ہوتا۔ کیا ذرا سی بات پر مار کھائی ہے کیپٹن۔" کیپٹن نے قہقہہ لگایا۔ میجر نے کہا۔ "گلاس بھر کے غٹ غٹاؤ ٹھاکر اور عورتوں کی طرح کڑھنے کے بجائے گانا سناؤ۔" ٹھاکر نے گلاس میں انڈیل کر بوتل میری طرف سرکائی اور گنگنانا شروع کر دیا۔ "کیا کارن ہے اب رونے کا' کالی رات ہوئی اجیالی۔"
میجر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ڈیم اٹ۔ کس قدر بے سرے آدمی ہو ٹھاکر۔ دیکھو ایسے

گاتے ہیں۔" انہوں نے غزل شروع کر دی۔ میں نے اپنے اور کیپٹن کے گلاسوں میں انڈیل کر پینی شروع کر دی۔ دو تین گھونٹوں میں خالی کر کے پھر بھرتے ہوئے کہا۔ "آپ بہت اچھا گاتے ہیں سر۔"

کیپٹن نے کہا۔ "ہاں میرا بھی یہی خیال ہے ..... لیکن ایک خیال اور بھی ہے۔"

"کیا سر----؟" میں نے ان کے گلاس میں بھی انڈیلی۔

"اگر ایک ڈیڑھ گھنٹہ اسی غزل پر ریاض کرتے رہیں۔ تو نہ جانے کیا قیامت ڈھائیں۔" انہوں نے ایک آنکھ بند کرتے ہوئے کہا۔ میجر نے قہقہہ لگا کر گلاس آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وسکی ختم کر کے ریاض کروں گا کیپٹن۔ شکار پوری میں بھی نہیں ہوں۔"

"ایزیو پلیز سر۔" ٹھاکر نے ان کے گلاس میں انڈ یلتے ہوئے کہا "ویسے اصولاً" آپ جیسے خوش گلو آدمی کو شراب سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

"بجا ہے۔" میجر نے کہا۔ "اصولاً" تو مجھے فوج سے بھی استعفیٰ دے دینا چاہئے تاکہ سڑک کے کنارے بیٹھ کر ریاض کرنے کے سوا کوئی جھمیلا نہ رہے۔" کیپٹن نے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر انہوں نے اپنی "پیٹنٹ غزل" نکتہ چیں ہے غم دل ...." شروع کر دی۔ بارہ بجے کے قریب شعرو شراب ایک ساتھ ختم ہو گئے۔

دو روز بعد شہر کی تزئین و آرائش کا سلسلہ شروع ہوا۔ سڑکوں کی مرمت ہونے لگی۔ جگہ جگہ دروازے بنائے گئے۔ راج محل کو جھنڈیوں اور رنگین قمقموں سے آراستہ کیا گیا۔ کیمپ میں بھی وسیع پیمانے پر تیاریاں ہونے لگیں۔ گورنر کی آمد سے ایک روز قبل ریزیڈنٹ نے راج محل اور ہزہائی نس نے برٹش کیمپ میں چائے پی اور انتظام سے متعلق صلاح مشورے کئے۔ ان تمام سرگرمیوں کے دوران میں حسب معمول راج محل میں ڈیوٹی دیتا رہا۔ حتیٰ کہ ہزہائی نس کے ساتھ کیمپ جانے والوں میں بھی کیپٹن بھاسکر وجے سنگھ بنارس خان وغیرہ تھے۔ مجھے شامل نہیں کیا گیا۔ میں نے کیپٹن سے اپنے اس طرح نظر انداز کئے جانے کی شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ پروگرام ایڈی کانگ نے مرتب کیا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ بہرکیف گھاٹے میں نہ تھا۔ تمام بڑے افسروں اور ہزہائی نس کی مصروفیت سے درباری پابندیاں نرم پڑ گئی تھیں اور میرے مشاغل کا میدان وسیع ہو گیا تھا۔ مہتا صاحب کو چکمہ دے کر کیبن سے آدھا آدھا گھنٹہ غائب ہو جاتا۔ نرملا سے تجدید مراسم کی۔ ساوتری کے ساتھ چائے پی۔ ایک مرتبہ یشودھرا کے ساتھ کھانا کھایا جس کا اہتمام سادھنا دیوی نے کیا۔ ہزہائی نس ہر مسئلے میں طلب کرتیں۔ غرض راج محل میں بالواسطہ میری اہمیت بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر بھی راج محل کی چار دیواری اور ماحول کی یکسانیت سے گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ آخر جس روز صبح کو گورنر کی اسپیشل بمبئی سے آنے والی تھی، شام کو ڈیوٹی

سے آف ہونے کے بعد میں بھاسکر کے پاس پہنچا اور اس کو چند گھنٹے کے لئے شہر سے کسی دوست کی کار لانے کو کہا۔ وہ میر مقصد سمجھ کر بولا۔ "سر آج تو یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ نہ معلوم ہزہائی نس کس وقت آپ کو طلب کر لیں۔"

"دیکھا جائیگا۔" میں نے دس روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "میں کیپٹن صاحب سے شہر جانے کی اجازت لے لیتا ہوں۔" وہ "بہتر ہے" کہہ کر خاموش ہو گیا۔ میں کیپٹن کے بنگلے کی طرف چل دیا۔

ڈرائنگ روم میں سارجنٹ آئزیک درباری لباس پہنے کھڑا تھا اور کیپٹن ہاتھ میں وسکی کا گلاس لئے ہوئے مختلف زاویوں سے اس کا معائنہ کر رہے تھے۔ سیلوٹ کرتے ہی میری طرف دیکھ کر بولے۔ "ٹائیگر میں تمہاری انتظار کر رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "حکم جناب" میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "یہ نیا سوٹ سل کر آیا ہے' ذرا پہن کر دکھاؤ۔" میں نے آگے بڑھ کر پیکٹ اٹھایا اور بیڈ روم کی طرف چل دیا۔ کیپٹن کرسی پر بیٹھ کر پینے لگے۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر یونیفارم پہنا اور ٹپ ٹاپ ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ کیپٹن گلاس رکھ کر اٹھے۔ میں نے پھر سیلوٹ کیا۔ انہوں نے قریب آ کر سر تا پا میرا جائزہ لیا۔ آئزیک کو برابر میں کھڑا کر کے دونوں پر ایک نظر ڈالی اور مسکرا کے بولے "گورنر کے باڈی گارڈز میں شاید ہی ایسی جوڑی نکل سکے۔"

آئزیک نے کہا۔ "سر کوئی نہیں ہے۔ ٹائیگر جیسے۔" مجھے اس کے ریمارک پر ہنسی آ گئی اور میں نے منہ پھیرا لیا۔ اسکے اس جملے میں منافقت جھلک رہی تھی۔ انگلش اسپیکنگ اور مجھ سے پانچ سال سینئر ہونے کے باعث اس کو میرا اتنے کم عرصے میں سارجنٹ میجر ہو جانا ناگوار تھا۔ جس کا اظہار وہ کئی مرتبہ جونیئر آفیسرز میس میں کر چکا تھا۔ کیپٹن نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں دوسرا حکم ملنے تک' جو کسی بھی وقت مل سکتا ہے۔ اپنا بنگلہ چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ گے۔"

میں نے چونک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "سر کیا ڈیوٹی پر بھی نہیں؟"

"اگر اس سے پہلے کوئی حکم نہ ملے تو دس بجے میرے پاس پہنچ جانا میں یہیں ہو نگا۔"

"تھینک یو سر۔" کہہ کر ہم نے سلام کیا اور رخصت ہو کر اپنے اپنے بنگلے کو چل دیئے۔ مجھے بیش قیمت یونیفارم ملنے کی خوشی سے زیادہ اپنے پروگرام کے تلپٹ ہو جانے کا افسوس تھا۔

صبح دس بجے جس وقت ہزہائی نس' بنارس خاں اور بھاسکر کو داہنے بائیں لئے ہوئے ایڈی کانگ سے باتیں کرتے ہوئے ہال سے برآمد ہوئے میں کیبن کے قریب دروازے کے سامنے کھڑا ہو کر کڑھ رہا تھا۔ ہزہائی نس سلامی لیتے ہوئے لفٹ کی طرف چلے گئے۔ انہوں

نے میری طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ مجھے اپنی محرومی بری طرح کھلنے لگی۔ سارجنٹ آئزک بھی میری طرح ناردرن گیٹ پر ٹنگا ہوا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے راج محل کے سامنے فوج اور رسالے کی سرگرمیاں رہیں اس کے بعد مہاراجہ کی سواری باہر نکلتے ہی خاموشی طاری ہو گئی۔ گیارہ بجے کے بعد چوتھی منزل پر "میلا راج" قائم ہو گیا۔ راجکماریوں ان کی سہیلیوں اور داسیوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح ہجوم در ہجوم نظر اٹھا کر دیکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ صرف سونگھ کر محسوس کیا جا سکتا تھا کہ رنگ و نکہت کا ایک دو رویہ سیلاب رواں دواں ہے۔ یورش ہز ہائی نس کے ڈرائنگ روم پر تھی جو اس وقت تنہا تھیں۔ ممکن ہے انہوں نے ایک دو راجکماریوں کو طلب کیا ہو۔ لیکن یہاں پوری رجمنٹ حرکت میں آ گئی تھی۔ کچھ جانے پہچانے چہرے بھی گزر رہے تھے۔ لیکن نہ انہیں ہم کو پہچاننے کی مجال تھی نہ ہمیں ان کی تاب جمال۔

دوپہر کو دو بجے کیپٹن نے شام کو سات بجے پھر ڈیوٹی پر آنے کا حکم دے کر ریلیو کر دیا۔ اس وقت یہاں صورتحال بدل چکی تھی۔ راج محل نے یکسر مردانہ جون بدل لی تھی۔ راجکماریوں کے بجائے اب کاریڈور میں راجکماروں اور درباریوں کی صورتیں نظر آنے لگی تھیں۔ میں کھانا کھا چکا تھا۔ آف ہوتے ہی کپڑے تبدیل کر کے گورنر کے استقبال کی روداد بیان کر رہے تھے۔ میں ے دونوں کو سلام کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ آج شام کو گورنر ڈنر پر یہاں آ رہے ہیں اور مودی صاحب اور ان کا سٹاف کی مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ انہیں ہز ہائی نس سے بات کرنے کی بھی فرصت نہ تھی۔ باتیں کرتے کرتے میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ "شام کو تمہاری شکایت رفع ہو جائے گی۔"

میں نے کہا۔ "مجھے کوئی شکایت تو نہیں ہے سر۔ گورنر صاحب کو دیکھنا چاہتا تھا سو کسی نہ کسی وقت موقع مل ہی جائیگا۔"

وہ ہنس دیئے۔ "نہیں میں دیکھ رہا ہوں تم نے اور آئزیک نے اس وقت نظر انداز کئے جانے کو بری طرح محسوس کیا ہے۔ اور یہ قدرتی ہے۔ نئے سوٹ دیئے جانے پر خود میرا خیال یہی تھا کہ وہ ہمیں پیش پیش رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ نہ معلوم کیوں؟"

"آپ کی اور بات ہے سر۔" میں نے کہا۔ "آپ ہز ہائی نس کے دست راست ہیں۔ ہمیں اس انداز میں سوچنے کا حق ہیں۔"

"تم بہت مہذب آدمی ہو۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔ میں نے "تھینک یو سر" کہہ کر بات ختم کر دی۔

گارڈ آف آنر وغیرہ کی رسمی کارروائیوں سے گزرنے کے بعد دیوان ہال میں داخل ہوتے وقت دروازے پر میں نے اور آئزیک نے ہزہائی نس اور گورنر کو تلوار سے سلامی دی۔ وہ اس وقت مہاراجہ سے گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے اور اس قدر منہمک تھے کہ بغیر دیکھے ہاتھ اٹھا کر جواب دیتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ ان کے عقب میں ہر ایکسی لنسی اور مہارانی باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھیں اور پھر گورنر کے باڈی گارڈز ریزیڈنٹ ان کی لیڈی اور فوجی افسروں کا ہجوم تھا۔ کرنل سوڈھی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور اندر داخل ہو گئے۔

نو بجے کھانا شروع ہونے سے پہلے کیپٹن دلیش مکھ دروازے پر آئے۔ ان کے ساتھ بھاسکر اور بنارس خان تھے۔ جن کو علی الترتیب زینے پر اور دروازے کے سامنے تعینات کر کے کسی مہمان کو اندر نہ آنے دینے کی تاکید کر کے گراؤنڈ فلور گارڈ کو بھی فون پر ہی حکم دیا اور ہمیں لے کر اندر داخل ہوئے۔ یہاں ہال کے دونوں سروں پر پچاس پچاس کرسیوں کی دو دو قطاریں تھیں۔ درمیان کا حصہ خالی تھا۔ میزوں پر کھانے چنے جا چکے تھے۔ دروازے سے بائیں جانب کرسیوں پر گورنر' ان کی لیڈی' ریزیڈنٹ کی لیڈی' ریزیڈنٹ اور اعلیٰ فوجی حکام تھے۔ ان کے سامنے والی نشستوں پر ہزہائی نس' مہارانی' چند راجکماریاں اور راجکمار دوسرے پہلو میں وزیر اعظم ایڈی کانگ اور چند زعمائے شہر تھے۔ گورنر اور ریزیڈنٹ کے عقب میں ان کے دو انگریز باڈی گارڈ اور سیکرٹری وغیرہ تھے۔ ان سب کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ کھانا شروع ہونے تک کیپٹن نے ہمیں چند ضروری ہدایات دیں۔ مثلاً "کھانے کے دوران کسی کو سلام نہیں کیا جاتا۔ ہزہائی نس کے سوا کسی مہمان کے حکم کا نوٹس نہیں لیا جاتا۔ خواہ وہ گورنر یا ان کی لیڈی ہی کیوں نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ہم آڑ میں کھڑے ہوئے ان کی باتیں سنتے رہے۔ تھوڑی دیر میں کھانا شروع ہو گیا۔ کیپٹن نے ہمیں اشارہ کیا اور ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ہزہائی نس کی کرسی کے قریب پہنچ گئے۔ سب کھانے میں مشغول تھے۔ جاز کی ہلکی موسیقی اور جھاڑ فانوسوں سے چھن چھن کر آنے والی نرم روشنی ایک سرور افزا خوابناک ماحول پیدا کر رہی تھی۔

کھانا کھاتے کھاتے گورنر یا ہزہائی نس کی طرف سے کوئی لطیفہ ہو جاتا تو قریبی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی خواتین کے نقرئی قہقہے فضا میں گونج اٹھتے اور سب ان کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ان کے لطیفوں سے پوری طرح محظوظ ہونے کے لئے میں کھسک کر ذرا اور قریب پہنچ گیا۔ گورنر نے گلاس ہونٹوں کو لگاتے لگاتے گردن اٹھا کر مہارانی کے پیچھے کھڑے ہوئے آئزیک کی طرف دیکھا۔ اس کا قدوقامت اور یونیفارم دیکھ مسکرایا۔ ایک گھونٹ لے کر اس کی نظروں کا زاویہ بدلا وہ ہزہائی نس سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میرے چہرے پر نظر پڑی۔ بولتے بولتے رک کر غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر حیرت و استعجاب کے نقوش

ابھرے اور گلاس ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔ میں نے جھینپ کر نظریں جھکالیں۔ ہزہائی نس نے چونک کر کہا۔ ”اوہ! یورایکسی لنسی۔“ گورنر نے مسکرا کر ”سوری“ کہا اور گلاس ہاتھ سے رکھ کر نیپکن کی طرف دیکھنے لگا۔ شراب چھلک گئی تھی اور چند قطرے اسٹیک کی پلیٹ پر نظر آ رہے تھے۔ ایک بیرے نے بڑھ کر پلیٹ تبدیل کر دی۔ ہزہائی نس نے گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ ان کے ساتھ کئی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ میں گھبرا کر آئزک کی طرف دیکھنے لگا۔ تمام چلتے چلتے رک گئے اور ماحول میں تعطل سا پیدا ہو گیا۔ چند لمحے بعد پھر چمچوں اور کانٹوں کے پلیٹوں سے ٹکرانے کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور وقت آہستہ آہستہ رینگتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ چند لقمے لینے کے بعد گورنر نے سیکرٹری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہمم۔۔۔۔۔!“

سیکرٹری نے آہستہ سے کہا۔ ”یس یورایکسی لینسی۔ حیرت ناک بات ہے۔“

گورنر نے ہنس کر بات اڑاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں یورہائی نس۔“ مہاراجہ نے معنی خیز نظروں سے ایڈی کانگ کی طرف دیکھا اور مسکرا دیئے۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد ہم ہزہائی نس کو سلام کر کے ڈیوٹی سے آف ہونے لگے تو انہوں نے کیپٹن سے کہا۔

”تم نے دیکھا یشونت .... اس لئے ہم آئزک اور نعیم کو انگریز حکمرانوں کے سامنے لانے سے گریز کرتے ہیں۔“

کیپٹن نے کہا۔ ”بجا ہے یورہائی نس۔ آپ کے باڈی گارڈز گورنر کے باڈی گارڈز سے کہیں بہتر نظر آ رہے تھے۔“

ہزہائی نس نے مسکرا کر کہا۔ ”اس کے علاوہ شاید کچھ اور بھی ہے۔“

کیپٹن نے کہا۔ ”ممکن ہے یورہائی نس۔“

”بحیثیت مجموعی انتظام بہت اچھا رہا۔ گورنر کے رویے سے ظاہر ہوتا تھا وہ بہت متاثر ہوا ہے۔“ انہوں نے بیڈ روم کی طرف چلتے ہوئے کہا۔ کیپٹن نے رخصتی سلام کیا۔ ہزہائی نس کا خوشگوار موڈ دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔

زینہ اترتے ہوئے آئزک نے کہا۔ ”سارجنٹ میجر آپ کی زندگی میں تبدیلی آنے والی ہے لیکن میں مبارکباد نہیں دوں گا۔“

میں نے اس کے لہجے کی تلخی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”میں کسی کی مبارکباد کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھنا جانتا ہوں سارجنٹ۔“

کیپٹن نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور آنکھ سے اشارہ کیا۔ میں خاموش ہو گیا۔ پورچ سے باہر نکلتے ہی آئزک نے کہا۔ ”نہیں کیپٹن' شیر اس وقت تک شیر ہی رہے گا جب تک کہ ببر شیر سامنے نہ آ جائے۔“

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اور شاید وہ ببر شیر تم ہو ...... میں چاہتا ہوں تم اپنا ببر شیر ہونا ثابت کرو۔ سارجنٹ۔"

کیپٹن نے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب اگر کسی نے ایک لفظ زبان سے نکالا تو میں اسے ڈسپلن کی خلاف ورزی سمجھوں گا۔" آئزیک نے سیلوٹ کیا اور اپنے بنگلے کی طرف چل دیا۔

تین روز گورنر کے اعزاز میں دعوتوں ضیافتوں اور سیروشکار کا سلسلہ جاری رہا۔ دو مرتبہ گورنر نے بھی برلس کیمپ میں مہاراجہ کو ڈنر دیا۔ اب ہر تقریب میں اور ہر مقام پر میں اور آئزیک ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ کیپٹن کے سوا ہم نے کسی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ہمارے درمیان بول چال نہیں ہے۔ چوتھے روز جبکہ گورنر "خراج عقیدت" قبول فرما کر شام کو آٹھ بجے بمبئی واپس جانے والے تھے۔ سہ پہر کو تین بجے کے قریب کرنل سوڈھی نے کیپٹن کو ٹیلیفون کر کے مجھے کیمپ بلایا۔ میں نے کپڑے تبدیل کئے اور کیپٹن کی کار لے کر کیمپ کی طرف روانہ ہوگیا۔ کرنل کے بنگلے کے سامنے گاڑی کھڑی کی اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ کرنل کی بیٹھک کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہارن کی آواز سنتے ہی وہ باہر نکلے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ مزاج پرسی کی اور اندر لے جا کر صوفے پر بٹھایا۔ میں نے اقبال سنگھ کے خط پتر کے متعلق پوچھا تو میرے برابر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "شاید اگلے مہینے دو چار دن کے لئے یہاں آئے تجھے خط نہیں لکھتا کیا؟" میں نے کہا۔ "کبھی کبھی لکھتا ہے۔" وہ اس وقت فل یونیفارم میں تھے۔ ادھر ادھر کی چند باتیں کر کے میں نے کہا۔ "چاچا جی آج کیسے یاد فرمایا؟"

مسکرا کر بولے "تجھے گورنر کے ساتھ چائے پلانی ہے۔" میں ہنس دیا۔ وہ ٹیلیفون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے بولے۔ "یقین نہیں کیا۔" میں جواب دینے کے بجائے ان کا منہ تکنے لگا۔ انہوں نے ڈائل پر دو نمبر گھمائے اور ماؤتھ پیس میں بولے۔ "سر چائے کا وقت ہو گیا۔" ایک سیکنڈ کا وقفہ دے کر کہا۔ "حاضر ہوتا ہوں سر۔" ریسیور رکھ کر اٹھتے ہوئے بولے۔ "چلو نعیم۔"

میرے ذہن میں پہلے ڈنر پر گزرے ہوئے واقعات گھومنے لگے۔ اب کرنل کے بلانے کا مقصد میری سمجھ میں آیا۔ لیکن بعد از وقت میں نے مصلحت آمیز رویہ اختیار کیا اور شکریہ ادا کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں نے سادگی سے کہا۔ "چاچا جی آپ نے میری عزت افزائی کی۔" مسکرا کر بولے۔ "تو میرا بچہ نہیں ہے کیا پاگل۔ گورنر صاحب تجھے پسند کرتے ہیں۔ اگر کسی کام کو کہیں تو انکار نہ کرنا۔" ریزیڈنٹ کے ڈرائنگ روم میں گورنر' ان کی لیڈی' ریزیڈنٹ کی لیڈی اور ریزیڈنٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔ گورنر اور ریزیڈنٹ نے بیٹھے بیٹھے مسکرا کر مصافحہ کیا اور

سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ کرنل اسی طرح کھڑے رہے۔

گورنر نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تمہارا نام نعیم ملک ہے؟"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یس یور ایکسی لینسی۔"

ریزیڈنٹ نے کہا۔ "یور ایکسی لینسی اس کا تعلق پنجاب سے ہے اور اس کا خاندان تاج برطانیہ سے وفادار ہے۔"

گورنر نے کہا۔ "گڈ ..... آئی لائک ہم۔" ریزیڈنٹ نے میری طرف دیکھا۔ میں نے گورنر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے یور ایکسی لینسی۔"

گورنر نے کرنل کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بیٹھ جاؤ کرنل۔" کرنل شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئے۔ ریزیڈنٹ نے اپنے اردلی کو چائے لانے کا اشارہ کیا اور گورنر سے باتیں کرنے لگے۔ چائے کے دوران بھی وہ آپس میں باتیں کرتے رہے ہنستے مسکراتے رہے۔ میں "تاج برطانیہ سے وفادار خاندان" کے مفہوم پر غور کرتا رہا۔ چائے ختم ہوتے ہی دونوں لیڈیاں ایک ایک کر کے اندر چلی گئیں۔ ریزیڈنٹ نے کرنل کی طرف دیکھا اور وہ بھی کھسک گئے۔ ریزیڈنٹ نے سگریٹ کا ٹن میری طرف سرکاتے ہوئے کہا۔ "اسموک ینگ مین۔" میں نے شکریہ ادا کر کے سگریٹ سلگایا اور پینے لگا۔ گورنر نے پائپ کا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ "کیا تم یہاں۔ میرا مطلب ہے ہزہائی نس کی سروس میں بالکل مطمئن ہو نعیم۔۔۔؟"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "میں بہت مطمئن ہوں یور ایکسی لینسی۔"

ریزیڈنٹ نے ہنس کر کہا۔ "نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں خود بھی معلوم نہیں تمہیں قدرت نے بڑے بڑے کاموں کے لئے بنایا ہے۔ یہ محدود وسائل رکھنے والی ریاست تمہارا میدان نہیں ہے نعیم۔ تمہیں اپنے بزرگوں کی طرح برٹش کراؤن کی خدمت کرنی چاہیے۔ جہاں تمہارے لئے ترقی کے لامحدود امکانات ہیں۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یہ آپ میری عزت افزائی کر رہے ہیں سر" لیکن میں میٹرک کلیئر نہیں کر سکا...... اس لئے کسی بڑی پوسٹ کے لئے تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہزہائی نس نے جس طرح مجھے نوازا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جس کا میں مستحق ہوں۔"

"تعلیم کوئی رکاوٹ نہیں ہے نعیم۔" ریزیڈنٹ نے کہا۔ "ہزایکسی لینسی تمہیں پسند کرتے ہیں ...... اور کسی مشن پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو ممکن ہے بہت بڑی شخصیت بن جاؤ۔ ہم اس کے متعلق کوئی وعدہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ وعدہ کر سکتے ہیں کہ ناکام یا ناپسند ہو کر بھی لوٹے تو تمہیں سیکنڈ لیفٹنٹ کی حیثیت سے فوج میں لے

ہو جائیگا۔ بولو کیا کہتے ہو؟" میں نے اپنے گرد ایک آہنی شکنجے کا حلقہ تنگ ہوتا محسوس کیا۔ "عزت افزائی اور فیاضانہ پیشکش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گورنر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یورایکسی لنسی' میرا جسم' میری روح' میرا گوشت آپ کی ملکیت ہے۔ لیکن میں ہزہائی نس سے تادم مرگ وفاداری اور خدمت کا حلف اٹھا چکا ہوں۔ اس لئے۔" میں موزوں الفاظ تلاش کرنے کے لئے رکا۔ صاف انکار مجھے مناسب معلوم نہیں ہوا۔ گورنر نے میری ہچکچاہٹ محسوس کر کے کہا۔ "تم استعفیٰ دے کر ذمہ داری سے بری ہو سکتے ہو۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یورایکسی لینسی آپ کی سرپرستی کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ ہزہائی نس آپ کے اشارے پر مجھے فارغ کر سکتے ہیں۔" یہ الفاظ میں کہنے کو تو کہہ گیا لیکن اس تصور سے کانپ اٹھا کہ اگر یہ تیار ہو گئے تو کیا ہو گا۔ کیا میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں .... یا گورنر یا برٹش گورنمنٹ اس سے زیادہ کچھ دے سکتی ہے جو مجھے یہاں حاصل تھا۔ "خداوندا!" میں نے دل میں کہا اور سگریٹ کا ہلکا سا کش لے کر گورنر کی طرف دیکھا وہ میرے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ مسکرا کر بولے۔ "یہ ہم ان پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ اور تم بھی ان سے اس ملاقات کا ذکر نہیں کرو گے۔"

میں نے سر جھکا کر کہا۔ "بہتر ہے یورایکسی لینسی ..... آپ مہربانی فرما کر مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیجئے اگر ناگوار نہ ہو۔"

"ایک ہفتہ۔" انہوں نے کہا۔ "آج کے دن تمہیں ریزیڈنٹ صاحب کے پاس حاضر ہو کر حکم نامہ لینا ہے اور فوراً" بمبئی پہنچنا ہے۔" میں ان کے لہجے سے سمجھ گیا۔ سوچنے کا موقع' تیاری کے وقفے کا نام تھا۔ یہ کھلا حکم تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر ریزیڈنٹ نے کہا۔ "کوئی اور پرابلم----؟"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہزایکسی لینسی کے حکم کے بعد پرابلمز کوئی معنی نہیں رکھتے سر۔"

گورنر نے ریزیڈنٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ضرور ہوں گے لیکن تم ان کو حل کرنے میں مدد کر سکتے ہو۔"

ریزیڈنٹ نے کہا۔ "یقیناً" یورایکسی لینسی۔" گورنر نے مسکرا کر مصافحے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

میں راج محل لوٹا تو دنیا کا مایوس ترین' دل شکستہ انسان تھا۔ جس کے چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کیپٹن کے بنگلے کے سامنے پہنچ کر کار کا انجن بند کیا اور باہر نکل کر دروازے کی سیڑھیوں پر آیا۔ مجھے خوف تھا۔ کیپٹن میری شکل دیکھتے ہی دل کی حالت کا اندازہ لگا لیں گے اور پھر اس وقت تک سوالات کرتے رہیں گے جب تک کہ سب کچھ نہ اگلوا لیں۔ میں نے رک کر سگریٹ سلگایا۔ کش لگاتے ہوئے گردوپیش کے چمن زار پر نظر

ڈالی اور چہرے پر مسکراہٹ طاری کرنے کی کوشش کرتاہوا اندر داخل ہوا۔ کیپٹن صوفے پر بیٹھے ہوئے شام کا اخبار پڑھنے میں محو تھے۔ سلام کرتے ہی بولے۔ "بیٹھو۔ کیا بات تھی---؟" میں نے الماری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں سر۔ اقبال سنگھ کا خط آیا تھا۔ وہ آنے والا ہے ...... آپ پئیں گے کیا؟"

مسکرا کر بولے--- "انکار تو میرے مشرب میں حرام ہے۔ نکالو کرنل نے سوکھی چائے پر ٹرخا دیا کیا----؟"

میں نے گلاس اور بوتل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے اس سے مبرا سمجھتے ہیں۔ اس لئے میرے سامنے خود بھی نہیں پیتے۔"

انہوں نے قہقہہ لگا کر گلاس اٹھا لیا۔ دو تین پیگ پینے کے بعد میں ان سے اجازت لے کر چل دیا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں ان کو ڈاج دینے میں کامیاب تھا۔ رات کو ہزہائی نس گورنر کو سی آف کرنے گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ دیر تک سیلون میں بیٹھے ہوئے گورنر سے باتیں کرتے رہے۔ اسٹیشن سے واپسی پر میں اور آئزیک انہیں ڈارئنگ روم پہنچا کر لوٹنے لگے تو انہوں نے کوٹ اتار کر میری طرف بڑھاتے ہوئے آئزیک کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اوکے۔" آئزیک سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ میں ان کا کوٹ الماری میں رکھ کر ان کے پاس آیا تو مسکرا کر بولے۔ "ٹائیگر ہمارا خیال صحیح ثابت ہوا۔"

میں نے سر جھکا کر درباری لہجے میں کہا۔ "یورہائی نس آپ کا خیال کبھی غلط ثابت ہوا ہو۔ ایسا مجھے یاد نہیں۔"

بولے۔ "تمہیں یاد ہے گورنر صاحب تمہیں دیکھ کر چونکے تھے؟"

"میں نے بھی کچھ ایسا ہی محسوس کیا تھا۔ یورہائی نس۔" میں نے کہا۔

"آخر آج چلتے چلتے وہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کر ہی گئے۔ کیا تم ان کے پاس جانے کو تیار ہو؟" انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کس لئے یورہائی نس۔ میرا ان سے کیا تعلق---؟"

ہزہائی نے ہنس کر کہا۔ "ہے بھئی، ہم سب انہی کے تو ہیں تمہیں جانا پڑے گا۔"

"آپ کا حکم ہو تو مجھے اس کی تعمیل کرنے پر فخر ہو گا یورہائی نس۔"

"ٹھیک ہے۔ کل ریزیڈنٹ سے مل لو۔ شاید ان کو کچھ زیادہ معلوم ہو۔"

"بہتر ہے یورہائی نس۔ میں نے سر جھکا کر کہا۔ "لیکن اگر اسکے معنی آپ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کے ہیں تو میں گورنر کے پاس جانے کے بجائے دنیا چھوڑنا پسند کروں گا۔" ہزہائی نس ہنس دیئے۔" ایسی کوئی بات نہیں ہے پاگل۔" انہوں نے کہا۔ "شاید کوئی

ضرورت انہیں مجبور کر رہی ہے ممکن ہے کسی مشن کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہو۔
یف تم فارغ ہوتے ہی ہمارے پاس آ سکتے ہو۔"
میں نے کہا۔ "جو حکم۔" انہوں نے سگریٹ کیس کی طرف اشارہ کیا میں نے
ریٹ کیس کھول کر ان کی طرف بڑھایا اور لائٹ دی۔ ایک کش لے کر بولے۔ "اچھا
..... اس کا ذکر نہ کرنا۔ کسی سے بھی ...... شاید وہ اسے خفیہ رکھنا چاہتے ہوں۔" میں
"بہتر ہے یور ہائی نس" کہہ کر سلام کیا اور باہر نکل آیا۔ مجھے اس مسئلے کے اس طرح
ل ہو جانے پر دلی خوشی تھی۔

دو تین روز گزر گئے۔ میں نے ابھی تک اس کا ذکر کسی سے نہی کیا تھا لیکن دو
ہستیاں ایسی تھیں جن سے چھپانا میرے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ کیپٹن دلیش مکھ' جو
میرے منہ بولے باپ تھے اور یشودھرا' جو میری زندگی تھی۔ روپا کو بھی بڑی حد تک یہی
مقام حاصل تھا۔ لیکن وہ بے حد جذباتی اور تیز مزاج تھی۔ اس کے نزدیک کوئی جرم بڑا
جرم نہ تھا۔ کوئی اقدام بڑا اقدام نہ تھا۔ مشتعل ہو جانے کے بعد وہ بے حد خطرناک تھی۔
میں اس سے خائف تھا۔ وہ اس فہرست میں نہ تھی۔

تیسری شام کو چار بجے کے قریب میں نے تمام خطرات کی پرواہ کئے بغیر کیبن سے
یشودھرا کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے ہیلو کا انتظار کئے بغیر ریسیور اٹھانے کی کلک
ہوتے ہی کہا۔ "یشو ایک منٹ کے لئے لفٹ میں آؤ۔"

اس نے آواز پہچانتے ہی کہا۔ "آ رہی ہوں یور ایکسی لنسی۔" میں نے ریسیور کریڈل
پر رکھا اور زینے کی طرف چل دیا۔ راستے میں بنارس خاں آتا ہوا ملا۔ سلام کر کے بولا۔ "
میجر آپ کو کیپٹن صاحب نے یاد کیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "انہی کے پاس جا رہا ہوں۔ اچھا ہوا تم دس منٹ پہلے آ گئے۔" وہ
سلام کر کے کیبن کی طرف چل دیا۔ میں زینے کے قریب پہنچ کر رک گیا اور سگریٹ
سلگانے لگا۔ اسی وقت لفٹ نیچے آئی اور یشودھرا نے دروازہ کھول کر کہا۔ "آج خلاف
معمول کیسے ----؟"

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں کچھ عرصے کے لئے یہاں سے اچانک غائب
ہو رہا ہوں۔ ...... یشو ...... گھبرانا نہیں۔"

"اوہ .... آٹھ بجے گارڈن میں ملو نعیم میں تفصیل سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کوشش کروں گا۔ لیکن اگر نہ مل سکوں تو اتنا ہی کافی ہے۔"

"استعفیٰ دے رہے ہو کیا؟" اس نے میرا جملہ پورا ہونے سے پہلے سوال کیا۔

"نہیں ..... ہز ہائی نس کی مرضی سے ...... اچھا میں شام کو ملوں گا یشو ڈیئر۔"

"اچھا۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ اور دروازہ بند کر کے بٹن دبا دیا۔ لفٹ

اوپر جانے لگی۔ میں نیچے چل دیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے میرے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ ؟
کے ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہ ٹائی باندھ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے۔ "نعیم تم
تعجب ہو گا' برنی صاحب نے مجھے تمہیں اور ٹھاکر کو کھانے پر بلایا ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "مبارک ہو سر۔ لیکن میں وہ کارنامہ انجام نہیں دے سکوں
جو آپ چاہتے ہیں۔"

مسکرا کر بولے۔ "کیوں۔۔۔؟ یہ مچھلی تو بڑی مشکل سے پھنسی ہے۔ اگر مقروض
کرایا تو کیا مزا آئے گا۔"

میں نے کہا۔ "سر بیٹھ جائیے۔ میں ایک انکشاف ..... محض اس لئے کہ ڈیڈی ؟
کر آپ پر اعتماد کرنا ......"

جملہ پورا ہونے سے پہلے وہ صوفے پر بیٹھ گئے اور بولے۔ "بیٹھ جاؤ۔ گورنر ؟
سلسلے میں کچھ کہہ رہے ہو شاید۔"

میں نے کہا۔ "جی ڈیڈی۔ میں گم شدہ بیٹا ہوں آپ کا۔ اور نہ جانے پھر ملن کب
ہوتا ہے۔ ایچ ایچ جانتے ہیں لیکن آپ ان پر ظاہر نہیں کرینگے کہ آپ کو معلوم ہو چکا
ہے۔ یہ ٹاپ سیکرٹ ہے۔"

بولے۔ "اچھا نعیم' خدا حافظ' لیکن ......" وہ انگلیوں سے کنپٹی بجانے لگے۔

میں نے کہا۔ "آپ کچھ فرما رہے تھے ڈیڈی۔"

آہستہ سے بولے۔ "تمہیں دیکھ کر جینے والوں کا کیا ہو گا؟"

"بتا دیا ہے سر" میں نے کہا۔ "تفصیل سے بتانے جا رہا ہوں۔ آٹھ بجے۔"

"بتا دو نعیم ...... میں سمجھتا ہوں گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ مجھے تمہارا مستقبل
شاندار نظر آ رہا ہے۔"

"آپ کی دعائیں چاہیں ڈیڈی۔ گورنر کے وعدے بھی کچھ اسی قسم کے ہیں۔ میں
دعوت میں چل رہا ہوں۔ اگر آپ ساڑھے سات بجے مجھے رخصت کر دیں۔"

"چلو۔ زیادہ نہ پینا۔ اور اگر میں تمہیں بھیجنا بھول جاؤں تو یاد دلا دینا۔"

کیپٹن کے اشارے سے سات بجے کھانا میز پر لگا دیا گیا۔ کھانا کیا تھا۔ مختلف شکلوں
میں گوشت کا انبار تھا۔ ہزہائی نس کی صحت کے جام سے شروع ہوا' بوتلیں اور پلیٹیں خالی
ہوتی رہیں اور آٹھ بجے تک سلسلہ جاری رہا۔ میجر برنی کے وال کلاک نے مجھے وقت کا
احساس دلایا۔ میں چونک کر اٹھا اور کیپٹن کی طرف دیکھا انہوں نے رسٹ واچ کی طرف
دیکھ کر کہا۔ "اوہ۔۔۔۔! تمہیں تو میری کار کی بیٹری چارج کرانا تھی نعیم۔۔۔"

میں نے کہا۔ "یہی سوچ کر اٹھا ہوں سر۔"

انہوں نے جیب سے چابی نکال کر میرے ہاتھ میں دے دی۔ "اگر جلد واپس ہو سکو

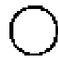
ابھیں آ جاتا۔ ہنوز میجر صاحب کی دلی دور است۔"

میجر نے ہنس کر کہا۔ "نہیں نعیم۔ میجر کی دلی قریب آ گئی۔ صرف آخری خم باقی گیا ہے۔"

میں تیزی سے باہر نکل گیا۔ پیکارڈ برج کے قریب درختوں کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ ...ہیں نے گاڑی سڑک سے نیچے اتاری اور اس کے برابر لگا کر انجن بند کر دیا۔ یشودھرا نے ...گلا دروازہ کھول کر کہا۔ "بہت انتظار کرایا نعیم۔" میں نے دروازہ لاک کر کے پیکارڈ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے یشو لیٹ ہو گیا۔ اس نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا۔ میں نے وہیل سنبھالا اور سڑک پر لایا۔ چند منٹ میں ہم امین پور روڈ پر تھے۔ میں نے مختصر الفاظ میں اس کو تمام باتیں بتائیں۔ ڈیلائٹ کارنر پہنچ کر اس نے کہا۔ "اگر تمہاری غیر حاضری میں میش پور سے کوئی آیا تو کیا ہو گا---؟"

میں نے کہا۔ "ریزیڈنٹ کو سب کچھ بتا دینا۔ وہ تمہارے لئے ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اور اگر تم نے اشارہ کر دیا تو مجھے فوراً" بلا سکتا ہے۔" اس نے آبدیدہ ہو کر میرے شانے پر سر رکھ دیا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے ڈیلائٹ کارنر کے دلکش ماحول میں اندیشہ ہائے دور دراز سے بے نیاز ہو کر آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد ہم واپس ہو گئے۔ دوسرے روز میں نے یشو کے دیئے ہوئے تمام تحائف لائیڈس بنک کے لاکر میں منتقل کئے۔ دو سوٹ کیس خفیہ طریقے سے ریزیڈنٹ ہاؤس پہنچائے اور گورنر کی روانگی سے ٹھیک سات دن بعد ریزیڈنٹ سے ضروری کاغذات لے کر رات کے دس بجے والی ٹرین سے بمبئی روانہ ہو گیا۔



صبح ساڑھے آٹھ بجے ٹرین بمبے سینٹرل پہنچی۔ اوپن پلیٹ فارم پر ٹرین کے رکتے ہی ایک قلی نے میرے کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر دونوں سوٹ کیس اور ہولڈال اتار کے قریب ہی کھڑی ہوئی ٹیکسی میں رکھ دیئے۔ میں نے اس کو پیسے دیئے اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "ہوٹل۔" قبل اس کے کہ وہ پوچھتا کونسا ہوٹل؟ شلوار قمیص اور ہاف کوٹ میں ملبوس ایک شخص نے تیزی سے آگے بڑھ کر ایک کارڈ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ "سیوائے بار اینڈ ہوٹل۔" میں زیر لب بڑبڑایا۔ ایجنٹ نے پنجابی لہجے میں رٹی ہوئی انگریزی میں بات دہرانی شروع کر دی۔ جس کا مفہوم تھا کہ "سر ہمارے کمرے صاف ستھرے اور ہوادار ہیں۔ شاندار فرنیچر سے آراستہ ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کے لذیذ کھانوں کا انتظام ہے۔ جملہ سہولتیں فراہم ہیں۔ آپ گھر جیسا ماحول پائینگے۔" وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سیوائے چلو۔" ایجنٹ نے مسکرا کر "تھینک یو سر" کہا اور ڈرائیور کے برابر والی نشست پر پہنچ گیا۔ ٹیکسی چل دی۔ اس نے پیچھے گھوم کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "سر کون سی منزل پر ٹھہرنا پسند کریں گے؟" میں نے کوئی جواب نہ دیا تو خود ہی کہنے لگا۔ "چوتھی منزل ٹھیک رہے گی۔" میں نے سگریٹ نکال کر سلگایا اور پینے لگا۔ دو منٹ میں گاڑی سیوائے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ ہوٹل کے ایک پورٹر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور سامان نیچے اتارا۔ میں بھی ڈرائیور کو پیسے دے کر گاڑی سے اترا۔ ریسپشن پر مینجر نے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور چابیوں کا گچھا نکال کر ایجنٹ سے کہا۔ "یہ لو دینا..... صاحب کو ان کی پسند کا کمرہ دے کر مجھے نمبر بتا جانا۔ میں رجسٹر کی تکمیل کے لئے ان کو یہاں روکنا نہیں چاہتا۔" دینا نے چابیاں لے لیں اور میری طرف دیکھ کر کہا۔ "چلئے جناب۔"

چوتھی منزل پر سرے کا ایک کمرہ مجھے پسند آیا۔ اس میں ایک مسہری چار کرسیاں ایک ٹیبل ایک الماری اور ایک ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ ویٹر کو بلانے کے لئے بزر تھا۔ پورٹر نے میرے دونوں سوٹ کیس اور ہولڈال الماری میں رکھ دیئے اور دینا کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک روپیا نکالا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ دینا نے مسکرا کر کہا "صاحب چلتا ہوں اگر کوئی خدمت ہو تو کسی بھی وقت یاد فرمالیں۔"

میں نے کہا "ٹھیک ہے مسٹر دینا ...... جاتے ہوئے میرے لئے ناشتا بھجواتے جائیں۔"

اس نے کہا۔ "بہتر ہے جناب۔ اگر اکیلے طبیعت گھبرانے لگے تو ....." وہ ہنس دیا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں مسہری پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ چند منٹ بعد مینجر نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور رجسٹر کی خانہ پری کر کے چلتے چلتے بولا۔ "ملک صاحب دینا ناتھ' جو آپ کو لے کر آیا ہے ہمارا قابل اعتماد آدمی ہے۔ آپ بھی اس کو اپنا قابل اعتماد خادم سمجھئے۔ یہ آپ کے لئے ہر چیز کا انتظام کر سکتا ہے۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ سلام کر کے چل دیا۔ میں اس ہوٹل کے منتظمین کی ذہنیت پر غور کرنے لگا۔ ابھی مجھے یہاں آئے ہوئے نصف گھنٹہ نہیں گزرا تھا کہ دو صاحبان کو میری تنہائی اور "ہر چیز" کے انتظام کی فکر لاحق ہو گئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں دروازہ لاک کر کے سو گیا۔ دوپہر کو ڈیڑھ بجے ایک ویٹر نے دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے جگایا اور کھانے کے متعلق پوچھا۔ میں نے اس کو آرڈر نوٹ کرایا اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔ واپس لوٹا تو دینا دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مسٹر دینا مجھے تین بجے ٹیکسی کی ضرورت پڑے گی۔"

وہ مسکرا کر آگے بڑھا اور میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "سرکار ٹیکسی تو ایک منٹ میں دس آ جائینگی لیکن آپ کے شایان شان نہیں' اگر کہیں تو میں پرائیویٹ کار کا بھی انتظام کر سکتا ہوں۔ اور خوبصورت ساتھی کا بھی۔"

میں اس کی بے تکلفی پر ہنس دیا۔ سگریٹ کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا " یہ بعد کو دیکھا جائے گا۔ پہلے مجھے ...... ایک انگریز آفیسر کے پاس جانا ہے اور وہاں پرائیویٹ کار اور ٹیکسی میں کوئی فرق نہیں۔"

وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ "شام کو کس وقت واپسی ہو گی؟"

میں نے کہا۔ چھ سات بجے تک۔ اور اگر کوئی دوست مل گیا تو شاید دیر بھی ہو جائے۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں؟ میرا مطلب ہے سامان کے لئے!"

"نہیں صاحب ...... ہم کس لئے ہیں۔ اگر ہوٹل میں چوریاں ہونے لگیں تو یہاں کون ٹھہرنا پسند کریگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "اسی وقت ویٹر کھانا لے کر آ گیا اور میز پر رکھنے لگا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔ کھانا کھاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ دینا کوئی کلاس ون کا پیرا سائٹ ہے۔ انتہائی بے باک اور نڈر۔

تین بجے سوٹ بجے تبدیل کر کے میں نے ٹیکسی منگائی اور گورنمنٹ ہاوس پہنچ کر ہزایکسی لینسی کے فرسٹ سیکرٹری کو اپنی آمد کی اطلاع دی وہ فوراً" اٹھ کر چیمبر سے نکل کر

ریسپشن روم میں آیا۔ مسکرا کر مصافحہ کیا مزاج پرسی کی اور چیمبر میں لے آیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اپنی پی اے کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور وہ ایک ٹرے میں اسکاچ کی بوتل اور دو گلاس رکھ کر لائی اور ہمارے سامنے رکھ کر چلی گئی۔ چند منٹ باتیں کرنے کے بعد اس نے خود اندر جا کر گورنر کو اطلاع دی اور اجازت ملتے ہی مجھے اپنے ساتھ لے جا کر گورنر سے معانقہ کرا کے باہر چلا گیا۔ چند رسمی سوالوں کے بعد انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ "ہاں سارجنٹ میجر۔" انہوں نے کہا۔ "تمہیں ڈلاس پور میں کیا تنخواہ ملتی تھی؟" میں حیرت سے ان کا منہ تکنے لگا۔ مجھے ان سے اس سوال کی توقع نہ تھی۔ "تنخواہ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے یورایکسی لینسی۔" میں نے سنبھل کر کہا۔ "میں آپ کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں اور واپسی کا حکم ملنے تک تعمیل کرتا رہوں گا۔"

وہ ہنس دیئے۔ "تنخواہ تو بنیادی چیز ہے۔ سارجنٹ میجر تنخواہ کے بغیر ہم بھی کام نہیں کر سکتے۔"

"پھر آپ ہی اس کا فیصلہ کریں یورایکسی لنسی۔" گورنر نے کچھ سوچ کر بزر دبایا۔ سیکرٹری اندر داخل ہوا اور دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ چند منٹ تبادلۂ خیالات کرنے کے بعد سیکرٹری مجھ سے مخاطب ہوا۔ "سارجنٹ میجر تم اپنا سامان لے آؤ۔ میں بیچلرز کوارٹرز میں تمہاری رہائش کا انتظام کر رہا ہوں۔ کل تمہیں اپائنٹ منٹ لیٹر مل جائے گا۔ بیچلرز کوارٹرز کا نام سن کر مجھے شاک سا لگا۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے کہیں بھی ٹھہرا سکتے ہیں۔"

سیکرٹری نے مسکرا کر کہا۔ "تھینک یو سارجنٹ میجر۔ آؤ میرے ساتھ۔" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے محسوس کیا کہ میں سر پر کوہ ہمالیہ لے کر اٹھ رہا ہوں۔ گورنر نے غور سے میری طرف دیکھا۔ میں نے خود کو سنبھالا اور مسکرا کر کہا۔ "گڈ نائٹ سر۔" گورنر نے "گڈ نائٹ" کہہ کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ مصافحہ کرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "ہر بڑے ہاتھ میں خوش بختی کا پیغام نہیں ہوتا اگر وہ ہاتھ انگریز کا ہے۔" سیکرٹری نے اپنے چیمبر میں آ کر مجھے پھر ایک پیگ پلایا اور بولا۔ "کس وقت تک پہنچ رہے ہو؟"

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "رات کو آنا تو آپ کے لئے بھی تکلیف کا باعث ہوگا۔ صبح کسی وقت پہنچ جاؤں گا۔"

سیکرٹری نے کہا۔ "جس طرح تمہارے لئے مناسب ہو۔" میں اٹھ کھڑا ہوا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سیکرٹری نے مسکرا کر ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں ٹھہرے ہوئے ہو سارجنٹ میجر؟" میں نے کہا۔ "سیوائے ہوٹل۔" وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔ میں نے مسکرا کر "گڈ نائٹ" کہا اور اس کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دے کر باہر نکل آیا۔

گورنمنٹ ہاؤس آتے ہوئے مین گیٹ پر میری ٹیکسی روک لی گئی تھی اور میں نے

کرایہ ادا کر کے اس کو واپس کر دیا تھا۔ اب میرے سامنے پھر سواری کا مسئلہ تھا۔ انٹرویو بھی میرے لئے کچھ زیادہ حوصلہ افزا ثابت نہ ہوا تھا۔ میں دل برداشتہ سر جھکائے سبز لان کے درمیان پر پیچ راستے سے آہنی گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قریب پہنچتے ہی مسلح پہرے دار نے دروازہ کھولا اسی وقت گارڈ روم سے ایک گورا سارجنٹ چھلانگ لگا کر باہر نکلا اور فوجی سلام کر کے کہنے لگا۔ "سر آپ دو منٹ کے لئے گارڈ روم میں آ جائیں۔ آپ کے لئے گاڑی ابھی آ رہی ہے۔" یہ پذیرائی غیر متوقع تھی مجھے تعجب ہوا لیکن "تھینک یو سارجنٹ" کہہ کر اس کے ساتھ گارڈ روم میں چلا گیا۔ دو سولجر جو بنچوں پر لیٹے ہوئے تھے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ سارجنٹ نے میز کے قریب پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ اس نے سگریٹ پیش کر کے لائٹ دیتے ہوئے کہا۔ "سر مجھے افسوس ہے کہ آتے وقت میں نے آپ کے شایان شان استقبال نہیں کیا۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "تم مجھ سے واقف بھی تو نہ تھے سارجنٹ۔"

"شکریہ جناب۔" اس نے کہا۔ "مجھے سیکرٹری نے فون پر بتایا کہ آپ ہزایکسی لینسی کے خاص آدمی ہیں۔"

میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔ "یہ سیکرٹری صاحب کی عزت افزائی ہے سارجنٹ۔" اس کی باتیں سن کر گورنر کے طرز عمل کے متعلق میرے خیالات تبدیل ہونے لگے۔ میں محسوس کرنے لگا کہ شاید میں ضرورت سے زیادہ زود رنج واقع ہوا ہوں کہ بیچلر کوارٹرز کا نام سنتے ہی پیش کش کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ سارجنٹ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں چند منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک بلیو سنگر کار گارڈ روم کے دروازے پر رکی۔ سارجنٹ نے آواز سنتے ہی کہا۔ "سر آپ کی گاڑی آ گئی۔ میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے باہر نکل کر پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آفیسر کو سلام کیا۔ آفیسر دروازہ کھول کر باہر نکلا اور مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "کیپٹن مائیکل۔" میں نے مختصر الفاظ میں کہا۔ "این اے ملک۔"

اس نے سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سر مجھے ابھی ابھی حکم ملا ہے کہ آپ کو ہوٹل سے فوراً یہاں لے آؤں۔ میں "ضرور" کہہ کر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ وہ میرے برابر میں بیٹھ گیا۔ برٹش کیپٹن کی زبان سے "سر" کا لفظ سن سن کر مجھ پر نشہ طاری ہونے لگا۔ مجھے اپنی چالاکی پر خوشی تھی کہ میں اپنا تعارف کرانے میں سارجنٹ میجر کا لفظ گول کر گیا۔

گاڑی کے ریڈی ایٹر پر برٹش فلیگ دیکھ کر سیوائے کا منیجر بوکھلا گیا۔ وہ ہمارے آگے پیچھے چکر کاٹ رہا تھا۔ میں نے اپنے اپارٹمنٹ کی چابی منیجر کو دینی چاہی تو کیپٹن نے ہاتھ بڑھا کر چابی مجھ سے لے لی۔ اوپر پہنچ کر کیپٹن مائیکل نے خود تالا کھولا پھر الماری کا تالا

کھولا اور پورٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ٹھیک ہے ہماری گاڑی میں رکھ دو۔" پورٹر سامان لے کر چل دیا اور جیب سے سیکرٹری کا دستخط شدہ بینک چیک نکالتے ہوئے مینجر سے بولا۔ "بل کتنا ہوا؟"

میں نے اس کا ہاتھ روک کر کہا۔ "ویٹس آل رائٹ کیپٹن۔ آپ یہ زحمت نہ کریں۔ میں ادائیگی خود کروں گا۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "نہیں جناب۔ مجھے حکم یہی ملا ہے۔" میں خاموش ہوگیا۔ مینجر جواب دینے سے قاصر تھا۔ کیپٹن نے جیب سے پین نکال کر کہا۔ "یس مینجر۔"

مینجر نے بمشکل کہا۔ "جناب تیس اور چالیس کے درمیان جو چاہیں دے دیں۔!"

کیپٹن نے چیک لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

ہم گورنمنٹ ہاؤس پہنچے تو شام کے آٹھ بج رہے تھے۔ گاڑی نیشنل کلب کے گیسٹ ہاؤس کے قریب پہنچ کر روک دی گئی۔ کیپٹن نے ایک وسیع کمرے میں میرے قیام کا انتظام کرایا۔ میرا مختصر سامان اندر منتقل کرایا اور ایک مسلمان اردلی کو تمام باتیں سمجھا کر رخصت ہوگیا۔ کمرہ بیش قیمت سامان سے آراستہ تھا۔ میں نے دروازہ بند کر کے لباس تبدیل کیا اور سگریٹ سلگا کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد اردلی دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک آبنوسی ٹرے پر کافی پاٹ۔ کپ۔ وائن گلاس اور اسکاچ کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ ٹرے ایک شیشے کے ٹیبل پر رکھ کر بولا۔ "حضور کھانا کس وقت کھاتے ہیں؟"

میں نے سگریٹ ایش ٹرے ڈالتے ہوئے کہا۔ "نو بجے۔"

"بہتر ہے۔" کہہ کر اس نے پوچھا۔ "معاف کیجئے ہندوستانی کھانے یا انگریزی حضور؟"

میں نے پیالی میں کافی انڈیلتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہندوستانی .... نیم اسلامی۔"

ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری۔ میں نے کافی تیار کر کے پیتے ہوئے پھر اس کی طرف دیکھا۔ بولا "سرکار نیم اسلامی سمجھ میں میں نہیں آیا۔"

میں نے کہا۔ "گوشت کی حد تک اسلامی' باقی یہ سب چلے گا۔" میں نے بوتل کی طرف اشارہ کیا۔

"غیر اسلامی ...... اب تو سمجھ گئے۔؟"

وہ مسکرایا اور سر جھکا کر بولا۔ "تعمیل ہوگی حضور۔"

میں نے گلاس میں ایک پیگ انڈیل کر چسکیاں لینی شروع کر دیں' وہ کھڑا دیکھتا رہا پھر جھک کر کافی بناتے ہوئے بولا۔ "حضور گستاخی معاف۔ آپ نے مجھے حیرت میں مبتلا

دیا ہے۔"

میں نے گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا۔۔۔؟"

ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "سرکار' میں پچھلے سال دو مرتبہ حضور گورنر صاحب بہادر کے ساتھ آپ کو دیکھ چکا ہوں۔ لیکن ....."

"کیا؟" میں نے چونک کر کہا۔ وہ خائف ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آج پہلی بار یہاں آیا ہوں۔"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "حضور آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔" مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم بھی غلط تو نہیں کہہ سکتے۔"

"حضور بجا فرما رہے ہیں۔ میں دو مرتبہ آپ کو دیکھ چکا ہوں قسم کھا سکتا ہوں سرکار ...... لیکن مجھے حیرت کسی اور بات پر تھی۔"

"وہ بات بھی کہہ ڈالو۔" میں نے کہا

"سرکار اب تک میں۔ اور میں کیا ہم سب خادم لوگ۔ اردلی خانساماں' بیرے' ڈرائیور وغیرہ آپ کو ہندو شہزادے کی حیثیت سے پہچانتے رہے ہیں۔ اور اب آپ کہتے ہیں۔"

"میں نیم مسلمان ہوں۔" میں نے ہنس کر اس کا جملہ پورا کیا۔

وہ مسکرا کر بولا۔ "سرکار آپ کی خوش مزاجی میری حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ گستاخی معاف فرمائیں تو عرض کروں۔"

"گستاخی معاف کر دی گئی۔ کہو۔"

"سرکار نیم مسلمان نہیں ہوا کرتا۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "شراب پینے سے ہو جاتا ہے۔"

وہ زچ ہو کر بولا۔ "حضور کہتے ہیں تو پھر......"

"سنو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "حضور' ہر بات ٹھیک ہی کہے یہ ضروری نہیں ہے۔" اس نے سر جھکا لیا۔ میں نے دو پیگ اور پیے۔ کافی ختم کی اور دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے ٹرے اٹھا لینے کا اشارہ کیا۔ وہ ٹرے لے کر چلا گیا۔ اس کی باتوں نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہندو شہزادہ کون ہے و مجھ سے اس قدر مشابہت رکھتا ہے کہ کئی مرتبہ دیکھنے والے دھوکا کھا جائیں۔

ایک گھنٹے بعد وہی اردلی ایک بیرے کے ساتھ ٹرالی پر مشرقی اور مغربی کھانوں کی ایک درجن سے اوپر ڈشز لے کر آیا۔ بیرے نے میز پر کھانا چنتے ہوئے کئی بار غور سے میری طرف دیکھا لیکن خاموش رہا۔ میں نے کھانا شروع کیا تو دونوں دبے پاؤں باہر نکل گئے۔

کھانا ختم ہونے پر میں نے بزر دبایا۔ بیرا اندر داخل ہوا اور پلیٹیں ٹرالی پر رکھ کر لے گیا۔ چند منٹ بعد اردلی آیا اور کہنے لگا۔ "اگر حضور کھانا کھانے کے بعد ٹہلنے کے عادی ہوں تو اوور کوٹ نکال دو۔" میں نے چابی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے بغیر بتائے ٹرنک کا تالا کھولا اور میرا چسٹر نکال کر لے آیا۔ میں اس کی عقلمندی کا قائل ہونے لگا۔ وہ میرے قریب پہنچ کر دونوں ہاتھوں میں چسٹر تھام کر کھڑا ہو گیا۔ میں صوفے سے اٹھا اور ہزہائی نس کی طرح اردلی کی طرف پشت کر کے دونوں ہاتھ پھیلا کر آستینوں میں داخل کر دیئے۔ اس نے کوٹ پیچھے سے ہموار کیا۔ سامنے آکر بٹن لگائے اور سگریٹ کیس اور لائٹر چسٹر کی جیبوں میں ڈال دیے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ نیچے تین طرف سمندر لہریں لے رہا تھا اور ایک طرف روشنیوں کا شہر تھا۔ ان پر جگہ جگہ انگریز جوڑے چہل قدمی کر رہے تھے۔ میں غیر ضروری تعارف اور ملاقات سے بچنے کے لئے سب سے الگ تھلگ تھا۔ سڑک پر ٹہلتا رہا۔ ویسے بھی ابھی تک مجھے اپنی حیثیت معلوم نہ تھی۔ اور ہزایکسی لینسی کی طرف سے اس سلسلے میں------ کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ ایک گھنٹے کے قریب ٹہلنے کے بعد اپنی قیام گاہ کو لوٹ آیا اور پڑ کے سو گیا۔

دوسرے دن شام کو چار بجے مجھے سیکرٹری کا چند حرفی نوٹ ملا۔ "برائے مہربانی مجھے سے مل لو۔" مجھے اس اختصار پر تعجب تو ہوا کہ انہوں نے میرا نام تک لکھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ لیکن قبل اس کے کہ بیرے سے اس کے متعلق کوئی سوال کرتا اس نے خود ہی کہہ دیا۔ "یہ حضور کے لئے ہی ہے۔" میں اس کی عقلمندی پر مسکرا دیا۔ اٹھ کر لباس تبدیل کیا اور سیکرٹری کے چیمبر میں پہنچ گیا۔ انہوں نے مسکرا کر مصافحہ کیا اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "تنہائی میں بور تو نہیں ہوئے--؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جی نہیں۔ آپ کی لائبریری دیکھ کر تو دل چاہتا ہے کہ آپ مجھے دس سال کے لئے ریڈنگ روم میں بند کر دیں۔"

"انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "تاکہ تم انسائیکلو پیڈیا بریٹنکا بن کر باہر نکلو اور ہمارے لئے مصیبت بن جاؤ۔ ایں نا؟"

"جی نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم کچھ بھی ہیں' احسان فراموش ہرگز نہیں۔ کچھ بھی بن سکتے ہیں۔ لیکن احسان فراموش کبھی نہیں بنتے۔"

"یہ پسندیدہ خیالات ہیں مسٹر ملک۔ لیکن مطالعے کی وسعت کے ساتھ ساتھ خیالات اور نظریات میں بھی تبدیلی آنے لگتی ہے۔ انسان کا انداز فکر بدل جاتا ہے اور وہ اپنے خول سے باہر نکلنے اور کچھ کر گزرنے کے لئے (صحیح یا غلط) بے چین ہونے لگتا ہے۔"

میں ہنس دیا۔ "یہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ اور میں اس فراخدلی پر آپ کا احترام کرتا ہوں۔ لیکن یقین فرمایئے۔ مجھے اپنا خول اتنا عزیز ہے کہ میں اس سے باہر نکلنا کبھی

گوارا نہیں کر سکتا۔"

وہ ہنس دیئے ...... اور سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے بولے "خول سے تمہاری مراد ولاس پور کا راج محل ہے شاید؟" میں نے "تھینک یو سر" کہہ کر سگریٹ نکالی اور سلگانے میں جواب گول کر گیا۔ وہ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد بولے۔ "تمہیں راج محل چھوڑنے کا صدمہ تو ضرور ہو گا۔"

میں نے سگریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں جناب بالکل نہیں۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "تم مجھے اپنا دوست سمجھو اور راج محل چھوڑنے کا غم نہ کرو۔"

میں نے کرسی سے اٹھ کر کہا۔ "سر' میں کیا چیز ہوں' ہزہائی نس مہاراجہ آف ولاس پور کا باڈی گارڈ ..... شہزادہ تو نہیں کہ راج محل چھوٹنے کا صدمہ ہو ...... آپ نے دوست کہہ کر میری عزت افزائی کی ہے۔"

سیکرٹری نے اٹھ کر میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "احمقانہ باتیں مت کرو' مجھے معلوم ہے تم سچ نہیں بول رہے ...... بیٹھ جاؤ ....."

میں بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔ "کیا پیو گے؟"

"شکریہ کچھ بھی پلایئے۔ ایسی کوئی چیز نہیں جس کے پیتے ہی میں سچ بولنا سیکھ جاؤں۔"

"وسکی۔ مائی ڈیئر۔ وسکی ..... چند پیگ پیو' اتنے دلیر ہو جاؤ گے کہ جھوٹ تمہیں خود ایک بزدلانہ فعل نظر آنے لگے گا۔"

"کسی حد تک آپ بجا فرما رہے ہیں۔ لیکن میں ایک گیلن پی کر بھی اس سے زیادہ سچ نہیں بولتا جتنا ضروری ہو۔"

وہ ہنس دیے۔ "خیر ہم سے کہاں تک چھپو گے۔"

مجھے بھی ہنسی آ گئی۔ "ہاں آپ سے زیادہ دیر نہیں چھپ سکتا۔ آپ ہر چیز کو خورد بین سے دیکھتے ہیں۔"

سیکرٹری نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کبھی کبھی خورد بین سے بھی اور زیادہ فاصلہ ہو تو دوربین سے بھی۔ ہزایکسی لینسی تمہیں پسند کرتے ہیں اور ......"

میں نے ان کا قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہزایکسی لینسی گورنر کی ذرہ نوازی ہے۔ میں جانتا ہوں ایسا کوئی انڈین پرنس نہیں جو گورنر صاحب سے قربت کے اعزاز کی تمنا نہ رکھتا ہو۔ لیکن معدودے چند ہیں جنہیں ہزایکسی لینسی پسند فرماتے ہیں۔ شاید خورد بین سے دیکھنے کے بعد۔ اور مہاراجہ ولاس پور' ان میں سے ایک ہیں۔ بہر کیف جہاں تک میں سمجھتا ہوں' میں اتنی اہم شخصیت نہیں ہوں جس کے لئے آپ کو خورد بین استعمال

کرنے کی زحمت اٹھانی پڑے۔"

"کیسے کہا جا سکتا ہے؟" انہوں نے کہا۔ "یقین کرو ملک ہزایکسی لینسی نے ابھی تک تمہارے متعلق ہلکا اشارہ بھی نہیں کیا۔ میں بالکل اندھیرے میں ہوں ...... اس وقت میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ اگر تم شہر کی سیر کرنا چاہو تو جا سکتے ہو تمہاری نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں ہے ..... میں تمہیں پرائیویٹ کار دے سکتا ہوں۔" میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ انہوں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے ہاتھ ملایا تو بولے۔ "میں نے ٹرانسپورٹ آفیسر کو حکم دے دیا ہے" تم کسی بھی وقت مورس W 7683 فون کر کے منگوا سکتے ہو۔ وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ "میں نے رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ اس وقت پانچ بجنے میں دس منٹ تھے۔" سیکرٹری نے مسکرا کر کہا۔ "کیا ابھی جانا چاہتے ہو؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا تو بولے۔ "اچھا جاؤ۔ پانچ منٹ میں تمہاری قیامگاہ پر کار پہنچ جائے گی۔ تمہیں دس بجے سے پہلے واپس پہنچ جانا چاہئے۔" میں نے پھر شکریہ ادا کیا اور گڈ نائٹ کہہ کر باہر نکل آیا۔

سگریٹ سلگانے سے سگریٹ ختم ہونے تک کے وقفے کے دوران گاڑی میری نشست گاہ کے سامنے پہنچ گئی۔ میں ہارن کی آواز سن کر باہر نکلا۔ سفید یونیفارم میں ملبوس ڈرائیور نے باہر نکل کر سلام کیا اور پچھلا دروازہ کھول دیا۔ میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "تم نہیں جا رہے ہو ڈرائیور۔" وہ پھر سلام کرتے ہوئے بولا۔ "بہتر ہے حضور ...... لیکن سیکرٹری صاحب سے کہہ دیتے تو بہتر ہوتا۔"

میں نے ویل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے بیڈ روم میں ٹیلیفون ہے۔ تم اندر جا کر ان سے بات کر سکتے ہو۔"

وہ سر جھکا کر اندر چل دیا۔ میں گاڑی کے میٹر دیکھنے لگا۔ پٹرول نصف ٹینک سے زیادہ تھا۔ انجن کا فنکشن صحیح تھا اور سب سے اچھی بات یہ تھی کہ گاڑی پر گورنمنٹ ہاؤس کا فلیگ نہ تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ میں کہیں بھی جا سکتا تھا۔ چند منٹ بعد ڈرائیور واپس آگیا اور کہنے لگا "سر زحمت معاف کیجئے گا لیکن یہ میرا فرض تھا کہ سیکرٹری صاحب کو اطلاع دی جائے۔ انہوں نے کہا ہے آپ کہیں بھی جا سکتے ہیں اور ڈرائیور کو لے جانا یا نہ لے جانا آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔" میں نے "ٹھیک ہے" کہہ کر گاڑی بیک کی اور گیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہل کے پیچ و خم سے گزر کے نیچے آتے ہی میں نے چرچ گیٹ کا رخ کیا اور ہارن بی روڈ سے گزرتا ہوا گیٹ آف انڈیا پہنچ گیا۔ کچھ دیر موٹر لانچ میں سمندر کی سیر کی اور سورج غروب ہونے کے بعد گرین میں کھانا کھا کر کتھاریہ سے ملنے کے لئے بمبئی سینٹرل کی طرف چل دیا۔ پولیس اسٹیشن کے سامنے گاڑی روک کر نیچے اترا اور اندر داخل ہو کر ایک

کانسٹیبل سے کتھاریہ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا وہ یہاں سے تبدیل ہو کر سورت چلے گئے ہیں۔ میں مایوس ہو کر لوٹا۔ برآمدے سے نکل کر کار کی طرف چلنے لگا تو خاکی وردی میں ملبوس ایک انگریز سارجنٹ کار کے قریب کھڑا ہوا ڈائری کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولنے کے لئے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو اس نے اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ میں نے جواب دیا تو انگریزی میں کہنے لگا۔ ”سر کیا سیکرٹری صاحب بھی آنے والے ہیں؟“ میں سمجھ گیا کہ وہ ڈائری میں کار کا نمبر دیکھ کر پہچان گیا ہے کہ یہ گاڑی گورنر ہاؤس سے تعلق رکھتی ہے۔ ہنس کر کہا۔ ”نہیں سارجنٹ' یہ گاڑی صرف مجھ کو لے کر آئی ہے۔“

”آپ۔“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور سنبھل کر بولا۔ ”میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں سر؟“

”شکریہ سارجنٹ۔“ میں نے جواب دیا۔” میں یہاں ایک دوست کی تلاش میں آیا تھا لیکن اس کا ٹرانسفر ہو چکا ہے۔“ سارجنٹ نے پھر سلام کیا اور برآمدے کی طرف چل دیا۔ میں نے گاڑی میں سوار ہونے کے بجائے انجن بند کر کے گاڑی مقفل کی اور پلیٹ فارم کی طرف چل دیا۔ پورچ سے اندر داخل ہونے کے لئے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ میری نظر ہال میں کھڑی ہوئی ایک پارسی عورت پر پڑی۔ وہ پچیس چھبیس سال کی انتہائی خوبصورت عورت تھی۔ زرق برق ریشمین ساڑھی اور ہم رنگ ساٹن کے سلیولیس بلاؤز میں ملبوس' وہ جنت کی حور معلوم ہوتی تھی۔ اس کے کاندھے پر سرخ چمڑے کا وینٹی بیگ پڑا ہوا تھا اور ہاتھ میں اسپشن کی زنجیر تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پلیٹ فارم کی طرف جا رہی تھی اس نے میری طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا اور چلتے چلتے رک گئی۔ میں کسی سحر زدہ کی طرح اس کی طرف کھنچنے لگا۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے مسکرا کر گردن جھکا لی اور کتے کے سر پر ہاتھ پھرانے لگی۔ پورچ میں کار میں آ کر رک رہی تھیں اور فرسٹ سیکنڈ کلاس کے مسافر اتر اتر کے سامان کے ساتھ اندر آ رہے تھے۔ اس فتنہ قامت کے ساتھ اسپشن کے سوا نہ کوئی ساتھی تھا نہ سامان۔ میں آنے جانے والوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور رک کر سگریٹ سلگانے لگا وہ گھوم کر پورچ کی طرف دیکھنے لگی جیسے کسی کی آمد کا انتظار ہو۔ میں نے سگریٹ سلگا کر رسٹ واچ کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ پلیٹ فارم نمبر ۲ کی طرف چلنے لگا۔ وہ بھی اسی طرف چلنے لگی اور میرے قریب آ کر انگریزی میں کہنے لگی۔ ”آپ کو معلوم ہے گجرات میل کون سے پلیٹ فارم سے روانہ ہوتی ہے؟“

میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”آیئے میں گجرات میل پر ہی جا رہا ہوں۔“

وہ چند قدم چلنے کے بعد بولی۔ ”آپ کسی کو رخصت کرنے آئے ہیں؟“

"گجرات میل کو۔" میں نے جواب دیا وہ مسکرا دی۔ میں نے ٹکٹ ونڈو پر جا کر دو پلیٹ فارم ٹکٹ خریدے اور واپس آگیا۔ وہ دروازے کے قریب کھڑی اپنے کتے کے سر پر ہاتھ پھراتی رہی۔ میں نے گیٹ کے قریب پہنچ کر اس کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گئی۔ گیٹ پر کھڑا ٹکٹ کلکٹر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ وہ گردن جھکا کر تیزی سے آگے بڑھی اور میرے ساتھ چلنے لگی۔ چند قدم پر گجرات میل کھڑی تھی۔ اس وقت نصف سے زائد کمپارٹمنٹ مسافروں سے بھر چکے تھے۔ پلیٹ فارم پر سینکڑوں مرد عورتیں اور بچے چل پھر رہے تھے۔ قلی مسافروں کا سامان چڑھا رہے تھے۔ میں نصف پلیٹ فارم عبور کر کے فرسٹ سیکنڈ کلاس کے ڈبوں کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ "اب مجھے آپ کو خدا حافظ کہنا چاہئے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "گجرات میل کو رخصت نہیں کرنا چاہتے کیا؟" میں ہنس دیا۔ "کس کو رخصت کروں۔ میرا کوئی دوست اس میں نہیں جا رہا۔ شاید آپ بھی نہیں جا رہیں۔" وہ ہنس کر جھکی اور کتے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ میں نے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ وہ سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔ "میں اپنے چند دوستوں کو رخصت کرنے آئی ہوں۔ اگر وہ جا رہے ہیں تو کہیں نہ کہیں ضرور ہوں گے۔ آپ کو فرصت ہے تو آیئے دوسرے کمپارٹمنٹس میں دیکھتے ہیں۔" وہ انجن کی طرف چلنے لگی۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ کچھ نہ کہہ سکا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پلیٹ فارم برج کے پاس سے گزرے تو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دو پولیس کانسٹیبلوں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر میری طرف دیکھا اور ایک نے ہنستے ہنستے دوسرے سے کہا۔ "آج تو کسی سیٹھ کا لڑکا کا پکڑ لائی ہے۔" میں نے گردن گھما کر ان کی طرف دیکھا تو وہ پانچوں چھٹی سیڑھی سے بھی اوپر پہنچ چکے تھے۔ میں نے محسوس کیا ان کے ریمارکس ہمارے متعلق ہی تھے۔ شاید عورت یہاں جانی پہچانی چیز تھی۔ اس کے طرز عمل سے میرے لئے یہ اندازہ کر لینا دشوار تھا کہ وہ بڑے سلیقے سے میرے گرد جال پھیلا رہی ہے۔ لیکن وہ کیا اور اسکا جال کیا؟ ایک لمحے میں اس کا جال پاش پاش ہو سکتا تھا۔ میرے پاس بڑے نوٹوں کا شمار نہ تھا۔ ایسے بڑے نوٹ جن کے لئے پسینے کا کوئی قطرہ نہیں بہایا گیا تھا۔ اس وقت بھی میری جیب میں دس بارہ نوٹ پڑے ہوئے تھے جو میں اندو پر خرچ کرنے کے لئے لایا تھا اور اب جبکہ وہ یہاں نہ تھی تو..... خیر' یہ اس سے کہیں اونچی چیز تھی۔ "ہو جائے ایک بازی۔" میں نے سوچا۔ اب ہم آخری ڈبے کے سامنے تھے۔ اس سے آگے انٹر اور تھرڈ کی بوگیاں تھیں جن میں خیالی دوست تلاش کرنا اس کے بھی شایان شان نہ تھا اور میرے بھی۔ میں نے رسٹ واچ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میڈم اب اجازت چاہتا ہوں۔"

اس نے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تھک گئے کیا؟" میں ہنس دیا۔

وہ کچھ دیر میرے چہرے کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ میں بھی چلتی ہوں۔ آیئے۔" ہم دونوں پلٹ کر چلنے لگے۔ گیٹ کے قریب پہنچ کر کہنے لگی۔ آپ کا اسم گرامی؟"

میں نے کہا۔ "فرینک۔ ولیم فرینک۔"

اس نے مسکرا کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام تہمینہ ہے۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ بات آپ کو پہلے کہنی چاہئے تھی۔"

بولی۔ "کیوں؟"

"اب ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو کیا ہوا، پھر ملیں گے .... بہرکیف آپ میرے ساتھ ایک کپ چائے ضرور پئیں گے۔"

گیٹ سے ہال میں جاتے ہوئے، ٹکٹ کلکٹر نے پھر غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر گیٹ سے گزر گئی۔ میں نے جیب سے دو پلیٹ فارم ٹکٹ کلکٹر کے ہاتھ میں دے دیئے اور ہال میں پہنچ گیا۔ وہ ویٹنگ رومز کے زینے کی طرف چلنے لگی۔ میں اس کے پیچھے چلتا رہا۔ تیسری منزل پر پہنچ کر اس نے پورا ہال کراس کیا اور کونے والے کمرے کے دروازے میں چابی لگا کر کھولتے ہوئے کہا۔ "تشریف لایئے۔" میں نے اندر داخل ہو کر ادھر نگاہ دوڑائی۔ کمرے میں ایک لوہے کا پلنگ، دو کرسیاں ایک ٹیبل اور ایک ڈریسنگ ٹیبل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر ایک اٹیچی کیس اور اس کے نیچے چمڑے کے دو سوٹ کیس رکھے تھے۔ مشرق کی جانب دو کھڑکیاں کھلتی تھیں۔ دائیں جانب اٹیچڈ باتھ روم تھا۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور مسکرا کر بولی۔ "بیٹھیے مسٹر فرینک۔ کیا پینا چاہیں گے گرم یا ٹھنڈا۔"

میں نے کہا۔ "کیوں زحمت کرتی ہیں مس تہمینہ۔"

"مس نہ کہئے۔" اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میرا نام بیگم تہمینہ سراج ہے..... اور یہ ایک لمبی اور المناک کہانی ہے۔"

"مجھے سن کر افسوس ہوا۔" میں نے کہا۔ "میں آپ کو پارسی سمجھ رہا تھا۔"

"تھی کبھی۔ اب ایک دھوکے باز مسلمان کی بیوی ہوں اور وہ بھی نہیں رہی۔"

"کیوں---؟"

"وہ مجھے چھوڑ کر حیدر آباد بھاگ گیا۔"

"آپ کو ...... چھوڑ کر ...... بھاگ گیا۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آ رہا۔"

وہ ہنس دی۔ یہ ایک کھوکھلی اور بے روح سی ہنسی تھی۔ جس میں اس کا درد نمایاں تھا۔ "جی" اس نے کہا۔ "چھوڑیئے یہ سب مجھے پہلی ملاقات میں آپ کو نہیں بتانا تھا۔ بتائیے نا۔ کیا پئیں گے آپ؟"

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو بتایئے آپ یہاں کس کے ساتھ۔"

"کسی کے ساتھ نہیں' اکیلی تنہا...... اس کے ساتھ۔" اس نے کتے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں ایک فرم میں ملازم ہوں اور یہاں رہتی ہوں۔ اب تو بتایئے کیا پئیں گے۔؟"

میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "ساڑھے آٹھ بج رہے ہیں۔ اگر مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں تو چلئے کہیں کھانا کھائیں گے۔"

وہ ہنس دی۔ "اعتماد کرتی ہوں' چلئے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

میں اس کو لے کر نیچے آیا اور پورچ کی سیڑھیوں کے قریب رک کر کہا۔ "ایک منٹ یہیں ٹھہریئے۔ میں گاڑی لے آؤں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "کہیں دور جانا ہے؟"

میں نے کہا۔ "جہاں آپ کھانا پسند کریں۔" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں سیڑھیاں اتر کر پولیس اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور پورچ میں لا کر سیڑھی سے لگا دی۔ وہ نگاہیں جھکا کر آگے بڑھی۔ پچھلی سیٹ پر اپنے کتے کو بٹھایا اور اگلا دروازہ کھول کر میرے برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے پورچ سے نکلتے ہی دائیں جانب گاڑی موڑ دی اور بازار کا رخ کیا۔ اسٹیشن کے حدود سے نکلتے ہی اس نے کہا۔ "ولیم تمہارے لب و لہجے سے تمہیں اینگلو انڈین تسلیم کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "پھر کیا تسلیم کرنا چاہتی ہیں آپ؟"

"تمہارا تعلق یو۔پی سے ہے شاید۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "میرا تعلق دہلی کے مغلیہ خاندان سے ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "خوب ..... تو ولیم فینک کیسے ہوئے؟"

"جیسے تمینہ سراج۔"

"میں تو دھوکا کھا گئی تھی۔ ورنہ تمینہ اشراف ہوتی۔"

"میں غوطہ کھا گیا تھا۔ ورنہ میرا نام مرزا خارا شگاف تیموری ہوتا۔ اب بتایئے کھانا کہاں کھائیں گی۔"

"کہیں بھی۔"

"آپ پیتی ہیں-----؟"

"پیتی ہوں۔ لیکن زیادہ نہیں پیونگی۔"

"میں بھی زیادہ نہیں پیتا۔" میں نے گرانٹ روڈ کی طرف ٹرن لیتے ہوئے کہا۔ اور پل کے قریب ایک بار کے سامنے پہنچ کر گاڑی روک دی۔ انجن بند کر کے نیچے اترا اور دروازہ لاک کر کے بار کی طرف چلا۔ دروازے پر پہنچتے ہی اس نے میرا بازو تھام لیا۔ کھانے کے دوران اور پھر کافی کے ساتھ چار پیگ پینے کے بعد وہ بہکنے لگی۔ میں نے رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو نو بج کر سترہ منٹ ہو چکے تھے۔ ویٹر کو بلا کر بل ادا کیا اور پچاس روپے تمینہ کے پرس میں رکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو .... تمہیں اسٹیشن پہنچا دوں۔"

وہ لپٹتی ہوئی بولی۔ "اور تم؟ تم کہاں جاؤ گے؟"

میں نے اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "آؤ بتاتا ہوں۔" وہ گاڑی تک پہنچتے پہنچتے دو مرتبہ لڑکھڑائی۔ میں نے دروازہ کھول کر اس کو سیٹ پر بٹھایا اور بمبئی سینٹرل کی طرف روانہ ہو گیا۔ گاڑی مین روڈ پر آتے ہی اس نے میرے کندھے پر سر ٹکا دیا اور کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر بولی۔ "ہاں اب بتاؤ تمہارا مکان کہاں ہے؟"

"میرا کوئی مکان نہیں تمینہ۔" میں نے کہا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ میرا کمرہ تمہارا ہی ہے۔"

میں ہنس دیا۔ "بددعا تو نہ دو تمینہ۔"

"تو پھر جھوٹ کیوں بول رہے ہو۔"

"اس لئے کہ اگر میں سچ بتا دوں کہ کہاں رہتا ہوں تو تم کہو گی کہ یہ اس سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔"

"نہیں کہوں گی۔ بتاؤ۔"

"میں راج محل میں رہتا ہوں۔"

وہ ہنس دی۔ "شیش محل کیوں نہیں کہتے ڈیرسٹ۔"

"اس لئے کہ خواب نہیں، حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

"مجھے اپنا راج محل دکھا سکتا ہو؟"

"ضرور دکھاؤں گا۔"

"تو آج میرے ساتھ رہ جاؤ۔ کل میں تمہارے ساتھ جاؤنگی۔"

"میں رہ نہیں سکتا۔ دس بجے کے بعد تمام ہوٹل بند ہو جائیں گے اور تمہارا گھر یہاں سے بہت دور ہے۔" میں نے گاڑی موڑتے ہوئے تمینہ سے کہا۔ "تم بڑے ظالم ہو ڈیئر۔ تمہیں میرے جذبات کا بھی احساس نہیں کیا؟"

"کل احساس ہو گا ڈیئر اب جانے دو۔"

"قسم کھاؤ کل ضرور آؤ گے۔"

"خدا کی قسم میں کل ضرور آؤں گا۔ اچھا شب بخیر۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "شب بخیر۔" میں تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا۔ دس بجنے میں بارہ منٹ تھے۔ گاڑی میں سوار ہوا اور اسٹیشن سے نکلتے ہی فل اسپیڈ سے روانہ ہو گیا۔

تمام رات خواب میں یشودھرا کو پریشان پھرتے دیکھتا رہا۔ صبح اٹھا تو خود پریشان تھا۔ بستر پر پڑا پڑا اینٹھ رہا تھا۔ اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ نو بجے اردلی اندر داخل ہوا۔ خدا جانے وہ کتنی مرتبہ جگانے کی کوشش کر چکا تھا۔ مجھے چھت کی طرف گھورتے دیکھ کر بولا۔ "سرکار کچھ طبیعت خراب ہے کیا؟"

میں نے کمبل سرکا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ ٹھیک ہوں، چائے لے آؤ۔" وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ میں نے باتھ روم میں جا کر منہ دھویا اور چائے پی کر اخبار دیکھنے لگا۔ گیارہ بجے کے قریب جبکہ میں کپڑے تبدیل کر کے ریڈنگ روم کی طرف جا رہا تھا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ فرسٹ سیکرٹری بول رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ہزایکسی لنسی گورنر کے لنچ پر جانے سے پہلے مجھے دفتر میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کا خادم بارہ بجے آپ کے دفتر میں پہنچ رہا ہے۔" انہوں نے "تھینک یو" کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور "ہزایکسی لینسی۔ یورایکسی لینسی۔ اور ہرایکسی لینسی" پر غور کرنا شروع کر دیا ان ناموں کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ان میں سے بیشتر جھوٹ پر مبنی تھے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ "یہ میں محض اس لئے دریافت کر رہا ہوں کہ کسی ایسی جگہ پر ہرگز نہ جانا جو کسی انداز میں قابل اعتراض ہو، کیونکہ اس پرائیویٹ کار پر جو تمہیں دی گئی ہے گورنمنٹ ہاؤس کا فلیگ نہ ہونے کے باوجود، پولیس اور سی آئی ڈی کے آفیسرز کو نظر رکھنے کی ہدایات ہیں۔ تم سمجھ گئے ہو میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

"میں کسی ایسی جگہ سے واقف نہیں ہوں سر۔" میں نے کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے۔ ویسے میرے ساتھ کوئی دوست گاڑی میں ہو تو یہ تو قابل اعتراض نہیں ہے نا۔؟"

"نہیں۔ لیکن گرل فینڈز کے معاملے میں محتاط رہنا۔ کال گرل نہیں ہونی چاہیے۔ خصوصاً" ایسی، جس کو پولیس والے پہچانتے ہوں۔"

"شکریہ اس قیمتی مشورے کا۔" میں نے کہا۔ "میں اتنا گرا ہوا نہیں ہوں۔"

"یہ فطری ہے۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔ "اور مجھے معلوم ہے ولاس پور میں صرف اعلیٰ کردار جوانوں کی گنجائش ہے۔"

"آپ کی معلومات حقیقت پر مبنی ہیں سر۔" مگر اس حقیقت میں کتنی حقیقت تھی یہ سوچ کر مجھے ہنسی آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے طلبی ہوئی اور میں سیکرٹری کا اشارہ پاتے ہی اندر تھا اور گورنر کے چیمبر میں داخل ہو گیا۔ اس وقت ان کے کمرے میں ایک

پینتالیس پچاس سالہ کیم شحیم انگریز بیٹھا ہوا تھا جو کرخت چہرے اور مضبوط تن و توش سے اعلیٰ فوجی افسر معلوم ہوتا تھا۔ میں نے گورنر کو سلام کیا تو اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ہزایکسی لینسی نے اس سے میرا تعارف کرایا تو ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے درشت چہرے پر ابھری اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ مصافحہ کرنے میں میری طرف سے بھی کوئی گرمجوشی نہ تھی۔ ہزایکسی لینسی نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اس نے پھر ایک بار میری طرف دیکھا۔ میں اس کی تیز نگاہوں کو نظرانداز کر کے "بہت بہت شکریہ یورایکسی لینسی" کہہ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ گورنر نے آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "برگیڈیئر یہ لڑکا کسی وجہ سے مجھے پسند ہے۔ اسے ٹرائی کرو اور مجھے بتاؤ یہ کہاں تک چل سکتا ہے۔"

برگیڈیئر نے میرے چہرے پر بھی ایک نظر ڈالی اور کہا۔ "کیا آپ کے خیال میں یہ مضبوط ہے یورایکسی لینسی؟"

گورنر نے مسکرا کر کہا۔ "میرا تو یہی خیال ہے۔"

اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "نوجوان خدا تم پر رحم کرے، میں بہت سخت استاد ہوں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں سمجھتا ہوں۔" ہزایکسی لینسی ہنس دیئے۔ "یہ تمہارے چہرے سے تمہیں سمجھ گیا۔" انہوں نے کہا۔ میں نے دل میں کہا۔ "پھر مجھے کس جرم کی پاداش میں اس قصاب کے حوالے کیا جا رہا ہے؟

"ٹھیک ہے نوجوان۔" برگیڈیئر نے مجھے خاموش دیکھ کر کہا۔ میں تمہیں انٹیلی جینس ڈپارٹمنٹ میں لے رہا ہوں۔ تمہارا کوئی رینک یا عہدہ نہیں ہے۔ میرے محکمے میں تم سب سے سینئر آدمی ہو گے۔"

"یہ بالکل فطری سی بات ہے۔" میں نے اس کا قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "نہ جانے کیوں میرا دل اسے سرکنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔"

"میری پوری بات سنو۔" اس نے کہا۔ "وہاں تمہیں لینس کارپورل سے لے کر کمیشن رینک تک ہر شخص کے حکم کی تعمیل کرنی پڑے گی۔"

"سوری برگیڈیئر یہ ممکن نہیں ہے۔" میں نے اس کو ناراض کرنے کے لئے قصداً سخت جملہ کہا۔ وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "ہزایکسی لینسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ میں سولجر کی حیثیت سے انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ جوائن کر رہا ہوں۔ میں صرف آپ کی اور ان انٹیلی جینس آفیسرز کے حکم کی تعمیل کر سکتا ہوں جو مجھ سے زیادہ انٹیلی جینٹ ہوں۔" وہ تلملا اٹھا چند لمحے گورنر کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ ہونٹوں میں دبے ہوئے پائپ سے ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا۔

ہزایکسی لینسی کی طرف سے کوئی اشارہ نہ پا کر وہ سنبھل گیا۔ اور لہجہ تبدیل کرتے ہوئے بولا۔ "تم کیا کیا جانتے ہو؟"

"میں اپنے خیال میں مسٹر نو آل ہوں بریگیڈیئر۔" میں نے کہا۔ "آپ میرا امتحان لے کر ثابت کریں کہ میں کیا نہیں جانتا اور وہیں سے میں اپنی ٹریننگ کی ابتدا کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کے کرخت چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔ "یہ مناسب بات ہے۔"

میں نے کہا۔ "تھینک یو بریگیڈیئر...... اور آپ دیکھیں گے کہ جو آفیسرز میری معلومات میں، کسی بھی انداز سے اضافہ کر سکتے ہیں۔ مجھے ہمیشہ انتہائی فرماں بروار اور حکم کی تعمیل میں جان پر کھیل جانے والا سرفروش پائینگے۔"

"اوہ فائن" کہہ کر وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "مجھے ایسے ہی نوجوان پسند ہیں۔" بریگیڈیئر نے کھڑے کھڑے پھر مجھ سے مصافحہ کیا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اب بتایئے آپ کیا کیا سیکھ چکے ہیں؟"

میں اس کا لہجہ بدلتے دیکھ کر مسکرا دیا۔ "میں نے ملٹری کورس مکمل کیا ہے۔ باکسنگ اور سوئمنگ چیمپئن ہوں۔ شہسواری، شمشیر زنی، نشانہ بازی وغیرہ میں بھی کلاس ون رہا ہوں۔ کم از کم ولاس پور میں یہاں کے متعلق وقت بتائے گا۔"

وہ اوپر سے نیچے گردن ہلاتا رہا۔ کچھ سوچ کر بولا۔ "کیا تم قتل کر سکتے ہو؟"

میں اس کی طرف دیکھ کر ہنس دیا۔" سوری میں پیشہ ور قاتل نہیں ہوں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اسنے مسکرا کر کہا۔ "میرا مطلب تھا کیا تم انسان کو شوٹ کر سکتے ہو؟"

"خود حفاظتی کے لئے یقیناً" کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ عورت نہیں ہے۔"

"اور اگر وہ عورت ہی ہے تو---؟"

"نو سر۔"

وہ ہنس دیا۔ "تم عورت کو کیا سمجھتے ہو مای ڈیئر؟"

"عورت۔" میں نے کہا۔ "اور مجھے معلوم ہے مغربی ممالک میں مجرم بھی عورت کا احترام کرتے ہیں۔"

"فرض کرو کہ وہ کسی ملک کی جاسوس ہے اور اسے یہ معلوم ہے کہ تم اس کے بارے میں جانتے ہو لیکن اگر تم اس کا احترام کرتے ہو تو وہ تمہیں شوٹ کر دے گی۔"

"ایسی عورت آپ کو درآمد کرنی پڑے گی بریگیڈیئر۔ میرے تجربے میں ایسی کوئی عورت نہیں آئی۔"

ہزایکسی لینسی میری طرف دیکھ کر ہنس دیئے۔ "میرا خیال ہے تم صحیح کہہ رہے ہو۔"

میں نے کہا "تھینک یو سر۔" وہ بریگیڈیئر کی طرف دیکھ کر بولے۔ "اب تم اس کے بارے میں جان گئے ہو۔ اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور سے وہی بتا دو جو میں بتانا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ نہ بھولنا کہ یہ نوجوان مجھے پسند ہے۔" بریگیڈیئر نے اٹھ کر گورنر سے مصافحہ کیا اور چلتے چلتے مجھ سے کہا۔ "آٹھ بجے ہماری گاڑی آکر تمہیں لے جائے گی۔"

سیکرٹری کے چیمبر میں آکر میں رک گیا اور سگریٹ سلگاتا ہوا ان کی میز کی طرف چلنے لگا۔ سیکرٹری نے میری طرف دیکھ کر فائل بند کی اور کہا۔ "شاید جا رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "جا رہا ہوں جناب ...... کیا اپ مجھے بتانا پسند کرینگے۔ میری پوزیشن کیا ہوگی؟"

سیکرٹری نے کندھے اچکا کر کہا۔ "ہزایکسی لینسی نے مجھے اس سلسلے میں کوئی حکم نہیں دیا۔ بیٹھتے کیوں نہیں؟"

"میں "شکریہ" کہہ کر بیٹھ گیا۔ "میں بہت پریشان ہوں سر۔"

"یہ فطری سی بات ہے۔" انہوں نے کہا۔

"نہیں سمجھ سکا سر۔"

"راج محل میں رہنے کے بعد کسی دوسری جگہ۔ خصوصاً" کیمپ جیسے ماحول کا فوراً عادی ہو جانا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن اگر تم یہ یقین کر لو کہ ہزایکسی لینسی تمہیں پسند کرتے ہیں تو تم تمام دشواریوں پر عبور پا سکتے ہو۔ اور یہ حقیقت ہے۔ جلد ہی تم محسوس کرو گے کہ تم ایک خوش قسمت انسان ہو۔" میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ " سر آپ کی باتوں نے مجھے نیا عزم اور ولولہ بخشا ہے اور اب میں حالات کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "دیکھو اپائنٹ منٹ لیٹر اور رینک وغیرہ کی پرواہ نہ کرو۔ ویسے تمہیں ہر ماہ چیک ملتا رہے گا۔ اتنی رقم کا جو تمہیں شاندار طریقے پر زندہ رکھ سکے۔"

میں نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔ "تھینک یو سر۔"

وہ مسکرا دیئے اور میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔" یہ ممکن ہے کہ تمہارے معیار کے مطابق نہ ہو۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ میرا معیار کیا سر۔ میں ایک معمولی سارجنٹ میجر ہوں۔"

"کیا تم ہمیں احمق سمجھتے ہو۔" انہوں نے میرے کان کو ہاتھ لگا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ لنچ ٹائم۔"

میں ہنس کر اٹھ کھڑا ہوا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ "ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ تمہارے نقصان کی تلافی ہو سکے۔"

"اوہ!" میں نے مصافحہ کرتے ہوئے۔ "شاید آپ میرے ماضی کے متعلق کچھ جانتے

ہیں سر۔ اچھا گڈ بائی۔"

شام کو چار بجے میں نے فون پر سیکرٹری سے مورس بھجوانے کی درخواست کی۔ انہوں نے آٹھ بجے سے پہلے واپس پہنچ جانے کی پر شرط کار بھیجی۔ میں نے ڈرائیور کو واپس کر دیا اور کار لے کر نکل گیا۔ ساڑھے سات بجے میں سینٹرل پہنچ گیا۔ گاڑی اوپن پلیٹ فارم کے پاس کھڑی کر کے اور ہال سے گزرتا ہوا تہمینہ کے کمرے پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ میں دستک دینے لگا تھا کہ چند فٹ کے فاصلے ر دوسرے کمرے کے دروازے سے اک ادھیڑ عمر کی عورت جو سفید ساڑھی پر سفید زین کا کوٹ پہنے ہوئے تھی' باہر نکلی اور میری طرف دیکھ کر بولی۔ "سر آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں۔۔؟"

میں نے ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مسز تہمینہ سراج سے .... وہ اندر ہیں نا۔۔۔۔؟"

اس نے دروازے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہیں تو لیکن اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ..... ذرا ادھر تشریف لایئے۔"

میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے۔"

اس نے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلتے ہوئے کہا۔ "آیئے جناب۔" میں اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر ایک الماری چار کرسیاں اور ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ "سر ٹھنڈا پیئں گے یا گرم" انہوں نے مجھ سے کہا۔ میں نے "نو تھینکس" کہہ کر تہمینہ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس سے نہ ہی ملیں تو بہتر ہے۔ ہلکی سی سلام دعا کے بعد انہوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر "آپ ناراض نہ ہوں تو میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

میں نے مسکرا کر جیب سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے۔" اس نے پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر ایک قدم آگے بڑھایا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ میرے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے سگریٹ سلگا کر ایک کش لیا۔ وہ میرے چہرے پر نظر ڈالتی ہوئی کہنے لگی۔ "سر مجھے معلوم نہیں کہ آپ کوئی بڑے آفیسر ہیں یا کسی سیٹھ کے لڑکے ہیں۔ لیکن اتنا سمجھ سکتی ہوں کہ آپ کسی بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ معاف کیجئے۔" وہ کچھ سوچ کر رک گئی۔

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے" آپ فرمایئے کیا کہنا چاہتی ہیں مجھ سے انہوں نے مجھے تہمینہ کے متعلق ساری باتیں بتائیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور کیا کرتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اس کا کردار صحیح نہیں ہے اس کے ہاں اوباش قسم کے لوگوں میں آنا جانا لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک خطرناک بیماری میں بھی مبتلا ہو گئی ہے۔ مجھے ان کی باتیں سن کر تعجب ہوا اور میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے سوچ میں پڑے ہوئے دیکھ کر وہ

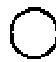
بولیں کہ "دیکھو میں تمہیں نصیحت کے طور پر کہہ رہی ہوں کہ اس سے بچ کر رہنا۔ یہ باتیں محض تمہیں بتانے کے لئے نہیں ہیں۔ اور میں اس کی برائی نہیں کر رہی۔ لیکن یہ ظالم اتنی خوبصورت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مرد ..... ٹھوکر کھا کر سکتا ہے ..... آپ خیر آپ سمجھ چکے ہیں۔ اور میں اپنا فرض پورا کر چکی۔ شکریہ جناب۔" اس کی باتیں سن کر مجھے پسینہ آگیا۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے اس نے نہایت سلیقے سے انتہائی شائستہ انداز میں نصیحت کی تھی لیکن پھر بھی میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے اس نے مجھے گالی دی ہو جہاں تک تہمینہ سے دوستی کا تعلق تھا۔ ابھی وہ میری کچھ نہ تھی۔ اس میں شک نہیں میں اس کی خوبصورتی سے مسحور ہو کر اس کی طرف بڑھا تھا اور جس تیزی سے بڑھا تھا اس کو دیکھتے ہوئے اس مخلص خاتون کی نصیحت کی نوبت آنے تک تہمینہ میرے لئے کبھی کی پرانی ہو چکی ہوتی۔ لیکن اس نے جس طرح اپنے فریب خوردہ ہونے کی داستان بیان کی تھی۔ اس سے میرا جذبہ محبت رحم اور ہمدردی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی میرے آنے کا مقصد صرف اس کو یہ بتانا تھا کہ شاید ہم دیر تک نہ مل سکیں ..... لیکن اب جبکہ وہ ایک گھناؤنی چیز ثابت ہو رہی تھی یہ تکلف بھی غیر ضروری تھی۔ اظہار ہمدردی کے لئے لاکھوں انسان مل سکتے تھے۔ کیا ضروری ہے کہ وہ ایک خوبصورت عورت ہی ہو۔

میں سگریٹ آخری کش لیتا ہوا اٹھا اور اپنی محسنہ کا شکریہ ادا کر کے کمرے سے باہر نکلا۔ تہمینہ کے کمرے کا دروازہ بدستور بند تھا۔ ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر نیچے اترا اور گاڑی میں بیٹھ کر نفیس مالگانوی سے ملنے کے لئے خلافت ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا۔ تمام راستے تہمینہ کے متعلق سوچتا رہا۔ مجھے اس کے کردار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ ایک اچھی دوست ہو سکتی تھی اور یہ میرے لئے کافی تھا۔ لیکن اس کا خطرناک مرض میں مبتلا ہونا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کی صحت قابل رشک تھی۔ رہن سہن صاف ستھرا اور معیاری تھا وہ بدچلن اور آوارہ ہو سکتی تھی لیکن بازاری ہرگز نہ تھی۔ اس کا معیار زندگی اتنا گرا ہوا ہرگز نہ تھا کہ کوئی بھی اس کی خلوت میں پہنچ سکے۔ پھر یہ بیماری کیا معنی کہیں ایسا تو نہیں اس عورت نے کسی دشمنی کی بنا پر اسے لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لئے یہ الزام تراشا ہو۔

خیر۔ انٹر سیکشن پر سرخ سگنل دیکھ کر میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا۔ میں نے گاڑی روکی اور سگریٹ سلگایا۔ سگنل کھلنے پر ٹریفک کے پیچھے چل دیا۔ چند فرلانگ چلنے کے بعد نرگام کی طرف ٹرن لیا اور خلافت ہاؤس پہنچ گیا۔ یہاں بھی مایوسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو پریس سے ایک مشین مین گاز سے ہاتھ پونچھتا ہوا باہر نکلا۔ میں نے اس سے جیلانی کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا۔ "وہ اور نفیس ساڑھے دس بجے شب کو واپس آتے ہیں۔" میں نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی بیک کی اور پھاٹک سے نکل

گیا۔ اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے اور مجھے آٹھ بجے گورنمنٹ ہاؤس پہنچنا تھا۔ میرے پاس دو گھنٹے کے قریب فاضل وقت تھا لیکن ان چند لوگوں کے علاوہ کوئی ایسا دوست نہ تھا جس کے ساتھ وقت گزارا جا سکے۔ میں آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا ہوا جے جے ہسپتال کے قریب پہنچا اور ایک ایرانی ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک کر چائے پینے کے لئے اندر داخل ہوا۔ کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے مینجر نے غور سے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر "شام بخیر" کہا۔ میں شام بخیر کہہ کر بیٹھنے کے لئے موزوں جگہ دیکھنے لگا تو اس نے کیبن نمبر ۴ کی طرف اشارہ کیا۔ میں آگے بڑھا ایک لڑکے نے دروازے کھولتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

میں نے اس کو کیک اور چائے کا آرڈر دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ لڑکا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ میں ان تمام اتفاقات پر غور کرنے لگا۔ جنہوں نے پے درپے رونما ہو کر میری زندگی یکسر بے کیف کر دی تھی اور اب یہ عالم تھا کہ گنے چنے چند دوستوں سے ملنے کی مسرت سے بھی محروم تھا۔ مجھے آج رات کو گورنمنٹ ہاؤس سے بھی کسی انجانے مقام کو جانا تھا۔ کہاں اور کب تک کے لئے؟ یہ مجھے معلوم نہ تھا اتنا معلوم تھا کہ اس جگہ کا چیف جس سے میرا تعارف کرایا گیا تھا مجھے بالکل پسند نہ تھا۔ لہٰذا آنے والی صبح میرے لئے کیا لے کر آتی ہے یہ احساس مجھے پریشان کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چائے لے کر آنے والے لڑکے نے ان خیالات سے نجات دلائی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی اور باہر نکل گیا۔ میں چائے بنانے لگا۔ اور پھر انہی خیالات میں غرق ہو گیا۔ چائے اور سگریٹ سے شغل کرتے کرتے ایک گھنٹہ گزر گیا۔



میرا دل گورنمنٹ ہاؤس واپس جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ سوا سات بجے کے قریب پھر ویٹر کو بلایا اور کھانا لانے کو کہا۔ میں اب کہیں اور جانے کے بجائے تمام وقت یہیں گزار کر آٹھ بجے واپس جانے کے موڈ میں تھا۔ تھوڑی دیر میں کھانا آ گیا اور میں دیر تک آہستہ آہستہ کھاتا رہا اور بمبئی سے فرار ہونے کے متعلق سوچتا رہا۔ لیکن کسی پہلو سے بھی یہ کوئی عقلمندانہ اقدام نظر نہ آیا۔ تمام ہندوستان انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ بھاگ کر کہاں پناہ مل سکتی تھی۔ اور پھر میرے لئے بھاگنا تقریباً" ایک ریاست ٹھکرا کر چل دینے کے مترادف تھا۔ کیا کیا چھوڑ سکتا تھا۔ اور کس کس کو بھلا سکتا تھا۔ میرے پاس نقد اور جیولری کی شکل میں کئی لاکھ روپیہ تھا۔ اس کے بل پر میں ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں بھی امیرانہ زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن کیا یشودھرا کو چھوڑ سکتا تھا جو میری روح تھی؟ را سے منہ مو[illegible] تا تھا جو مجھے تجرید چکی تھی؟ میرے لئے کئی قتل کر چکی تھی' جن میں سے

ایک اس کا دور کا رشتہ دار بھی تھا۔ مجھے اپنے احمقانہ خیالات پر خود ہی ہنسی آنے لگی۔ کافی پیتے پیتے میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو آٹھ بجنے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔ ویٹر سے بل طلب کیا اور بل ادا کر کے کیبن سے باہر نکلا۔ ایک ایس آئی کاؤنٹر کے قریب کھڑا ہوا مینجر سے باتیں کر رہا تھا۔ مینجر نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ "ان صاحب کی کار ہے۔" ایس آئی نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے؟" میرا خیال تھا شاید ہوٹل کے سامنے پارک کرنے پر اس کو کوئی اعتراض ہے۔ لیکن ایس آئی نے نہایت مودبانہ لہجے میں کہا۔ "سر آپ کو کس طرف جانا ہے؟"

میں نے کہا "مالا بار ہل!"

بولا۔ "سر مجھے معلوم ہے آپ گورنمنٹ ہاؤس جائیں گے۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو شہر کے خطرناک حالات سے آگاہ کر دوں۔"

"خطرناک حالات؟" میں نے متعجب ہو رک کہا۔ "کیا؟"

فرقہ ورانہ فساد۔ سر۔" اس نے کہا۔ چھ بجے لال باغ میں ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا۔ ساڑھے چھ پر مدن پورہ میں دو ختم کر دیئے گئے اور اب متعدد مقامات پر حملے ہو رہے ہیں۔ کئی جگہ کرفیو نافذ ہے۔ آپ کے تمام راستے مخدوش ہو چکے ہیں۔ اب۔"

"میں تیزی سے گاڑی نکال لے جاؤں گا۔" میں نے کہا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "نو سر۔ راستہ محفوظ نہیں ہے۔ اور اب جبکہ ہم آپ کو دیکھ چکے ہیں ہم پر آپ کی سکیورٹی کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔"

"آفیسر۔" میں نے اعلیٰ انگریز افسروں کے لہجے میں کہا۔ "تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ میں اپنی حفاظت کر سکتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے سر لیکن۔" اس نے کہا۔ "بہتر ہو گا اگر آپ چند منٹ یہیں انتظار کریں۔ میں پولیس وین لے کر آتا ہوں۔" میں خاموش ہو گیا وہ سلام کر کے اباؤٹ ٹرن ہوا اور باہر نکل گیا۔ میں سگریٹ سلگاتا ہوا پر اسی کیبن کی طرف چل دیا۔ ریسٹورنٹ اس وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور تمام لوگوں کی نظریں میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ گورنمنٹ ہاؤس کی ایک کار نے مجھے خواہ مخواہ سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں ایک اہم شخصیت بنا دیا تھا۔ ایک ایسی شخصیت کا احترام لوگوں پر فرض تھا۔ ابھی تک انگریز دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ لاکھ طفیلی سہی لیکن مجھے اس احترام پر مسرت تھی۔ آٹو میٹک دروازہ اندر داخل ہوتے ہی بند ہو گیا۔ میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے محسوس کر رہا تھا جیسے میں گورنر کی کرسی پر بیٹھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے چند منٹ پہلے کے قنوطی خیالات پر افسوس ہونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایس آئی نے بوتھ کا دروازہ کھولا۔ میں اس کے ساتھ پولیس گاڑی میں سوار ہوا۔ قریب

ہی ایک سیاہ رنگ کی وین کھڑی ہوئی تھی جس میں ڈرائیور کے علاوہ چار مسلح پولیس مع
بیٹھے تھے۔ ایس آئی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر میرے برابر میں بیٹھ گیا۔ اس ـ
دائیں ہاتھ میں سروس ریوالور تھا۔ مجھے اس غیر ضروری پیش بندی پر ہنسی آ گئی۔ انجز
اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہارے خیال میں یہاں سے چلتے ہی لوگ ہم پر مشین گنوا
سے حملہ کر دینگے۔"

وہ شرمندہ ہو کر مسکرا دیا۔" یہ بات نہیں ہے جناب لیکن پتھراور سوڈے کی بوتلیں
بھی زخمی تو کر سکتی ہیں۔" میں نے لاپرواہی سے کندھے اچکا کر۔ گیئر لگایا اور محمد علی روڈ
گاڑی ڈال دی۔ وین گاڑی سے پچیس تیس گز کے فاصلے پر ہمارے پیچھے پیچھے چلنے لگی
تمام سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ فورٹ کے علاوہ ہر جگہ کرفیو لگا ہوا تھا۔ کہیں کسی قسم
کوئی گڑ بڑ نہ تھی۔ متعدد راستوں سے گزرتے ہوئے ہم مالا بار ہل پہنچ گئے۔ گورنمنٹ
ہاؤس سے کچھ فاصلے پر میں نے گاڑی روک کر ایس آئی کی طرف دیکھا۔ "میرے خیال م
اب کوئی خطرہ نہیں آفیسر۔" میں نے کہا۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "جی ہاں اب م
اجازت چاہوں گا۔"

میں نے "بہت بہت شکریہ آفیسر" کہہ کر اس سے مصافحہ کیا اور دروازہ بند کر ـ
آگے چل دیا۔ قیامگاہ پر پہنچ کر گاڑی ڈرائیور کے حوالے کی اور کمرے میں آ کر سیکرٹری
فون کر کے اپنی آمد کی اطلاع دی انہوں نے رسمی مزاج پرسی کے بعد سب سے پہلے شہر م
ہنگامہ ہو جانے کے متعلق ذکر کیا۔ میں نے ان کو تمام واقعہ تفصیل سے بتایا۔ پولیس آفیس
کے تعاون سے متعلق سن کر کہنے لگے۔ "یہ تمہاری گاڑی کا کرشمہ ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کرشمہ ساز گاڑی کو ٹریننگ کے دوران بھی میر
حفاظت میں اور مجھے اس کی حفاظت میں رہنے دیا جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

وہ ہنس دیئے۔ "اعتراض نہ ہونا خوب کہا تم نے۔ خیر کل ہزایکسی لنسی ـ
درخواست کرنا۔"

میں نے کہا۔ "سر' کل نہ معلوم میں کہاں ہونگا۔ شاید آپ جانتے ہوں۔ بہر کیف
ابھی تھوڑی دیر میں گاڑی آئے گی اور میں چلا جاؤں گا میرا سامان پیک ہو چکا ہے۔"

انہوں نے جواب دیا۔ "نہیں' تم کل چار بجے شام کو جاؤ گے اور انڈمان نہیں
رہے۔ یہیں بمبئی میں رہو گے۔ او کے؟"

میں نے "گڈ نائٹ سر" کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اطمینان کا سانس لیا
سکون کے چند گھنٹے اور نصیب ہو گئے تھے۔ جیب سے سگریٹ نکالنے لگا تو اردلی نے کہا۔
حضور کھانا میز پر لگا دیا گیا ہے۔" میں نے سگریٹ کیس جیب میں ڈال دیا اور کھانا کھا۔
ہوئے ہونے کے باوجود میز پر پہنچ گیا۔

دوسرے روز شام کو چار بجے ایک کیپٹن جیپ لے کر آیا۔ سیکرٹری نے مجھے فون کر کے ہزایکسی لنسی کی طرف سے چند ہدایات دیں۔ ہر ہفتہ گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر پروگریس رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا اور "میں تمہاری کامیابی کا خواہشمند ہوں" کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ میں نے اردلی کو دس روپے انعام دیے اور کیپٹن کے ساتھ جیپ میں سوار ہو کر چل دیا۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی کیپٹن نے اپنا تعارف کرایا۔ میرا نام کیپٹن بریڈ لے ہے مسٹر پرنسلی۔"

"مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی کیپٹن۔" میں نے مصافحہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو میرا نام سیکرٹری نے بتایا ہو گا شاید۔"

"جی نہیں۔ بریگیڈیئر ہلنگیں نے ....." اس نے کہا۔ "آپ اینگلو انڈین ہیں کیا؟"

"ہاں کیپٹن، بالکل۔" میں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "میرے والد ہندوستانی تھے اور والدہ انگریز۔"

"فائن۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ڈر پچن۔"

"ہاں۔ میری ماں کا یہی خیال ہے۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔ "فادر سمجھتے ہیں کہ میں مسلم ہوں۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

وہ ہنس دیا۔ "تو آپ کے فادر مسلم ہیں؟"

میں نے کہا۔ "ہاں کیپٹن۔ لیکن میں نے شادی ایک ہندو لڑکی سے کی ہے۔"

"ونڈر فل۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اگر مائنڈ نہ کریں تو بتائیں آپ کے بچے کیا ہوں گے؟ میرا مطلب ہے مذہب کی رو سے۔"

"مجھے اپنے متعلق معلوم نہیں تو بچوں کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں، جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔"

"میں آپ کو پسند کرتا ہوں مسٹر پرنسلی۔"

"پرنسلی آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے کیپٹن۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ دل میں بریگیڈیئر کا شکریہ ادا کر رہا تھا جس نے مجھے ایک نیا نام عطا فرمایا۔ "مصلحتاً" یا غلط فہمی کی بنا پر گاڑی تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چند ٹرن لئے اور ایک "نسبتاً" بے رونق اور سنسان سی سڑک پر آ گئی۔ جہاں بمبئی کی فلک بوس عمارتوں کے بجائے ٹائلوں والے ایک منزلہ مکانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ "یہ ہماری منزل ہے۔" کیپٹن نے گیٹ پر گاڑی رکتے ہی کہا۔ میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ "بہت خوب" ایک پیرمار کے گیٹ کھولا۔ گاڑی اندر داخل ہوئی چند فرلانگ چل کر کوارٹروں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ایک بنگلے کے سامنے پہنچ کر

رک گئی۔ کیپٹن نے دروازہ کھولا اور ہم نیچے اترے۔ ڈرائیور اور اردلی نے میرا سامان
میں پہنچایا۔ ایک کمرے میں لوہے کی ایک مسہری' دو کرسیاں' ایک ٹیبل اور ایک الم
دوسرے میں چند کرسیاں ایک ٹیبل' دیواری آئینہ اور ایک راشنگ ٹیبل تھا۔ اٹیچڈ
روم اور پینٹری وغیرہ برابر کے دوسرے پورشن میں یہی کیپٹن قیام پذیر تھا۔ میرا سامان
کر وہ مجھے اپنے سٹنگ روم میں لے گیا اور اردلی سے چائے تیار کر کے لانے کو
سگریٹ دیتے ہوئے اس نے بتایا۔ بنگلے کے علاوہ اردلی میں بھی ہم دونوں ایک دوسرے
پارٹنر تھے۔

چائے پینے کے بعد کیپٹن مجھے بریگیڈیئر کے پاس لے گیا۔ اپنے اخبار سے نگاہیں
کر ہماری طرف دیکھا اور کہا۔ "اوکے کیپٹن۔" کیپٹن ریڈلے سلام کر کے باہر نکل
بریگیڈیئر نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سٹ ڈاؤن۔" میں "شکریہ" کہ
بیٹھ گیا۔ وہ پائپ کا کش لے کر بولا۔ "ہزایکسی لینسی کی ہدایت کے مطابق میں نے
یورپین گریڈ میں لے لیا ہے۔ لیکن یہاں کسی کو معلوم نہ ہو کہ تم مسلمان یا ہندوستانی
ہم یہاں تمہیں پرنسلی کے نام سے پکاریں گے۔"

"ایز یو پلیز۔" میں نے کہا۔ "اس کے معنی ہیں ملٹری میں میرا کوئی رینک نہیں۔

"میں نے تمہارا تقرر نہیں کیا۔ ہزایکسی لینسی جانیں وہ تمہیں کیا بتانا چاہتے
ویسے یہ بہت بڑی عزت ہیں پرنسلی اور اس پر فخر ہونا چاہئے۔"

"مجھے بہت فخر ہے جناب۔" میں نے کہا۔ "لیکن انٹیلی جنیس میں جہاں ہر
عہدے سے پہچانا جاتا ہے۔ مسٹر پرنسلی کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں کئی سولین ٹرینز ہیں۔ گو انڈین کوئی نہیں
بہرکیف تمہیں ثابت کرنا ہے کہ ہزایکسی لنسی کا انتخاب بہترین ہے۔"

"آپ فکر نہ کیجئے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کا بہترین شاگرد ثابت ہوں۔"

"اوکے بوائے۔" بریگیڈیئر نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اٹھ کر مصافحہ کیا۔ "ڈ
بریڈلے کے پاس اس ہفتے کا پروگرام ہے۔" اس نے کہا۔ "میں گڈ نائٹ کہہ کر باہر
آیا۔

شام کو آٹھ بجے اردلی نے مجھ سے پوچھا۔ "ڈنر آپ کیپٹن صاحب کے
کھائینگے یا اپنے کمرے میں؟" میں نے جواب دیا کیپٹن صاحب سے دریافت کرو۔ کہنے
"صاحب کیپٹن صاحب نے تو کہا ہے اگر آپ ساتھ کھانا چاہتے ہیں تو فوراً" چلے آئیں
میز پر لگا ہوا ہے۔ میں کچھ کہے بغیر اٹھا اور کیپٹن کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ایک بیرا ٹرا
کھانے کی پلیٹیں اٹھا اٹھا کر میز پر رکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر میرا کھانا بھی چننے لگا۔ اردل
ایک کرسی اٹھا کر میز کے دوسری طرف رکھ دی۔ کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے میں نے بوتل کی

دیکھا۔ جس میں دو پیگ سے زیادہ نہ تھی۔ کیپٹن نے کہا۔ "ہمیں دن میں دو مرتبہ ایک ایک پیگ ملتی ہے۔"

میں نے چمچہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کافی ہے نابالغوں کے لئے۔"

کیپٹن نے ہنس کر کہا۔ "صحیح کہہ رہے ہو لیکن بالغ کیا کریں؟"

"کھانا شروع کرو کیپٹن" میں نے کہا۔ "بالغوں کی ہدایات میرے سوٹ کیس میں ہیں۔ زبانی یاد نہیں۔"

"اس کے معنی ہیں تم پیتے نہیں۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ دونوں پیگ تم پی جاؤ۔" اس نے دوسرے لقمے کے ساتھ گلاس میں انڈیلی۔ فاکین بیئرر سے تین چوتھائی گلاس بھرا اور دو گھونٹ لے کر گلاس رکھتے ہوئے بولا۔ "پرنسلی زندہ باد۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "تھینک یو کیپٹن۔ اگر تمہیں دو پیگ کافی ہو جاتی ہے تو جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں' پیئے جاؤ۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "بہت بہت شکریہ پرنسلی۔ تم بہت اچھے دوست ہو۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "میرے متعلق یہ عام خیال ہے کیپٹن۔"

کیپٹن ہنس دیا۔ گلاس اٹھاتے ہوئے بولا۔ "خیر اب زیادہ خوش نہ ہو۔"

"اور تم اس وقت مجھ سے جلنے نہ لگنا۔ جب میں پینا شروع کر دوں۔"

اس نے ہنس کر گلاس رکھتے ہوئے کہا۔ "او۔ لیکن کب پیو گے؟"

میں نے کہا۔ "جب تم وعدہ کر لو کہ نظر نہیں لگاؤ گے۔"

کیپٹن نے آنکھیں میچ کر کہا۔ "بس؟"

میں آہستہ سے اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا اور اسکاچ کی بوتل لے کر واپس آ گیا۔

کیپٹن نے کانٹا ہاتھ رکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ تم پرنس ہو۔"

میں نے بوتل اس کے سامنے سرکاتے ہوئے کہا۔ "میرے متعلق یہ بھی ایک عام خیال ہے کیپٹن لیکن سچ بتاؤ اگر میرے پاس ایسی ایک درجن بوتلیں ہوں تو ...." کیپٹن نے ہنس کر میرا قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "تو پھر میں تمہیں راک فیلر سمجھوں گا۔"

بس تو پھر تم مجھے راک فیلر ہی سمجھو۔" میں نے کہا۔

کیپٹن نے قہقہہ لگایا اور اردلی کو آواز دی۔ "گھائی!" اردلی لپک کر اندر آ گیا۔ کیپٹن نے بوتل اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "اسے کھولو۔" بوتل کھل گئی اور ہم رات کے دس بجے تک پیتے رہے۔ کیپٹن چند گھنٹوں میں میرا بہترین دوست تھا۔ مجھے شراب کی طاقت معلوم تھی کہ معلوم نہیں۔ لیکن کچھ لوگ اس کے ساتھ منافقت برتتے ہیں۔

فزیکل ٹریننگ کے نام پر مسلسل ایک ہفتہ مجھے سخت امتحانات سے گزرنا پڑا۔ ہر

شعبہ فن کے چیمپئن آفیسرز سے دوستانہ میچ کرا کے مجھے ہر ممکن طریقے سے نیچا دکھانے کوشش کی گئی۔ لیکن جب کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو بریگیڈیئر نے کھلے دل سے اعتراف کیا کہ اس میدان میں مجھ سے آگے کوئی نہیں تھا۔ صرف نشانہ بازی میں چالیس سا آئرش میجر ہنری رولینڈ میرے لئے ناقابل تسخیر تھا۔ جو ایک ہاتھ سے چینی کی پلیٹ اچھال دوسرے ہاتھ سے پستول نکالتا اور بیس پچیس فٹ کی بلندی پر پہلے یا دوسرے فائر سے ا دیتا۔ لیکن یہ اسٹینڈرڈ سے آگے کی چیز تھی اور اس کا تعلق سالہا سال کی مسلسل پریکٹ سے تھا۔ اس پریکٹس کے لئے ہزاروں کارتوسوں کی ضرورت تھی۔ اور یہاں ایک کارتو بھی فاضل نہ تھا۔ دس روز بعد مجھے فنی تربیت کے شعبے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں پہلا سب مختلف ممالک کے نقشے اور شہروں کے نام ازبر کرنا تھا۔ جہاں تک ٹریننگ کا تعلق تھا م بہت اچھا جا رہا تھا۔ اسٹاف کے تمام آفیسر اور ٹرینرز میری کارکردگی اور اخلاق سے مطمئ تھے۔ نسلی امتیاز پوری شدت سے موجود تھا۔ لیکن میرے ذاتی تعلقات اس پر حاوی تھے میرا لب و لہجہ انگلش ایکسنٹ کی نقل کرتے کرتے بتدریج نکھرتا جا رہا تھا۔ کیپٹن بریڈ۔ اور چند آفیسرز جن سے دوستانہ مراسم تھے جانتے تھے کہ میں اردو اسپیکنگ علاقے کا ای انڈین ہونے کے باعث خالص انگریزی لہجے سے قاصر ہوں۔ لیکن اس طرف کبھی کسی۔ کوئی اشارہ نہیں کیا۔ بحیثیت مجموعی میں اس ماحول سے مطابقت اختیار کر چکا تھا تاہم ہ کوارٹر کی چہار دیواری میں مقید رہنا میرے لئے سوہان روح تھا۔ یہاں سے کہیں جانے اجازت نہ تھی اور میں گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ دو ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ پندرہویں ر صبح دس بجے کے قریب بریگیڈیئر نے مجھے دفتر میں طلب کیا۔ میں کپڑے تبدیل کر کے چ منٹ میں پہنچ گیا۔ اس وقت دفتر میں بریگیڈیئر کے علاوہ دو تین آفیسر جن میں ہمار۔ انسٹرکٹر' کرنل ڈینس بھی شامل تھے۔ ایک سفید کپڑوں میں ملبوس انگریز سے باتیں کر ر۔ تھے۔ سلام کرتے ہی بریگیڈیئر نے کہا۔ "یہ ہے وہ نوجوان جناب۔" پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "پرنسپل' مسٹر پارکنز سے ملو۔"

میں نے سر کو خم دے کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ سے مل کر خوشی ہو جناب۔"

پارکنز نے مسکرا کر پوچھا اور کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں "تھینک یو سر" کہ ہوئے بیٹھ گیا۔

"یہاں تنہائی تو محسوس نہیں کر رہے تم؟" پارکنز نے سوال کیا۔

"جی نہیں میں بہترین دوستوں کے درمیان ہوں۔ بہترین آفیسرز بہترین انسٹرکٹر بہترین ماحول' ہر چیز بہترین۔"

وہ میرا جواب سن کر مسکرا دیا۔ "مجھے خوشی ہوئی تم مطمئن و۔ ہزایکسی لنسی یہی

چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "آج شام کو چار بجے تمہیں گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر مسٹر جیمس۔ میرا مطلب ہے' فرسٹ سیکرٹری سے ملنا ہے۔"

"بخوشی حاضر ہونگا سر۔" میں نے جواب دیا۔ تمام آفیسر حیرت کی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"تمہیں دو تین روز وہاں ٹھہرنا ہو گا۔ اس لئے اپنے سامان لیتے آنا۔" پارکنز نے کہا۔

"بہتر ہے سر۔ میں دو بجے یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔" پارکنز نے "اوکے" کہہ کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے کرسی سے اٹھ کر ہاتھ ملایا اور گڈ بائی کہہ کر دفتر سے نکل آیا۔

دو بجے کیپٹن بریڈلے گاڑی لے کر آیا۔ اردلی نے میرے سوٹ کیس لا کر گاڑی میں رکھے اور اڑھائی بجے ہم گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گئے۔ کیپٹن مجھے کلب میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ شام کو چار بجے میں سیکرٹری سے ملا۔ انہوں نے تمام حالات پوچھنے کے بعد کہا۔ بریگیڈیئر نے ہزایکسی لنسی کو تمہارے متعلق بہت اچھی رپورٹ دی ہے۔ میں نے کہا۔ "یہ ان کی مہربانی ہے۔"

مسکرا کر بولے۔ "بریگیڈیئر کی ڈکشنری میں مہربانی کا لفظ نہیں پایا جاتا۔ ان کی رائے سو فی صد حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "تو پھر شاید میں ایسا ہی ہوں۔"

"شاید اڑا دو۔" انہوں نے کہا۔ "ہزایکسی لنسی بریگیڈیئر کی رپورٹ کے بعد "شاید" سننا پسند نہیں کرتے۔"

اسی وقت سیکرٹری کی اسسٹنٹ نے اپنے کمرے کے دروازے سے جھانک کر کہا۔ "مسٹر جیمس آپ کی چائے آ گئی ہے۔" سیکرٹری نے کرسی سے اٹھتے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آؤ" چائے کی میز پر دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ سیکرٹری کی اسسٹنٹ بڑے انہماک سے ہماری باتیں سن رہی تھی۔ کبھی کبھار درمیان میں بولتی بھی جا رہی تھی۔ اس کو میری صحیح پوزیشن معلوم نہ تھی۔ شاید وہ مجھے کوئی بڑی شخصیت سمجھے ہوئے تھی کیونکہ جتنی مرتبہ اس نے مجھے مخاطب کیا۔ اس کا لہجہ نہایت مودبانہ تھا۔ چائے سے فارغ ہو کر ہم پھر سیکرٹری کے چیمبر میں آ گئے اور کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ مجھے حیرت تھی کہ ابھی تک ہزایکسی لنسی نے مجھے یاد نہیں کیا۔ سیکرٹری نے بھی ابھی تک کچھ نہیں بتایا کہ میرے یہاں بلائے جانے کا کیا مقصد تھا۔ پانچ بجے کے قریب سیکرٹری کو اندر بلایا گیا۔ وہ ایکسکیوزمی کہہ کر ہزایکسی لنسی کے کمرے میں گئے اور دس منٹ بعد دوسرے بغلی دروازے سے واپس آ کر مجھے اندر چلنے کو کہا۔ میں اٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک طویل راہداری سے گزرنے

کے بعد ایک آراستہ ہال میں پہنچ کر سیکرٹری نے مجھے ٹھہرنے کو کہا اور پردہ اٹھا کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد لوٹے تو ان کے ساتھایک سفید وردی میں ملبوس اردلی دونوں ہاتھوں میں ایک ٹرے لئے ہوئے ہال میں داخل ہوا۔ اس ٹرے میں بادامی بفت کی شیروانی۔ موتیوں کی مالا اور بادامی رنگ کا صافہ رکھا ہوا تھا۔ سیکرٹری نے اردلی کو ایک سائیڈ روم کی طرف جانے کا اشارہ کر کے میری طرف دیکھا۔ "ہزایکسی لنسی اور ان کے مہمان تمہیں درباری لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کمرے میں جا کر صافہ اور شیروانی پہن کر آ جاؤ۔" میں "بہتر ہے" کہہ کر کمرے کی طرف چل دیا۔ اردلی نے سلام کر کے کہا۔ "حضور اگر صافہ باندھنے میں کوئی دشواری محسوس کریں تو میں دروازے پر حاضر ہوں۔"

میں نے کہا۔ "نہیں کوئی دشواری نہیں۔"

جھک کر بولا۔ "بہتر ہے سرکار۔ جودھپور اسٹائل ہو۔"

میں "اوکے" کہہ کر اندر داخل ہو گیا۔ کوٹ اور ٹائی اتار کے میز پر رکھی۔ شیروانی پہن کر صافہ باندھنے لگا۔ ریشمیں ہونے کے باعث بار بار بندش سلپ ہونے لگی تو دروازے میں کھڑے ہوئے اردلی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ لپک کر آیا۔ پہلے مالا اٹھا کر گلے میں ڈالی اور پھر ایک منٹ میں انتہائی مہارت سے صافہ باندھ کر کلغی لگائی اور جھک کر بولا۔ "سرکار آئینے میں ملاحظہ فرمایئے۔ میری نظر بد مجھ پر پڑے۔ آپ پرستان کے شہزادے معلوم ہوتے ہیں۔" کوٹ کی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اردلی سے کہا۔ "لو مٹھائی کھانا۔" اس نے جھک کر سلام کیا اور کرتا چلا گیا۔ میں نوٹ اس کے کندھے پر رکھ کر باہر نکل گیا۔ سیکرٹری نے دیکھتے ہی کہا۔ "واہ بہت خوب۔ اچھا میرے ساتھ آؤ۔"

میں تھینکس کہہ کر ان کے ساتھ چلنے لگا۔ انہوں نے پردہ اٹھا کر اندر دیکھا۔ ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا اور پردہ ایک طرف کھینچ کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولے۔ "ہزایکسی لنسی طلب فرما رہے ہیں۔" میں دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے کوئی نہ تھا بلکہ اسی طرح کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس میں سے میرے قدوقامت کا ایک شخص بالکل اسی لباس میں اندر داخل ہو رہا تھا۔ چہرے پر نظر پڑتے ہی حیرت سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ بالکل میرا ہم شکل تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں آئینے کے سامنے کھڑا ہوا اپنا عکس دیکھ رہا ہوں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ سامنے والی دیوار میں کوئی بری سائز کا آئینہ لگا ہوا ہے اور یہ سب کچھ محض عکس ہے لیکن دوسرے لمحے بائیں جانب سے زنانہ اور مردانہ آواز میں "ونڈر فل" کی آواز آئی اور ملے جلے قہقہے سن کر میرا خیال تبدیل ہو گیا کیونکہ اسی وقت میرے ہم شکل نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔ میں نے اس کو یکسر نظر انداز کر کے بائیں طرف دیکھا۔ ہزایکسی لنسی گورنر اور مادام کرسیوں پر بیٹھے

ہوئے تھے ان کے پہلو میں ایک پچاس پچپن سالہ وجیہہ شخص شیروانی اور صافہ پہنے دونوں ہاتھ ایک چھڑی کی مٹھ پر رکھے کرسی پر بیٹھا ہوا حیرت زدہ ہو کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے چند قدم بڑھ کر درباری انداز میں جھک کر مادام اور ہزایکسی لنسی کو سلام کیا۔ انہوں نے "گڈ ایوننگ مائی بوائے" کہہ کر مصافے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے مجھ پر ہزایکسی لنسی کی مسکراہٹ اور "مائی بوائے" کے الفاظ سے پھر نشہ طاری ہو گیا۔ تعارف کرانے کے لئے انہوں نے مہمان کی طرف گھوم کر دیکھا تو بے ساختہ "اوہ" کہہ کر کھڑے ہو گئے اور چلنے لگے میں نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا تو میرا ہم شکل اسی طرح آنکھوں پر ہاتھ رکھے کھڑا نظر آیا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور ہزایکسی لنسی سے پہلے اس کے پاس پہنچ گیا۔ اور شانہ پکڑ کر کہا۔ "گڈ ایوننگ بردر۔" اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر میری طرف غور سے دیکھا اور قہقہہ لگا کر دائیں طرف دیکھنے لگا۔ "میں دو ہو گیا پاپا۔ ہی ہی ہی" اس کا انداز پاگلوں جیسا تھا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ مہمان بھی مادام کے پاس سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یس ڈارلنگ تم دو ہو گئے۔ آؤ ادھر آؤ۔" وہ اس کے ساتھ کرسیوں کی طرف چلنے لگا۔ ہزایکسی لنسی نے مجھے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک شہزادہ ہے لیکن اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ سن کر مجھے بہت صدمہ ہوا ہے یورایکسی لنسی۔"

انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "شاید اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ پہلی بار تمہیں دیکھ کر چونکنے کی وجہ کیا تھی؟"

"کسی حد تک یورایکسی لنسی۔" میں نے جواب دیا۔ انہوں نے گھوم کر مہمان کی طرف دیکھا۔ "آپ نے دیکھا یورایکسی لنسی' میرا خیال ہے یہ ہمارا کام کر سکتا ہے۔"

مہمان نے سر جھکا کر کہا۔ "یس یورایکسی لنسی۔ میرے خیال میں آپ درست کہہ رہے ہیں۔"

ہزایکسی لنسی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "ہزہائی نس دی مہاراجہ آف شیر دھام پور سے ملو .... اور یوربائی نس آپ اسے کسی بھی نام سے بلا سکتے ہیں۔" ہزایکسی لنسی کے آخری جملے سے میرے دل پر چوٹ لگی۔ میں نے محسوس کیا جیسے میری حیثیت ایک بے زبان حیوان سے زیادہ نہ تھی۔ جیسے اس کا مالک جب چاہے کسی دوسرے کو فروخت کر سکتا تھا۔ میں سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ شاید مادام نے میرے چہرے سے میری افسردگی کا اندازہ لگا لیا۔ انہوں نے ہزایکسی لنسی سے فرانسیسی میں کچھ کہا اور میز پر رکھے ہوئے سگریٹ بکس سے ایک سگریٹ اٹھایا۔ ہزایکسی لنسی نے ان کو لائٹ دیتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "بیٹھ جاؤ تاعیم ..... مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

میں "شکریہ یورایکسی لنسی" کہہ کر بیٹھ گیا۔ وہ مہاراجہ کی طرف گھوم کر بولے۔ "یورہائی نس آپ کے محل میں کونسی زبان بولی جاتی ہے؟"

"یورایکسی لنسی۔" مہاراجہ نے کہا۔ "وہی ہندی اور انگریزی' جو سرکاری زبانیں ہیں۔"

"پھر تو ٹھیک ہے" انہوں نے کہا۔

مادام نے مسکرا کر کہا۔ "نامیم سچ کہو کیا تم نے ہزایکسی لنسی "کسی بھی نام سے بلانے" کو محسوس نہیں کیا؟" میں ان کی عقلمندی پر دنگ رہ گیا۔ وہ ہزایکسی لنسی سے کہیں زیادہ ذہین تھیں۔ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔ "یورایکسی لنسی' میں نے آپ سے زیادہ ذہین خاتون نہیں دیکھی۔"

ہزایکسی لنسی نے مسکرا کر کہا۔ "میں اپنے اس جملے پر شرمندہ ہوں نامیم' اسے بھول جاؤ۔"

"مجھے شرمندہ نہ کریں۔" میں نے اٹھ کر کہا۔

ہزایکسی لنسی گورنر نے مجھ سے کہا۔ "ہزہائی نس تمہیں یوراج یارشی کرن کے سوا کچھ نہیں کہیں گے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے یورایکسی لنسی۔" میں نے کہا۔ انہوں نے مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اب میں تمہیں بنیادی بات بتا دوں۔ یہ بدنصیب لڑکا ہزہائی نس کا یوراج ہے۔ ان کی دوسری بیوی سے ایک راجکماری ہے۔ یوراج کی دماغی حالت سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ کسی طرح حکمران نہیں بن سکتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وراثت راجکماری کو منتقل ہو جائے۔ ریاست دوسرے خاندان میں چلی جائے گی۔ ہزہائی میرے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ اور دوستی کے علاوہ حکومت برطانیہ کا مفاد بھی اسی میں ہے کہ ریاست اسی خاندان میں رہے۔ تمہیں یوراج کا رول ادا کرنا ہے۔ اور یہ ایک بہت مشکل کام ہے۔ اس میں ہزاروں پیچیدگیاں ہیں۔ لیکن مجھے امید ہے تم اپنی ذہانت سے ان پر عبور پا لو گے۔"

"میں کوشش کروں گا یورہائی نس۔" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے تم ذہین بھی ہو اور بہادر بھی---- اور پھر برٹش گورنمنٹ پشت پر ہے .... حالات کے مطابق تمہارا ہر قدم۔ صحیح یا غلط ریاست کے مروجہ قانون سے مستثنیٰ ہو گا .... اس سے زیادہ کچھ چاہتے ہو تو بتاؤ۔"

"اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے یورایکسی لنسی۔ میں شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں پاتا۔ یہ میری بہت بڑی عزت افزائی ہے مائی لارڈ۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "یہ میری زندگی کی معراج ہے۔ جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" مادام نے غور سے میری

طرف دیکھ کر کہا۔ "اس سے پہلے کہ ہم کسی فیصلے پر پہنچیں میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہوں گی۔"

میں نے جھک کر کہا۔ "میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کا وعدہ کرتا ہوں یورایکسی لنسی۔" انہوں نے مڑ کر مہاراجہ کی طرف دیکھا۔ پھر گورنر کی طرف دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور مریض یوراج کو لے کر چل دیئے۔ وہ سرگوشی کے انداز میں بولیں "راجکماری بلا کی ذہین اور خوبصورت ہے۔ تمہیں اس کے بھائی کا رول ادا کرنا ہے۔ وعدہ کرو تم بھی اسے حقیقی بہن سمجھتے رہو گے اور اس کی تمہیں بھائی سمجھنے کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کبھی نہیں کرو گے۔"

"میں اس کو آپ کی موجودگی میں بہن کی حیثیت سے قبول کرتا ہوں یورایکسی لنسی اور وہ مرتے دم تک میری بہن رہے گی۔

"شاباش نائیم۔" انہوں نے میری پیٹھ تھپک کر کہا۔ "میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری بقیہ زندگی' خواہ تم کہیں بھی رہو' راجکماروں جیسی ہو گی۔" میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ وہ اٹھیں اور دوسرے کمرے سے مہاراجہ اور ہزایکسی لیسی کو بلائیں۔ اس وقت راجکمار ان کے ساتھ نہ تھا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی مادام نے پھر فرانسیسی کا سہارا لیا۔ چند جملے تبدیل کئے ہزایکسی لنسی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ "مجھے خوشی ہے نائیم' تم ہماری توقعات کے مطابق ہو۔"

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ وہ مہارجہ کی طرف مخاطب ہو گئے۔ "آپ یوراج کو انگلینڈ بھیج سکتے ہیں یورہائی نس۔ کچھ عرصہ یہاں ٹھہر کے نائیم کو اپنے خاندان کے افراد سے متعارف کرایئے۔ ان کے نام' رشتے' عادات و خصائل سے روشناس کرایئے۔ مجھے امید ہے یہ جلدی ہر چیز پر عبور حاصل کر لے گا۔ اور پھر ویسے بھی اسے پہنچ کر بتدریج صحت یاب ہونا ہے۔ اس کے ساتھ ایک دو نرسیں ہوں گی اول تو وہ کسی کو ملاقات ہی نہیں کرنے دیں گی اور اگر کوئی خاص قریبی رشتہ دار مثلاً" راجکماری یا آپ کی رانی وغیرہ جن سے ملنا ناگزیر ہو ملنے آئیں تو پروگرام کے مطابق یہ ان کے استقبال کے لئے پوری طرح تیار ہو گا۔ اگر کوئی لغزش ہو بھی جائے جس کی مجھے توقع نہیں ہے' تو اس کی یادداشت کی کمزوری پر محمول کی جا سکتی ہے ...... اور پھر تھوڑے عرصے میں تو یہ خود آپ سے زیادہ معلومات حاصل کر لے گا۔ اس کا تعلق ہمارے انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔ اور آپ سمجھ سکتے ہیں یہ کیا ہو سکتا ہے۔"

مہاراجہ اس تمام تقریر کے دوران بار بار شکریہ ادا کرنے اور اثبات میں گردن ہلانے کے سوا کچھ نہیں کر سکے۔ رازدارانہ گفتگو ختم ہونے کے بعد ہزایکسی لنسی نے بزر دبایا اور بیرا مشروبات لے کر آ گئے۔ اور راجکمار شانتی کرن کی صحت کا جام پینے کے بعد میٹنگ

برخاست کر دی گئی۔ میں اپنی قیامگاہ کو چلا آیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد بستر پر لیٹا تو متضاد خیالات نے گھیر لیا۔ مجھے اس پیش کش پر کوئی مسرت نہ تھی۔ ایک ایسے شخص کو بناوٹی راجکمار بننے کی کیا خوشی ہو سکتی ہے جو پس پردہ حقیقی راجکماروں کی سی زندگی گزار رہا ہو اور عملی طور پر راجکمار بننے کے قریب ہو۔ میری منزل قریب آنے کے بجائے مجھ سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

چند روز مہاراجہ شردھام نگر نے مجھے ہزایکسی لنسی کی ہدایت کے مطابق ایک علیحدہ کمرے میں اپنے خاندان اور امراء میں سے ان افراد کی تصویریں' نام اور حالات نوٹ کرائے جن سے مجھے بحیثیت شانتی کرن جلد یا بدیر ملاقات کرنی تھی۔ اب مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ اصلی راجکمار چند معتمدین کے ساتھ انگلینڈ روانہ ہو چکا تھا۔ اور ایک ماہ بعد مجھے یہاں سے اس کے روپ میں انہی لوگوں کے ساتھ شردھام نگر جانا تھا۔ راجکمار اس سے پہلے بھی ایک بار علاج کے لئے انگلینڈ جا چکا تھا لیکن شفایاب نہ ہو سکا تھا۔ وہ لاعلاج تھا۔ اس مرتبہ اس کو علاج کے لئے بھیجا جانا محض ڈرامہ تھا جس میں اس کو ہندوستان سے ہٹا کر جلد از جلد میرے پردے میں گدی کا وارث بنا دینا مقصود تھا۔

ایک ہفتے کے بعد مہاراجہ میری کوچنگ سے فارغ ہو کر اپنے سیکرٹری' باڈی گارڈ اور خدمت گاروں کے ساتھ تاج ہوٹل چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد مجھے پھر تربیت حاصل کرنے کے لئے ملٹری ہیڈ کوارٹر بھیج دیا گیا۔ یہاں پھر سٹر پرنسلی تھا۔ اور چار دیواری میں محصور ہونے کے باوجود کیپٹن بریڈلے جیسے چند دوستوں کی قربت میں خود کو ان پابندیوں سے آزاد پا رہا تھا جو گزشتہ ہفتے گورنمنٹ ہاؤس میں مجھ پر عائد تھیں۔ تین ہفتے اور گزر گئے۔ چوتھے ہفتے مجھے پھر گورنمنٹ ہاؤس طلب کیا گیا۔ کیپٹن بریڈلے نے ہدایات کے مطابق میرا تمام سامان گاڑی میں رکھوایا اور گورنمنٹ ہاؤس پہنچا کر پھر ملنے کا وعدہ کر کے واپس ہو گیا۔ اس مرتبہ سیکرٹری نے خود مجھے ریسیو کیا۔ اور ہزایکسی لنسی کے چیمبر میں لے گئے۔ انہوں نے مجھے چند ضروری ہدایات دیں۔ کوئی پیچیدگی پیدا ہونے پر مرلی کے نام سے مسٹر البرٹ فرزلے پوسٹ بکس نمبر # بمبئی کو بذریعہ ٹیلیگرام اطلاع دینے کو کہا۔ مہاراجہ کی طرف سے ایک الیون شاٹ آٹو میٹک پستول اور ضروری سامان خریدنے کے لئے پانچ ہزار روپے نقد دیئے اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

ایک گھنٹے بعد کیپٹن بریڈلے پھر موجود تھا۔ لیکن اس وقت وہ سولین لباس میں تھا اور جیپ کے بجائے گورنمنٹ ہاؤس کی مورس لے کر آیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہنس کر بولا۔ " سیکرٹری نے کہا ہے تمہیں شاپنگ کے لئے وہائٹ وے لیڈ لے جانا ہے۔ سچ؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہاں چند سوٹ' ایک دو شیروانیاں' چند سلیپنگ پاجامز' ایک ٹیور لیو باز۔ تحفہ وغیرہ خریدنا چاہتا ہوں۔" وہ ہنس دیا۔ میں نے کہا کیا بات ہے بریڈلے؟ "

بریڈلے سگریٹ کا کش لے کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اردلی چائے کی ٹرے لے کر آ رہا تھا کیپٹن طویل سانس لے کر بولا۔ "اوہ گڈ لارڈ۔" میں اس کی بے صبری پر ہنس دیا۔ اردلی ٹرے رکھ کر چلا گیا۔ میں نے دو کپ چائے تیار کی۔ دو تین گھونٹ لینے کے بعد کہا۔ "اب میں گاڑی چلانے کے قابل ہو گیا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "ڈرائیونگ کو چھوڑو کیپٹن۔ یہ بتاؤ کیا کہنا چاہتے تھے۔"

"وہائٹ وے بہت مہنگے ہیں پرنسلی۔ اگر تم واقعی پرنسلی ہو تو وہاں جانا۔ ورنہ ....."

"میں واقعی پرنسلی ہوں بریڈلے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "مجھے پانچ ہزار تو ابھی ابھی ملے ہیں۔"

"گڈ۔ لیکن وہائٹ وے میں اتنی چیزوں کے لئے پانچ ہزار کافی نہ ہو سکیں گے۔"

"سات ہزار۔؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ شاید۔ لیکن کیوں نہ کرافورڈ مارکیٹ چلیں۔ وہاں یہ سب کچھ اڑھائی تین ہزار میں مل جائے گا۔"

"لیبل۔؟" میں نے کہا۔

"ہاں یہ نہیں ہو گا۔ لیکن ......"

"مجھے لیبل ہی تو خریدنا ہے دست۔ سوٹ تو میرے پاس بھی ہیں۔"

"پھر تم پرنسلی نہیں، پرنس ہو۔"

پھر وہ میرے ساتھ ہو لیا۔ باہر آتے ہی میں نے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مسکرا کر بولا۔ "میں پرنس نہیں ہوں مائی ڈیئر۔" میں نے وہیل سنبھالتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ کیپٹن ..... ایک وقت آئے گا کہ تم انگلینڈ میں اپنے دوستوں سے کہا کرو گے کہ ایک انڈین پرنس نے تمہیں لارڈ کرزن کی طرح ڈرائیو کیا تھا۔"

اس نے ہنس کر مجھے ایک طرف سرکاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ میں انڈیا میں ایک پرنس کو ڈرائیو کرتا رہا ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھے سمجھا دو کہ تم پرنس کس طرح ہو۔"

"گاڑی چلاؤ کیپٹن۔ چھ سات ماہ بعد میں بمبئی آؤں گا تو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا۔"

کیپٹن نے کار اسٹارٹ کر دی۔ میں نے دو سگریٹ جلا کر ایک اس کو تھما دیا۔ چند منٹ میں ہم وہائٹ وے میں داخل ہو رہے تھے۔ میں نے چند چیزیں خریدیں۔ سوٹوں کا کپڑا پسند کیا اور ناپ دے دیا۔ دو ہزار روپے ایڈوانس دے دیئے اور سیلز گرل نے دو روز بعد سوٹ تیار کر کے گورنمنٹ ہاؤس بھجوانے کا وعدہ کیا۔

تیسرے روز وہائٹ وے سے میرے تمام سوٹ اور ضروری چیزیں ایک سوٹ کیس

میں رکھ کر پہنچا دی گئیں۔ اسی شام سات بجے کے قریب سیکرٹری نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ تاج ہوٹل سے ہزہائی نس کی گاڑی تمہیں لے جانے کو یہاں پہنچ رہی ہے۔ فوراً ہزایکسی لینسی کی قیامگاہ پر پہنچ جاؤ۔ میں نے لباس تبدیل کیا اور اردلی کو اپنا سامان پیک کرنے کو کہہ کر روانہ ہو گیا۔ جس وقت میں پورچ میں داخل ہوا۔ مسٹر جسمیں برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ سلام کرتے ہی مسکرا کر جواب دیا۔ "گڈ ایوننگ پرنس کرن۔" میں نے آہستہ سے تھینکس کہہ کر مصافحہ کیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور میری کمر پر ہاتھ رکھ کر اندر داخل ہو گئے۔ کئی کاریڈور اور کمرے عبور کر کے ڈرائنگ روم کا پردہ ہٹا ر اندر جھانکا اور اشارہ ملنے پر مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ہزایکسی لنسی اور مادام آتش وان کے قریب صوفوں پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ انوں نے اٹھ کر میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ مادام نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں نے "گڈ ایوننگ یورایکسی لنسی" کہہ کر سر کو خم دیا۔ ہزایکسی لنسی نے میرے شانے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم خوش نصیب ترین انسان ہو نائیم۔ لیکن تمہارا رول اور تمہاری ذمہ داریاں بھی بہت بڑی ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میں سمجھ سکتا ہوں یورایکسی لنسی۔ آپ سرپرست ہیں تو کوئی دشواری ایسی نہیں جس پر میں عبور نہ پا سکوں۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے تمہاری وفاداری اور صلاحیتوں پر اعتماد ہے۔ اچھا خدا حافظ۔"

میں نے خدا حافظ کہہ کر دونوں کو سلام کیا اور سیکرٹری کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پورٹیکو میں سفید سیڈان کھڑی ہوئی تھی۔ قریب ہی میرا اردلی اور ڈرائیور کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں نے جھک کر سلام کیا۔ اردلی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "سرکار آپ کے تینوں سوٹ کیسوں اور ہولڈال لگیج بکس میں ہیں۔ جسٹر آپ کی سیٹ پر ہے اگر حکم دیں تو پہنا دوں۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دس روپے کا نوٹ نکالا۔ اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا انعام۔" اس نے سیکرٹری کی طرف دیکھا اور سلام کر کے نوٹ لے لیا۔ میں نے سیکرٹری کا شکریہ ادا کر کے ہاتھ ملایا اور کار کی طرف بڑھا۔ سیکرٹری کمرے میں داخل ہو گئے۔ ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا اندر سے ایک اینگلو انڈین لڑکی سفید یونیفارم پر فرکوٹ پہنے باہر نکلی اور "گڈ ایوننگ یورایکسی لنسی" کہہ کر دروازے کے قریب کھڑی ہو گئی۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ شکل و صورت اور جسمانی اعتبار سے دھماکہ تھی۔ ہزایکسی لنسی رشی کرن نظروں کی حدت سے پگھل کر فضا میں تحلیل ہو گیا اور خالص نعیم اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے گڈ ایوننگ میڈم کہا تو وہ سر جھکا کر بولی۔ "یورایکسی لنسی میں آپ کی نرس ہوں۔" میں نے اس کے بازو کو ہاتھ لگا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا

تو۔۔۔۔۔ وہ بھی اندر آ گئی اور میرا چسٹر اٹھا کر بولی۔ "اسے پہن لیجئے۔ سردی کافی ہے۔" ڈرائیور نے دروازہ بند کر کے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ میں نے چسٹر اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ "تمہارا نام۔۔۔؟"

مسکرا کر بولی۔ "لوسی کیتھ۔ آپ لوسی کہہ سکتے ہیں یور ایکسی لنسی۔"

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "مس کیتھ کیوں نہیں؟"

مسکرا کر کہنے لگی۔ "اختصار کے لئے یور ایکسی لنسی۔ لوسی کیتھ کافی بڑا نام ہے۔"

"اتنا بڑا بھی نہیں۔ کیا تم کبھی چھوڑنا پسند کرو گی۔"

"میں آپ کے ساتھ چل رہی ہوں یور ایکسی لنسی۔"

"گڈ۔ پاپا نے سلیکٹ کیا تمہیں؟"

"ہزایکسی لنسی نے مجھے لیٹر دیا تھا یور ایکسی لنسی۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔"

"اب آپ چسٹر پہن لیجئے۔" اس نے میرے ہاتھ سے کوٹ لے کر کمر پر ڈالتے ہوئے کہا۔ میں نے ہاتھ پھیلا دیئے اس نے کوٹ پہنایا اور بٹن لگاتے ہوئے بولی۔ "ہوٹل پہنچنے پر آپ ذرا کمزور نظر آئیے یور ایکسی لنسی۔ میرے سہارے کے بغیر چلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"اوہ پھر تو میں ہمیشہ کمزور نظر آنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس نے نگاہیں جھکا کر کہا۔ "آپ میری عزت افزائی کر رہے ہیں۔"

"شاید ہزایکسی لنسی نے میری عزت افزائی کی ہے مس کیتھ۔" میں نے جواب دیا۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ گاڑی تاج کے پورٹیکو میں پہنچ کر رک گئی۔ وہ میرا بازو تھام کر باہر نکلی اور لفٹ میں سوار ہو کر پانچویں منزل پر پہنچ گئے۔ ہزہائی نس کے کمرے کے دروازے پر ایک اردلی کھڑا ہوا اسی طرف دیکھ رہا تھا اس نے دروازہ کھول کر سیکرٹری کو ہمارے آنے کی اطلاع دی اور وہ دوسرے لمحے ہزہائی نس اور ان کے سیکرٹری دروازے پر کھڑے تھے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا۔ ہزہائی نس نے "کرن ڈارلنگ" کہہ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ ہزہائی نس اور سیکرٹری نے مجھے اندر لے جا کر مسہری پر بٹھا دیا۔ ڈنر کے بعد مس کیتھ مجھے لے کر میرے بیڈ روم میں آ گئی اور سلیپنگ پاجامے دے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میرے اور اس کے کمرے کے درمیان ایک رنگین پردے کے سوا کوئی چیز حائل نہ تھی۔ میں نے لباس تبدیل کر کے اس کو آواز دی۔ ایک منٹ بعد وہ نائٹ گاؤن پر فرکوٹ پہنے مسکراتی ہوئی اندر آئی اور مسہری کے قریب ایک کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنے گھٹنوں پر کمبل کھینچتے ہوئے کہا۔ "مس کیتھ میں ڈرنک کرنا چاہتا

ہوں۔"

اٹھتی ہوئی بولی۔ "ضرور کیجئے۔ یور ....."

میں نے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نکالئے۔ بار سے منگانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے سوٹ کیس سے نکالنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہزہائی نس نے میرے کمرے میں پہلے ہی اس کا اہتمام کر دیا ہے۔ اگر مائنڈ نہ کریں تو وہیں چلئے ......" میں نے کمبل سرکا کر پیر نیچے لٹکائے۔ اس نے جھک کر سلیپر میرے قریب کر دیئے۔ میں نے پہنتے ہوئے کہا۔ "اتنا شرمندہ نہ کرو مس کیتھ۔ سلیپر میں خود بھی پہن سکتا تھا۔"

"میں اور کس لئے ہوں یور ایکسی لنسی۔" اس نے سیدھی کھڑی ہوتے ہوئے کہا۔

میں ہنس دیا۔ "ڈونٹ بی سلی ..... آؤ ..... دروازہ بولٹ کر دیا ہے؟"

"یس یور۔"

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ٹائیٹل کا زیادہ استعمال مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے مس کیتھ۔ تم مجھے یوراج کہہ سکتی ہو۔" میں نے چلتے ہوئے کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر پردہ اٹھایا اور تھام کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے اندر داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ ایک مسہری، صوفہ سیٹ، سنگھار میز، الماری اور ایک دیوار میں بلٹ ان بار پر اسکاچ، برانڈی، بیئر اور سوڈا واٹر کی بوتلیں گلاس وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ میں اس حسن انتظام کا قائل ہو گیا۔ مس کیتھ نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے ایک شیشے کا ٹیبل میرے قریب رکھا اور پوچھا۔ "وسکی یا برانڈی؟"

میں نے کہا۔ "برانڈی۔ تم چاہو تو وسکی بھی پی سکتی ہو۔"

مسکرا کر بولی۔ "کیا میں آپ کے ساتھ پی سکتی ہوں یور ایکسی لنسی؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "کیا ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے؟"

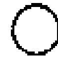
"یہ میری عزت افزائی کر رہے ہیں آپ۔" اس نے بار کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

میں نے ٹیبل سے سگریٹ ٹن اٹھایا اور سلگانے لگا۔ وہ بوتلیں اور دو گلاس لے کر آ گئی اور میرے سامنے صوفے پر بیٹھ کر گلاسوں میں انڈیلنے لگی۔ میں نے گلاس اٹھایا۔ اس نے اپنا گلاس اٹھا کر کہا۔ "ٹو پرنس رشی کرنز ہیلتھ" دو تین پیگ پی کر میں بہک جانے کے خیال سے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اوکے مس کیتھ۔ گڈ نائٹ۔"

اس نے اٹھ کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "کیا بہت نیند آ رہی ہے یور ایکسی لنسی؟"

میں نے چلتے چلتے کہا۔ "ہاں مس کیتھ۔ شب بخیر۔" وہ شب بخیر کہہ کر آہستہ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

صبح ناشتے کے بعد ہزایکسی لنسی میرے کمرے میں تشریف لائے اور ریاست کے دو تین اعلیٰ حکام سے جو ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور اسی نسبت سے میرے بھی بزرگ ہوتے تھے۔ میرا تعارف کرایا۔ ان میں سے ایک میرے حقیقی ماموں لفٹنٹ کرنل ارجن سنگھ تھے اور وہ اس راز سے واقف تھے کہ اصلی رشی کرن کو علاج کے لئے انگلینڈ بھیج کر عرصہ دراز کے لئے غائب کر دیا ہے۔ دوسرے مصاحبین اور سیکرٹری مجھے اصلی یوراج تسلیم کئے ہوئے تھے اور اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ میرا علاج بمبئی ہی کے کسی کلینک میں ہوا ہے اور اب میں روبصحت ہوں۔ تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد لیفٹنٹ کرنل اور ہزہائی نس کے سوا سب میرے لئے دعائیہ کلمات کہہ کر رخصت ہو گئے۔ ہزہائی نس نے مجھے چھوٹی مہارانی۔ شانتا کماری کی حقیقی ماں اور ان کے بھائی ٹھاکر اجیت سنگھ کے عادات و اطوار کے متعلق مزید چند معلومات فراہم کیں اور ہر نئے شخص سے ملاقات کے وقت خود ان کے ساتھ آنے کا وعدہ کیا۔ نصف گھنٹے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اسی شام ہمیں فرنٹیر میل میں اپنا سیلون اٹیچ کئے جانے کی اطلاع مل گئی اور ہم شردھام نگر روانہ ہو گئے۔



اس کے بعد "خواب زادہ"
کے دوسرے حصّے کا مطالعہ کریں۔

